ورشۃ القرآن تربیلا

تذکرہ قاریانِ ہند

تالیف

عماد القراء جناب مرزا بسم اللہ بیگ صاحب بی۔اے
مقری قراءتِ عشرہ

ناشر

میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا

محمدیہ لائبریری
رقم المسلسل ______
جامعہ اسلامیہ لاہور

حصہ اوّل

تذکرۂ قاریانِ ہند

تالیف

عماد القراء جناب مرزا بسم اللہ بیگ صاحب بی۔ اے

مقری قراءتِ عشرہ

الناشر

میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی

۷۸۶

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیشِ لفظ

قاریانِ ہند کے حالات جن کو میں نے سولہ سالہ کاوش سے جمع کیا تھا وہ اب طبع ہو رہے ہیں۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ حصۂ اول میں تجوید کی اہمیت۔ قرات عشرہ کے اختلافات اور تجوید و قرات پر جو کتابیں عالمِ اسلام میں شائع ہوئیں ان کا مختصر ذکر ہے۔ تاکہ تسلسل و تواتر کی اہمیت واضح ہو جائے اور ہندوستان میں جب سے مسلمان آئے ہیں ان کی مساعیٔ جمیلہ ادوار کی شکل میں مختصراً منظر عام پر آ جائیں۔

دوسرے حصے میں قراء کے انفرادی حالات کا ذکر ہے جو مسلمانوں کی آمد سے لے کر سنہ ۱۳۸۰ھ تک ہندوستان کے مختلف حصوں میں کام کرتے رہے۔

تیسرے حصے میں موجودہ قراء کے حالات ہیں۔ جن سے میں خود مل چکا ہوں۔ نیز جن کی کارگزاریوں کو بچشمِ خود دیکھ چکا ہوں۔ یہ تینوں حصے یکے بعد دیگرے شائع ہوں گے فراہمی رقم اور طباعت کی مشکلات سے تینوں حصے ایک ساتھ شائع نہ ہو سکے۔ میں صدر انجمنِ اسلامیہ حیدرآباد کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے پہلے حصے کی طباعت کی ذمہ داری لے کر میری معاونت فرمائی ہے۔ میں ان کے لئے دست بدعا ہوں کہ جس خلوص سے انہوں نے دستگیری کی ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور قارئینِ کرام بھی جو اس سے مستفیض ہوں وہ بھی صدر انجمنِ اسلامیہ کے جملہ اراکین کے لئے دعا فرمائیں۔

میں خصوصیت کے ساتھ جناب حبیب حسین بالفقیہ صاحب و الحاج فیاض حسین صاحب کلکٹر وظیفہ یاب اور جناب پروفیسر سید محمد صاحب کا ممنون ہوں کہ ان کی حوصلہ افزائی و معاونت سے یہ کام سرانجام پا سکا۔ خواجہ حمید احمد صاحب و دیگر احباب نے بھی اس میں سرگرم حصہ لیا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ما را کہ نہ آرایش برگے نہ کالا ہی ست
سرمایہ اگر ہست ہمیں دست دعائی ست (بیدلؔ)

مرزا بسم اللہ بیگ

۷۸٦

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقدّمہ

دامنِ اردو قدیم وجدید علوم کے شہ پاروں سے مالا مال ہے لیکن یہ وہ خزانہ ہے کہ اس میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے اسی تناسب سے اس کی وسعت اور پہنائی میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

علوم اسلامی میں شاید ہی کوئی ایسی شِق ہوگی جس میں مستند اور معتبر مواد مہیا اور موجود نہ ہو۔ خصوصاً قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ کے تعلق سے قدیم علوم وفنون کو اردو میں منتقل کرنے کے علاوہ بلند پایہ تصانیف اور وقیع تالیفات کے ذریعہ ہند کے علماء کرام اور اصحابِ قلم نے وہ گراں قدر سرمایہ جمع کر دیا ہے جو دنیا کی کسی بھی علمی زبان سے ہمسری کا دعوےٰ کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ شاہوں یا شہنشاہوں کی سرپرستی یا قانون کی پشت پناہی کے بل پر نہیں رضائے الٰہی کے طلب گاروں اور بے غرض خدمتِ خلق کو زندگی کا مقصد قرار دینے والوں کا رہینِ منت ہے۔ اسلاف نے جو سلسلہ جاری کیا اخلاف نے بھی بحمد اللہ اسے جاری رکھا۔ حالات کی نامساعدت اس وقت بھی تھی اور آج تو کچھ زیادہ ہی مشکلات درپیش ہیں۔ لیکن عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے صلہ وستائش سے بے نیاز ہو کر دامنِ اردو کو مالا مال کرنا یہ کچھ زبانِ اردو کے مخلص خدمت گزاروں کی ہی امتیازی خصوصیت ہے۔

اسلامی علوم میں تجوید وقرأت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ اس سلسلہ میں جو علمی وعملی خدمات اہلِ ہند نے انجام دی ہیں یہ حقیقت عامۃ الناس کی نظروں سے مستور تھی جو زیرِ نظر تذکرہ کے ذریعہ منظرِ عام پر آ رہی ہے۔ یہ سعادت فاضل مولف عماد القراء الحاج کرنل بسم اللہ بیگ صاحب کے حصہ میں آئی کہ موصوف نے نامور اسلاف کے کارناموں کو یکجا اور مختلف ادوار کی کڑیوں کو جوڑ کر یہ سلسلۃ الذہب تیار فرما دیا۔

فاضل مولف نے قرأۃ کلام پاک کے لئے اپنی زندگی وقف فرما دی اور سینکڑوں سبعہ وعشرہ کے قاری تیار کر دیئے ہیں یہ کس قدر خوش آیند حقیقت ہے کہ بلا مبالغہ لاکھوں کروروں کلام الٰہی پڑھنے اور پڑھانے والے ہندوستانی مسلمان من وعن رسول اللہ صلعم کے نطق مبارک کے مطابق تلاوت وتدریس میں مشغول ہیں۔

محترم کرنل صاحب نے زیرِ نظر تذکرہ کی ترتیب وتالیف کے سلسلہ میں برِصغیرِ ہند میں مشرق سے مغرب شمال سے جنوب تک سفر کر کے مواد جمع فرمایا۔ مختلف خانوادوں کے باقیات الصالحات سے بالمشافہ معلومات حاصل کئے۔

مشہور کتب خانوں کو چھان ڈالا۔ نجی مخطوطات کا مطالعہ کر کے نوٹس لئے یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ انکی کدوکاوش اور جانکاہی کا حاصل "تذکرہ قاریانِ ہند" کی تین ضخیم جلدوں کی صورت میں مرتب ہوگیا۔

اس تذکرہ کی طباعت واشاعت سے زبانِ اردو میں جہاں علوم اسلامی کی ایک اہم شاخ "تجوید" میں وقیع بلند پایہ تالیف کا اضافہ ہوا وہیں نوجوان نسل کے سامنے چھ سو سال کا مستند تاریخی مواد پیش ہو رہا ہے، وہ دیکھیں گے کہ اولیاء، کبار علماء کرام صوفیائے عظام کے علاوہ امراء و رؤسا کو تک قرات قرآن کریم سے کس درجہ والہانہ شغف تھا جس کی برکت سے برِصغیر ہند پر رحمتِ الٰہی سایہ فگن رہی جس کو عرفِ عام میں اقبال مندی کا نام دیا جاتا ہے۔

صدر انجمن اسلامیہ کو اتفاقاً اس کا علم ہوا کہ اس قدر وقیع و مستند اور جامع تالیف محض مصارفِ طباعت کی وجہ منظرِ عام پر نہیں آسکی تو مجلس انتظامی نے اس ذمہ داری کو قبول فرمالیا تاکہ یہ شہ پارہ جلد قدردانان علوم و فنون تک پہونچادیا جائے۔ صدر انجمن کو یقین ہے کہ ملک کے طول و عرض میں اس کو شوق کے ہاتھوں سے لیا جائے گا اور نوجوان نسل اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر آنے والی نسلوں کے لئے ان شاندار روایات کے سلسلہ کو برقرار رکھے گی، یہی آرزو محترم کرنل صاحب کی بھی ہے اور وہ اپنی خدمات کا یہی صلہ چاہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالےٰ انہیں اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

بارگاہِ رب العزت میں ہماری دعا ہے کہ آنے والی نسل میں کرنل صاحب کی مثالیں پیدا ہوں کہ ایسی مثالیں جس قدر زیادہ ہوں گی موجبِ خیر و برکت ہونگی ملت موردِ رحمتِ الٰہی ہوگی۔

واخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین

حبیب حسین بالفقیہ

فہرست مضامین

مضمون	فقرہ	مضمون	فقرہ
تمہید	۱	خطاطی	۲۱
قراء کے نام ملنے میں مشکلات	۲	ستہ سواری	۲۲
اس کا فائدہ	۳	تجوید کی تعریف جو علامہ الجزری نے کی	۲۳
باب اول		مشق دہن	۲۴
تعارف قرآن مجید	۵	اللغا و اللحن	۲۵
تعلیم قرآن کا ابتدائی نظام	۶	تجوید ہم تک کیسے پہونچی	۲۶
صحابہ جنہوں نے خصوصیت سے سیکھا	۷	تجوید کا مدار نقل پر ہے	۲۷
تدوین قرآن	۷	تجوید کی اہمیت کے متعلق چند احادیث	۲۸
جمع قرآن	۸	تلاوت کی اہمیت	۲۹
زید بن ثابت کا جمع کردہ قرآن	۹	بغیر سمجھے تلاوت مفید ہے یا نہیں	۳۰
خط و رسم الخط کا فرق	۱۰	استدلال نقلی	۳۱
خط تیراموزی	۱۱	قرآن مجید سے استفادہ کے چند شرائط	۳۲
رسم الخط کی اہمیت	۱۲	**باب دوم**	
قرآن مجید سن کر بھی سیکھا جا سکتا ہے	۱۳	فن قرات کے آئمہ	۳۳
تعلیم و تعلم کی اہمیت	۱۴	قرات عشرہ	۳۴
علم تجوید کیا ہے	۱۶-۱۷	امام نافع مدنی	۳۵
علم و فن کا فرق		ان کے راوی	۳۶-۳۷
تجوید کی خصوصیات	۱۹	امام نافع کا طریقۂ تعلیم	۳۸
حسن صوت	۲۰	ابن کثیر مکی	۳۹

مضمون	فقرہ
ان کے راوی	۴۰-۴۱
ابوعمر بصری	۴۲
ان کے راوی	۴۳
ابوعمر شامی	۴۴
ان کے راوی	۴۵-۴۶
امام عاصم کوفی	۴۷
ان کے راوی	۴۸-۴۹
امام حمزہ کوفی	۵۰
ان کے راوی	۵۱تا۵۲
امام کسائی کوفی	۵۳
ان کے راوی	۵۴-۵۵
ابوجعفر مدنی اور ان کے راوی	۵۶
یعقوب حضرمی اور ان کے راوی	۵۷
خلف عشرہ	۵۸
امام اور راویوں کی خصوصیات	۵۹
باب سوم	
تسلسل و تواتر	۶۰
اختلافات قرات سبعہ و عشرہ	۶۱
اختلافات کا جواز	۶۲
پیش نظر سہولت	۶۳
سلسلۂ تصانیف کتب قرات	۶۴
چوتھی صدی کی تصانیف	۶۵
پانچویں صدی کی تصانیف	۶۶

مضمون	فقرہ
عثمان دانی	۶۷
دوسری تصانیف جو پانچویں صدی میں ہوئیں	۶۸
چھٹی صدی کی تصانیف	۶۹
علامہ شاطبی اندلسی	۷۰
ابن طیفور سجاوندی	۷۱
ساتویں صدی کی تصانیف	۷۲
علی السخاوی مصری	۷۳
السخاوی کے شاگرد	۷۴-۷۵
آٹھویں صدی کی تصانیف	۷۶
نویں صدی کی تصانیف	۷۷
شمس الدین الجزری	۷۸
ان کے معمولات	۷۹
نویں صدی کے دوسرے تصانیف	۸۰
دسویں صدی کی تصانیف	۸۱
علامہ جلال الدین سیوطی مصری	۸۲
دسویں صدی کی دوسری تصانیف	۸۳
ملا علی قاری ہروی گیارھویں صدی	۸۴
بارھویں صدی کی تصانیف	۸۵
اتحاف فضلاء البشر	۸۵
غیث النفع	۸۵
تیرھویں صدی کی تصانیف	۸۶
وجوہ المسفرہ	۸۶
چودھویں صدی - علی بن محمد ضباع	۸۷

مضمون	فقرہ	مضمون	فقرہ
خلاصۂ تسلسل	۸۸	غیاث الدین بلبن کی علم نوازی	۱۱۲
تسلسل کے فوائد	۸۹	علاؤ الدین خلجی کی علم نوازی	۱۱۳
قرآن مجید مع حواشی سبعہ	۹۰	محمد تغلق کی علم نوازی	۱۱۴
حواشی کی اہمیت	۹۲-۹۱	محمود بیگڑا کی علم نوازی	۱۱۵
باب چہارم		دکن میں بہمنی بادشاہوں کی علم نوازی	۱۱۶
مشاہیر خدام قرأت کلام اللہ	۸۴-۷۰	محمود خلجی والیٔ مالوہ کی علم نوازی	۱۱۷
باب پنجم		سلطان غیاث الدین کی علم نوازی	۱۱۸
ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد	۹۶	سلطان ابراہیم شرقی کی علم نوازی	۱۱۹
مولانا عبدالحی کی تحقیق	۹۷	سلطان زین العابدین کی علم نوازی	۱۲۰
ساحل مالابار پر عربوں کی تجارت	۹۸	مغلیہ سلاطین کی علم نوازی	۱۲۱
ملک بن انبار	۹۹	طرز تعلیم	۱۲۲
تمیم انصاری	۱۰۰	تعلیم کا مدار	۱۲۳
محمد بن قاسم کا حملہ	۱۰۱	اشاعت کے ذرائع	۱۲۴
سندھ و پنجاب پر قبضہ	۱۰۲	قاریوں کے اقسام ۔ قسم اول	۱۲۵
محمود غزنوی کے حملوں سے پہلے	۱۰۳	قسم دوم	۱۲۶
خواجہ معین الدین چشتیؒ	۱۰۴	قسم سوم	۱۲۷
گروہ صوفیا کی تعلیمی اساس	۱۰۵	شافیتہ سیکھنے کی اہمیت	۱۲۹،۱۲۸
علم حاصل کرنے کے ذرائع	۱۰۶	شغف بالقرآن	۱۳۰
علم کے بعد عمل	۱۰۷	ادوار کی تقسیم	۱۳۱
صوفیا کا دعویٰ	۱۰۸	**باب ششم**	
سکون بالقرآن	۱۰۹-۱۰۸	پہلے سات ادوار	
بادشاہوں و امراء کی علم نوازی	۱۱۰	دور اول سہروردیہ	۱۳۲
ترک و پٹھان بادشاہوں کی علم نوازی	۱۱۱	مخدوم بہاؤالدین ذکریا ملتانی	۱۳۳-۱۳۲

مضمون	فقرہ	مضمون	فقرہ
شغف بالقرآن	۱۳۴	سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رح	۱۵۵
وفات	۱۳۵	ابتدائی زندگی	۱۵۶
شیخ رکن الدین ابوالفتح	۱۳۶	تجوید کا سیکھنا	۱۵۷
بابا شرف الدین و شہاب الدین رح	۱۳۷	مولانا علاؤ الدین نیلی کی قرات	۱۵۸
حمید الدین ناگوری	۱۳۸	دسترخوان کی قرات	۱۵۹
دورِ سہروردیہ کے خصوصیات	۱۳۹	شغف بالقرآن کا نمونہ	۱۶۰
شجرہ قرائے سہروردیہ	۱۴۰	سلوک بالقرآن کا نمونہ	۱۶۱
نقشہ ہندوستان ترویج قرآن بزمانہ سہروردیہ	صفحہ ۱۱۳	حضرت کے برکات	۱۶۲
دورِ دوم چشتیہ		نواسوں کی تعلیم و تربیت	۱۶۳
خواجہ معین الدین چشتی رح	۱۴۰	اقوال	۱۶۴
عقد و اولاد	۱۴۱	خصوصیات کاملین چشت	۱۶۹
درس گاہ و خانقاہ	۱۴۲	شجرۂ چشتیہ	صفحہ ۱۲۸
خصوصیات و اقوال	۱۴۳	نقشۂ ہندوستان ترویج قرات کا حلقہ	۱۲۹
جذبۂ خدمت خلق	۱۴۴	دورِ سوم بلخیہ	
وفات	۱۴۵	جلال الدین تبریزی رح	۱۶۸
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح	۱۴۶	منظفر شمس بلخی رح	۱۶۸
سلطان التمش	۱۴۷	شجرہ بلخیہ	۱۶۹
قرآن خوانی کا ایک نمونہ	۱۴۸	نقشۂ ہندوستان و ترویج قرات	صفحہ ۱۳۲
وفات	۱۴۹	دورِ چہارم بخاریہ	
بابا شیخ فرید گنج شکر رح	۱۵۰	جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح	۱۷۰
شغف قرآن	۱۵۱	قطب عالم رح	۱۷۱
خانقاہ کی خصوصیات	۱۵۲/۱۵۳	ان کی قرات	۱۷۲
اقوال	۱۵۳	شاہ عالم رح	۱۷۳

مضمون	فقرہ	مضمون	فقرہ
فتح خاں	۱۷۴	محمد شریف مدنی کی آمد	۱۹۶
بی بی مغلی	۱۷۵	رمضان شریف کا پروگرام	۱۹۷
شاہ عالم کی تعلیم	۱۷۶	یعقوب سلطان	۱۹۸
شاہ عالم کی مسند نشینی	۱۷۸	تصانیف مخدوم صاحبؒ	۱۹۹
محمود بیگڑا	۱۷۹	وفات	۲۰۰
ایک واقعہ	۱۸۰	شجرہ اول قادریہ علی متقی	صفحہ ۱۵۵
مظفر شاہ	۱۸۱	شجرہ دوم قادریہ امیر سیف الدین	۱۵۶ "
تلاوت سے شغف	۱۸۲	نقشۂ ہندوستان و قرأت کے حلقے	۱۵۸ "
قرآن مجید کا نسخہ سے ایک رکوع لکھنا	۱۸۳	خانوادہ شطاریہ قادریہ	
موت کا واقعہ	۱۸۳ ا، ب، ج	علمائے سندھ	۲۰۳
شاہ عالم کی اولاد و اقوال	۱۸۴	قاری شیخ عیسیٰ سندھی	۲۰۴
تجوید کے مدرسے	۱۸۵	شیخ طاہر محمد سندھی	۲۰۵
شجرہ و نقشہ ہندوستان۔ بدور بخاریہ	صفحہ ۱۴۲	قاری شیخ قاسم سندھی	۲۰۶
دورِ پنجم قادریہ	۱۴۳ "	حافظ قاری ملا اسمٰعیل	۲۰۷
علاؤالدین علی متقیؒ	۱۸۶	شیخ ابراہیم شطاری	۲۰۸
ان کے شاگرد	۱۸۷	شاہ شکر محمد عارف	۲۰۹
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	۱۸۸	شیخ طیب سندھی	۲۱۰
امیر سیف الدین کاکوروی	۱۸۹	حکیم شیخ عثمان بوبکانی	۲۱۱
تعلیم و تربیت	۱۹۰	شیخ القرا شیخ عیسیٰ جند اللہ	۲۱۲
حلقہ درس	۱۹۱	بابا فتح محمد محدث	۲۱۳
امیر نظام الدین قادری	۱۹۲	شیخ شہاب الدین	۲۱۴
ایک واقعہ	۱۹۳	قاری شیخ رحیم	۲۱۵
سید ابراہیم بغدادی کا واقعہ	۱۹۴		

مضمون	فقرہ
دورِ ششم۔ عیدروسیہ	
سید شیخ عبداللہ العیدروس	۲۱۷
حبیب العیدروس	۲۱۹
فرزندان عبداللہ العیدروس	۲۲۰
محمد عرب حضرمی	۲۲۱
شجرۂ عیدروسیہ	۲۲۲
نقشۂ ہندوستان وترویج قراءت	صفحہ ۱۷۰
دورِ ہفتم مجددیہ	
حضرت باقی باللہؒ	۲۲۳
مدرسہ وخانقاہ	۲۲۴
مجدد الف ثانیؒ	۲۲۵
اتباع سنت	۲۲۶
عبدالحکیم سیالکوٹیؒ	۲۲۶ب،ج
مجدد صاحب کے اہم کام	۲۲۷
اولاد مجدد صاحب	۲۲۸
شجرۂ مجددیہ	۲۲۹
نقشہ ترویج قراءت	صفحہ ۱۷۷
دورِ ہشتم	
شیخ القراء عبدالخالق منوفی مصری	۲۳۱
ان کے شاگرد	۲۳۲
النشر کا نسخہ	۲۳۳
شجرہ منوفیہ	۲۳۴
نقشہ ہندوستان وترویج قراءت	صفحہ ۱۸۱

مضمون	فقرہ
دورِ نہم	
سید شاہ عنایت اللہ بالاپوری	۲۳۵
قاری قمرالدین	۲۳۶
شمس الدین منیب اللہ	۲۳۷
حافظ نورالہدیٰ	۲۳۸
برار کا سفر واولاد	۲۳۹
شجرہ نسب	۲۴۰
نقشہ ہندوستان قراءت کی وسعت	صفحہ ۱۸۷
دورِ دہم	
سلسلہ نسب مولانا حافظ محمد حسینؒ	۲۴۱
تعلیمی مشاغل	۲۴۲
آپ کے شاگرد	۲۴۳
فرزند نظام الدین صغیرؒ	۲۴۴
مولانا محمد غوثؒ	۲۴۵
انکی خوش نویسی وکتابت قرآنی	۲۴۶
نثر المرجان	۲۴۷
اولاد	۲۴۸
شجرہ نسب	۲۴۹
نقشہ ہندوستان وقراءت کی وسعت	صفحہ ۱۹۴
دورِ یازدہم	
شاہ ولی اللہؒ کا نسب	۲۵۰
پیدائش وتعلیم	۲۵۱
قاری سید عبداللہ	۲۵۲

مضمون	فقرہ
ان کا قرآنی شغف	۲۵۳
داراشکوہ کے فرستادہ قاریوں کی جماعت	۲۵۴
شیخ آدم بنوری	۲۵۵
شیخ عبد اللہ کی وفات	۲۵۶
شاہ ولی اللہ کا علمی شغف	۲۵۷
شاہ صاحب کا سبعہ کا حاشیہ والا قرآن	۲۵۸
شجرہ نسب	۲۶۰
نقشہ ہندوستان و قرأت کی وسعت	صفحہ ۲۰۱
دورِ دوازدہم	
شاہ رفیع الدین قندھاری	۲۶۱
میر شجاع الدین	۲۶۲
حیدرآباد میں آمد	۲۶۳
علمی مشاغل	۲۶۴
فرزندان	۲۶۵
وفات	۲۶۶
شجرۂ نسب	۲۶۷
نقشہ ہندوستان و قرأت کی وسعت	صفحہ ۲۰۹
دورِ سیزدہم	
شیخ القراء کرامت علی جونپوری	۲۶۸
تحصیل علوم وفنون	۲۶۹
ہنگامہ غدر	۲۷۰
قرأت سبعہ کا سیکھنا	۲۷۱
قرأت کا سکھلانا	۲۷۲

مضمون	فقرہ
تصنیفات	۲۷۳
اقوال وملفوظات	۲۷۴
اولاد	۲۷۵
قاری رجب علی	۲۷۶
قاری حافظ احمد علی	۲۷۷
قاری حافظ محمود علی	۲۷۸
قاری حافظ عبد الاول	۲۷۹
تعلیمی مشاغل	۲۸۰
اولاد	۲۸۰
تلاوت کا ذوق	۲۸۱
وفات	۲۸۲
فرزندان قاری رجب علی	۲۸۳
قاری عبد القادر	۲۸۴
قاری ابو البشر	۲۸۵
قاری مولانا ابو الحسین	۲۸۶
شجرۂ نسب	۲۸۷
شیخ القراء حافظ عبد الرحمن انصاری پانی پتی	۲۸۸
نسب	۲۸۹
تعلیم	۲۹۰
اساتذہ	۲۹۱
باندھ کو روانگی	۲۹۲
شاگردان وملاقاتی	۲۹۳
مشاغل	۲۹۴

مضمون	فقرہ
مستورات میں تجوید کا پھیلاؤ	۲۹۵
ٹونک کو روانگی	۲۹۶
شادی و اولاد	۲۹۷
انتقال	۲۹۸
اجبہ کا درس میں شریک ہونا	۲۹۹
شاگردوں کی تعداد	۳۰۰
تصانیف	۳۰۱
مولی ثناء اللہ کی دلوتی	۳۰۲
معمولات	۳۰۳
خصوصیاتِ رحمانی	۳۰۴
شجرۂ نسب	۳۰۵
شاہ عین القضاۃ	۳۰۶
مدرسہ فرقانیہ کا انتظام	۳۰۷
شاگردان و تصانیف	۳۰۷
مصارف مدرسہ	۳۰۸
وفات	۳۰۹
دفن	۳۱۰
شیخ القراء عبدالرحمٰن مکی الہ آبادی	۳۱۱
قاری محمد عبداللہ بڑے بھائی	۳۱۲
ان کے داماد	۳۱۳
ہندوستان میں آمد	۳۱۴
دائرہ فیضان	۳۱۵
جلسہ قرات	۳۱۶

مضمون	فقرہ
متبنّٰی قاری محبوب علی	۳۱۷
تصانیف	۳۱۸
فنون سپہ گری سے شوق	۳۱۹
شاگردوں کی تعداد	۳۲۰
قاری حفظ الرحمٰن کا بیان	۳۲۱
شجرۂ نسب	۳۲۲
تقابل عباد الرحمٰن	۳۲۳
سید علی مراد شاہ بخاری	۳۲۴
شاگردوں کی تعداد	۳۲۵
شجرہ نسب	صفحہ ۲۴۱
نقشہ ہندوستان و قرات کی وسعت	۲۴۲ ،
دورِ چہاردہم	
شیخ القراء سید محمد تونسی	۳۲۶
شاگرداں	۳۲۷
بارِ دیگر آمد	۳۲۸
شیخ القراء عبدالحق مہاجر مکی	۳۲۹
اولاد	۳۳۰
انتقال	۳۳۰
شاگردان	۳۳۱
شجرہ نسب	۳۳۲
نقشہ ہندوستان و وسعت قرات	صفحہ ۲۴۸

★

تبصرے

"Qarian-e-Hind"

(QARIS OF INDIA)

By

Col. Mirza Bismillah Beg,

Reviewed by **DR. SYED ABDUL LATIF** Ph. D. LONDON

President of

THE INSTITUTE OF
INDO-MIDDLE EAST CULTURAL STUDIES

Col. Mirza Bismillah Beg, an old graduate of the Osmania University has for years been engaged in a special study of a system of phonology associated with the Quranic learning, known as 'Qira't' or recitation or intonation of the Quranic text. He has already contributed several treatises on particular aspects of this subject. He has now produced a work in Urdu, in three volumes, styled "Qariyan-e-Hind" (The Qaris of India) running altogether into about 1500 pages. This work he has brought to me for an expression of opinion.

I have looked into the manuscript of this work with due interest. The first volume gives an account of the origin and development of this science, in the early days of Islam marking out in detail, the peculiarities of the seven orthodox variations into which it has branched out, along with brief biographical sketches of the leading personalities among scholars who had contributed to the building up of this science in the Medieval period of Islamic history.

The second volume and the third deal with the efforts made from time to time by the scholars of India during the last eight centuries to popularize and sustain interest in this science among the Muslims of India.

For aught I may say, only two works have been written since the advent of Islam, dealing with the history of this subject– Tabaqat–e–qurrah of Osman-e-–Dani, Andalusia, of the Fifth Century Hijri and another work bearing the same title by Mohammed bin Mohammad, Al-Jazari of North Africa of the Eight Century. In none of the two works is there any mention of what was being done by the scholars of India in the field of Qirat. I am not aware of any Middle Eastern Scholar having as yet made a similar attempt to cover the subject. It should, therefore, be a matter of pride to India that one of its own scholars should have thought of surveying the entire field from the very beginning of Islam and bringing within the purview of his work the contributions made to the subject, not only by the scholars of India, but the earlier scholars belonging to the Arab world.

Col. Bismillah Beg has worked on this subject for about sixteen years and has had to travel all over India, and consult pertinent material wherever available, both in the public libraries, and in private possession, a good deal of it being in the manuscript form. As the result of his labours he has given the sketches of all the leading scholars of India, numbering about 2000, who have left a mark in this field, a good many of them being Sufi scholars, both of the North and the South.

I think the work is the result of very laborious and very careful research and deserves to be published not only in Urdu, the language in which it is written, but in Arabic, Persian Turkish and Malayese. The work is indeed a handy encyclopedia of Qira't. I heartily congratulate the author on his commendable achievement.

In view of the fact that this valuable research has been accomplished by an Indian scholar on a scale not hither-to attempted, either in the East or in the West, I may venture to suggest that its publication may appropriately be arranged either by the Ministry of Education, Government of India or by the University Grant Commission or by a philanthrophic body like the H.E.H. The Nizam's Charitable Trust.

(DR. SYED ABDUL LATIF)

PRESIDENT.

Opinion of : **DR. YUSUFUDDIN**

Head of the Department of .
Comparative Religion & Culture,
OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD-A.P.

India can rightly feel proud of having produced several distinguished luminaries in various branches of Islamic studies. The name of Mahaimi as commentator of Holy Quran and the name of Ali Mutaqi, as a compiler of the Prophets traditions, and the name of Shah Wali-Ullah, as a Islamic political philosopher, and the name of Mulla Jeevan, teacher of Aurangzeb, as a propounder of the principles of theology, are held in high reverence, not only by the scholars of Muslim Countries, but even by the occidental Orientalists. Recently Dr. Zubair Ahmed of Allahabad has brought out a comprehensive book on Indian contribution to Arabic Literature but in the field of the science and Art of reciting the Quran, there is an obvious lacuna not only in Indian literature, but even in the Middle East, this important study appears to have been considerably neglected during recent times, particularly the historic side of it.

Col. Mirza Bismillah Beg, who has distinguished himself as an authority on ten recognised methods of reciting the Quran has indeed rendered yeoman serv.ce, not only to the methods of reciting the Quran by giving a succint account of the technicalities of the science, but has deliniated the historical side of the science, with an emphasis on the contribution of India since the advent of Islam in this country.

His contribution runs over 1500 fools-cap pages and contains biographies of 2,000 Qaries, who flourished in this country through ages. He has also given a clear sketch of the position of the science in India in our own days. The publication of this valuable work is bound to be appreciated, not only by the Middle East countries, but it will be most welcomed by ail the orientalists, and is bound to be of great value in research work that is being carried on in Islamic studies. I shall be eagerly looking forward to the day when th's work will see the light of print.

Dr. YUSUFUDDIN,
M. A., Ph. D.,
Head of the Department of
Comparative Religion & Culture,
Osmania University, Hyderabad-A. P.

Opinion of: **Dr. Ghulam Dastagir Rasheed,**

Head of the Department of
Persian & U.G.C. Research Professor,
OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD-A.P.

It has often fallen to the lot of many distinguished Military Officers to have made a highly valuable contribution to Academic and Scientific pursuit. IMADUL QURRAH Col. MIRZA BISMILLAH BEG Saheb is an outstanding figure of this kind. I can say without any fear of refutation that he is one of the greatest living authorities on the ten recognised methods of the Holy Quran. In view of his high Excellence and Proficiency in this Branch of highly technical study he has been styled as Imadul Qurrah. Apart from a deep study of the technicalities of this science he has paid immense attention to the reconstruction of the History of this science in India. He travelled through the length and breadth of the Country for carefully collecting all the available data and has been exceptionally successful in his great venture. The material collected by him extends over 1500 fools-cap pages and he has brought to light about 2000 distinguished recitors of Quran, who would have remained un-noticed in the unfathomable depths of time since the advent of Islam in India. As I have also been initiated in this science, I can realise the immensity and the technical accuracy of his works, which I am sure no other person at this time could have succeeded in attaining.

Study of Quran and allied sciences is becoming popular in India. Gandhiji had included passages from the Quran in his daily prayers and Shri Vinobabhave the illustraious leader of Bhoodan movements has also distinguished himself as a Qari. But it is very unfortunate that Middle East and even orientalists know practically nothing about Indian contribution to this noble science. It will indeed be a great National Service to get this immensely valuable work printed and translated in other languages. It will surely add laurels to the achievements of any Institution or Government to get this work printed and to get it widely distributed.

Dr. Ghulam Dastagir Rasheed,
M. A., Ph. D.,
U. G. C. Professor & Head of the
Department of Persian,
Osmania University, Hyderabad-A.P.

تبصرہ جناب حکیم عبدالقوی صاحب بی اے زرندائے ملت مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء

یہہ کتاب جو فن قراءت اور قرّاء کے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی شان رکھتی ہے ایک فرد واحد قاری و مقری کرنل مرزا بسم اللہ بیگ کی سوا۱۹ سالہ محنت کا ثمرہ ہے اور شاید یہہ کہنا خلاف حقیقت نہ ہو کہ اس موضوع پر اتنی جامع کتاب، اردو کیا معنی دنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں۔ کتاب کے ابھی دو حصے شائع ہوئے ہیں جلد اول کے حصہ اول میں اس فن شریف کی اہمیت۔ قرائے عشرہ کا باہمی فرق اور فن تجوید پر لکھی ہوئی کتابوں کا ذکر ہے۔ جلد اول کے حصہ ثانی میں ان قراء کے مختصر اور ضروری حالات (سنین وفات وغیرہ کے ساتھ درج ہیں) جو مسلمانوں کی آمد ہند سے لیکر سنہ ۱۳۸۰ھ تک اس ملک کے مختلف حصوں میں اقامت گزین رہے۔

جلد دوم میں اول صدی ہجری سے لیکر چودھویں صدی ہجری تک کے مشاہیر خدام قراءت اور ان کی تصانیف کی فہرست بھی درج ہے۔ قاریوں کے حالات کے ساتھ ضمناً تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات اور مشاہیر علماء اور بزرگان دین کے سوانح بھی اختصار و استناد کے ساتھ اس میں آگئے ہیں۔ مثلاً جلد دوم میں شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ مولانا کرامت علی جونپوری۔ عین القضاۃ حیدرآبادی۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ مولانا حسین احمد مدنی۔ مولانا سلیمان پھلواروی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن۔ مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی وغیرہم۔ قاریوں کی اس فہرست میں غایت توسع سے کام لیکر سر سید احمد خان اور ڈاکٹر سر محمد اقبال وغیرہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ ان بزرگوں کے علاوہ ہندستان کے مشاہیر قراء اور ان کے سلسلے شاگردوں کی پوری تفصیلات درج ہیں۔ قراء کی فہرست میں بھوپال کے والیہ ریاست نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے منجھلے صاحبزادے قاری حافظ جنرل عبیداللہ خان بھوپالی جن کا انتقال عین جوانی میں ۱۳۵۵ھ میں ہوا کے فنی کمالات اور سبق آموز واقعات اس کتاب کے صفحات میں کثرت سے ملیں گے۔ امید کہ اہل ذوق مصنف کی اس محنت کی قدر افزائی کریں گے۔ کتاب کی عبارت بڑی شگفتہ اور سلیس ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرہ بر کتاب "قاریانِ ہند"

مصنفہ

قاری کرنل مرزا بسم اللہ بیگ

از:- ڈاکٹر سید عبداللطیف پی۔ ایچ ڈی (لندن)

پریسیڈنٹ انسٹی ٹیوٹ آف انڈو میڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز

قاری کرنل مرزا بسم اللہ بیگ صاحب جو جامعہ عثمانیہ کے قدیم طیلسانی ہیں سال ہا سال سے قرآن مجید سے متعلق صوتیات اور قرأت کے خصوصی مطالعہ میں مشغول رہے اور اس فن کے مختلف پہلوؤں پر کئی رسالے شائع کئے۔ اب موصوف نے تین جلدوں میں قاریانِ ہند کے متعلق ایک کتاب اردو میں تحریر کی ہے جو پندرہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

موصوف نے اس کتاب سے متعلق میری رائے دریافت کی ہے۔ میں نے اس کتاب کو کافی دلچسپی کے ساتھ دیکھا۔ پہلی جلد میں اس فن کی ابتدا اور ارتقاء کا ذکر ہے اور اسلام کے ابتدائی دور میں مستند سبعہ قرأت کی ترویج اور ان کی خصوصیات سے بحث کی ہے اور فنِ قرأت سے متعلق اسلام کے قرونِ وسطیٰ میں جو ممتاز شخصیتیں گزری ہیں ان کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہے۔

دوسری اور تیسری جلد میں ہندوستان کے مشہور قاریوں کا ذکر ہے جنھوں نے گزشتہ آٹھ سو سال کے طویل عرصہ میں اس فن کو ہندوستان میں پھیلانے اور زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے

جہاں تک مجھے علم ہے اسلام کے آغاز سے ابتک اس فن کی تاریخ سے متعلق دو کتابیں لکھی گئیں ہیں:۔
پہلی کتاب اندلس کے عثمان دانی کی کتاب "طبقات قراء" جو پانچویں صدی ہجری میں لکھی گئی اور دوسری اس ہی نام کی کتاب شمالی افریقہ کے محمد الجزری نے آٹھویں صدی ہجری میں تحریر کی۔ ان دونوں کتابوں میں ہندوستانی علماء کی کاوشوں کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ مشرق وسطیٰ کے کسی عالم کا جس نے یہ کام کیا ہے۔

ہندوستان کے لئے یہ بات باعثِ فخر ہے کہ اس کے ایک عالم نے فنِ قرأت سے متعلق ابتدا سے ابتک صرف ہندوستانی علماء ہی کا اس میں ذکر نہیں کیا ہے بلکہ بیرونِ ہند سے بھی جو علماء یہاں آئے انکی بھی تفصیلات دی ہیں۔

کرنل بسم اللہ بیگ صاحب نے اس کام میں سولہ سال صرف کئے اور مواد حاصل کرنے کے لئے پورے

ہندوستان کا سفر کیا۔ رفاہی کتب خانوں اور خانگی ذخیروں کو چھانا اور مخطوطات سے استفادہ کیا۔ نتیجتہً وہ دو ہزار سے زائد ایسے ممتاز قاریوں کا مواد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اپنا مقام پیدا کر لیا ہے اور ان میں سے اکثر شمال اور جنوب کے صوفی علماء ہیں۔

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ بڑی محنت کا کام ہے اور بڑی تحقیق سے جمع کیا گیا ہے اور اس کا مستحق ہے کہ اس کو صرف اردو ہی میں شائع نہ کیا جائے بلکہ عربی، فارسی، ترکی اور ملائی زبانوں میں بھی شائع کیا جائے۔ یہ کتاب قرأت سے متعلق ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ میں مصنف کو اس شاندار کارنامے پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اس امر کے پیش نظر کہ ایک ہندوستانی عالم نے اس تحقیقاتی کام کو ایسے بڑے پیمانہ پر انجام دیا ہے جس کی مثال مشرق اور مغرب میں نہیں ملتی۔ میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ اس کی طباعت کا انتظام مناسب طریقہ پر حکومت ہند کا محکمہ تعلیمات، یونیورسٹی گرانٹ کمیشن یا ایچ۔ ای۔ ایچ دی نظام چیریٹیبل ٹرسٹ جیسا کوئی رفاہی ادارہ انجام دے۔

(ترجمہ)

(ڈاکٹر) **سید عبد اللطیف**

صدر

انڈو مڈل ایسٹ کلچرل انسٹی ٹیوٹ

تبصرہ از خواجہ محمد احمد صاحب - ایم - اے - ایل ایل - بی - سابق ناظم آثار قدیمہ حیدرآباد - دکن

خَیرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُراٰنَ وَعَلَّمَہٗ

آج سے نصف صدی قبل مولوی مرزا بسم اللہ بیگ صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی جب کہ موصوف نظام کالج میں بی، اے کے آخری سال میں تھے اور میں ایف، اے کے سال اول میں داخل ہوا تھا باہمی ارتباط کا ذریعہ موصوف کا ادبی ذوق تھا اور سلجھی ہوئی حقیقت پسند طبیعت تھی۔ کچھ عرصہ بعد ہی موصوف کا انتخاب محکمہ فوج میں کیڈٹ کی خدمت پر ہو گیا۔ بظاہر ملاقاتوں کے مواقع ختم ہو گئے تھے۔ لیکن اکثر ملاقاتیں ہو جاتی تھیں اور ہر ملاقات میں روابط مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے۔ موصوف محکمہ فوج میں اپنی حسن کارگذاری اور فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے کرنل کے عہدے تک پہونچ گئے۔ اور پولیس ایکشن کے فوری بعد ہی وظیفہ حسن خدمت حاصل کر لیا۔

فوجی ملازمت کے زمانے میں بھی موصوف نے اپنے علمی مشاغل کو ترک نہیں کیا۔ جب کبھی موقع مل جاتا دن کو یا رات کو علماء کی خدمت میں حاضری سے نہ چوکتے۔ اپنی طبیعت کی مناسبت سے نقشبندیہ طریقہ میں داخل ہو کر سلوک کے مدارج بڑی پابندی کے ساتھ طے کئے۔ تہجد کا التزام بڑے اہتمام اور انتہائی شوق سے کرتے ہیں اور دوسروں کو غیر محسوس طریقہ پر اس کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔

یوں تو اردو و فارسی ادب سے موصوف کو خاصہ لگاؤ ہے اور اردو اشعار کو برجستہ موقع اور محل پر استعمال فرماتے ہیں۔ لیکن خاص دلچسپی علوم قرآنی سے ہے اور اس میں بھی قرأت اور تجوید کے علم اور فن سے آج تقریباً تیس سال پہلے موصوف نے ایک مختصر لیکن جامع رسالہ قرأت عاصم اور تجوید پر شائع فرما کر اس میں قرأت سبعہ سے بھی قارئین کو متعارف کیا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ ہی کے بعد علوم قرآنی پر ایک مبسوط کتاب شائع کی۔

مجھ کو دس بارہ سال کی عمر سے قرأت و تجوید کا شوق تھا۔ لیکن اچھے رہبر نہیں ملتے تھے اور اگر ملے بھی تو ان سے استفادہ کے مواقع نہ ملے اور یہ غلط خیال ذہن نشین ہو گیا تھا کہ قرأت و تجوید کا تعلق راگ سے ہے۔ موصوف سے گفتگو میں میری غلط فہمی دور ہوئی۔ موصوف ہی سے ان کے مبادی حاصل کئے اور حضرت قاری میر روشن علی ثنا صاحب کی خدمت میں موصوف کے ہمراہ حاضر ہوا۔ اگرچہ

مولوی مرزا بسم اللہ بیگ صاحب نے ایک مرتبہ قرات عاصم سے قرآن شریف حضرت کو سنایا تھا۔
لیکن میرے ساتھ پھر دہرایا۔ نقشبندیہ سلسلے کے ایک اور بزرگ مولوی حبیب محمد خان صاحب۔
بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گئے۔ اس دور کی خاص خصوصیت یہہ تھی کہ حضرت نے جہاں فنی
نکات کی تفصیلی وضاحت فرمائی ساتھ ہی اسنادِ قراءت کے سلسلوں کو بھی مستند کتب کے حوالوں
سے واضح فرمایا اور اپنی عطا کی ہوئی اسناد میں انکو کامل وضاحت کے ساتھ درج فرمایا۔ عام طور پر
اس کو کوئی بڑی چیز خیال نہیں کیا جائیگا لیکن اہل علم سے اس کی قدر مخفی نہیں۔

قراءت عاصم کا مرحلہ ختم ہوتے ہی قرات سبعہ وعشرہ کا دور شروع ہو گیا۔ حضرت مرحوم نے
جس انہماک و تبحرّ اور شفقت سے اس کی تعلیم دی اس سے اساتذہ سلف کی تصویر نظروں کے
سامنے کھنچ گئی۔ شاگردوں کو یہہ تاکید کہ کسی مسئلہ کو تشنہ نہ رہنے دو اگر ادب کسی وقت مانع ہو تو
دوسرے اور تیسرے روز صاف کر لیا جائے۔ فن سے متعلق جملہ کتابیں فراہم کرا دیں اور شکوک رفع کرنے
میں دل کھول کر مواقع عطا فرمائے۔ تعطیلات میں صبح کی نماز کے ساتھ ہی درس شروع ہو جاتا۔
بعض اوقات اس سے بھی قبل ناشتہ حضرت کے ہی ساتھ۔ اس کے بعد ظہر کی نماز کا وقت آجاتا۔
دوپہر کا کھانا حضرت کے ساتھ۔ عصر اور مغرب کا وقفہ عشاء تک سلسلہ جاری رہتا۔ درمیان میں اکثر
چائے کا دور ہو جاتا۔ حضرت مختلف طریقوں پر اس کا اطمینان فرما لیتے کہ پڑھنے کے ذوق میں تازگی
ہے یا نہیں۔ میں تو اس کو حضرت کی توجہ کا کرشمہ کہوں گا کہ درس کے برخاست کے وقت بھی شاگردوں
کے ذوق طلب میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔ دوران درس میں رمضان کا مہینہ آگیا۔ اس ماہ مبارک میں
مغرب کے کھانے کے بعد حضرت کے ساتھ تراویح پڑھ لی جاتی تھی اور اس کے بعد درس رات کے ڈھائی
تین بجے تک رہتا۔ اس کے بعد ہم اپنے گھر آتے۔ غرض اس طرح موصوف نے بھی قرات سبعہ وعشرہ
کی تحصیل و تکمیل کی اور موصوف کے انہماک اور مقام کے مدنظر حضرت نے عماد القراء کا خطاب عطا فرمایا۔

یوں تو عشرہ کی تکمیل سے پہلے ہی موصوف نے تشنگان کو اس علم و فن سے سیراب کرنا شروع
کر دیا تھا۔ تکمیل عشرہ کے بعد تعلیم کا دائرہ بے حد وسیع ہو گیا۔ شہر حیدرآباد میں شاگردوں کی تعداد ان گنت
ہے۔ بنگلور۔ بروده۔ مدراس۔ مالیگاؤں۔ بمبئی اور بجواڑہ میں طویل عرصے تک قیام فرما کر قراءت واحدہ
اور قرات عشرہ کی سینکڑوں کو مفت تعلیم دی اور سند عطا کی۔

ہندستان کی علمی مجالس میں شرکت کی اور دینی درسگاہوں میں قیام کیا اور ان کا مطالعہ
کیا۔ آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے کئی اجلاسوں میں مقالے پڑھے جن کو بڑی قدر سے سنا گیا۔

احادیث نبوی جن سلسلوں سے ہندوستان پہونچی ہیں ان کی مستند اسناد کثرت سے ملتی ہیں لیکن قراءت قرآن مجید کی اسناد کی اہمیت سے علماء بھی ابھی تک غافل ہیں عوام کا ذکر ہی کیا۔ موصوف کو اور مجھ کو یہہ خیال ہوا کہ یہہ ممکن نہیں کہ ہندوستان میں مستند قرآن خوانی کے سلسلے کثرت سے نہ پہونچے ہوں۔ باوجود کافی تلاش کے ہندوستان کے قاریوں کے ذکر میں کوئی کتاب دستیاب نہ ہوئی۔ البتہ تواریخ اور تذکروں میں کہیں کہیں ان کا ضمناً ذکر ملتا ہے۔ موصوف نے یہہ مصمم ارادہ کرلیا کہ اس عظیم کام کی تکمیل کی ذمہ داری اپنے سر لیں۔ تواریخ، تذکروں اور سیرتوں کی چھان بین شروع ہوگئی۔ یہی نہیں موصوف زمین کا گز بن گئے۔ ہندوستان کا کوئی فارسی، عربی اردو کتب خانہ ایسا نہیں رہا جس کو آپ نے نہ چھانا جہاں کسی قاری کا پتہ چلا اس کے پاس پہونچگئے۔ خواہ وہ گیا میں ہو یا ہندوستان کے کسی حصہ میں ہو۔ بعض اوقات سفر میں ساتھ رہنے کا مجھ کو بھی اتفاق ہوا۔ موصوف کو اس تگ و دو میں جو مصائب پیش آئیں ان کا ذکر موصوف نے نہیں کیا لیکن وہ ایسی ہیں جن سے علماء سلف کی یاد تازہ ہوجاتی ہے ایک مرتبہ تحقیقاتی سفر میں پورا رمضان کا مہینہ گذر گیا۔ وہ بھی انتہائی گرمی میں اور شمالی ہند میں، راتوں میں عبادت اور دن تمام مجاہد کی طرح مواد کی فراہمی کے لئے چلچلاتی دھوپ میں زمین پیمائی۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ روزے کی حالت میں فاصلے کے متعلق غلط رہبری کی بناء پر معلومات حاصل کرنے کے لئے لکھنو کے قریب ایک قریہ کے لئے سواری نہ ملنے کی وجہ پیدل ہی روانہ ہوگئے۔ خیال تھا کہ مغرب سے قبل واپسی ہوجائیگی۔ لیکن واپسی میں گیارہ بجے گئے۔ صرف خرمے اور پانی سے افطار کیا گیا۔ غرض اس قسم کے کئی واقعات پیش آئے۔ طوالت کی ڈر سے ان کا ذکر نہیں کیا جائے گا۔

قرآن پاک کی خدمت کا یہہ جذبہ ہے کہ آپ کسی کو تعلیم دینے سے انکار نہیں کرتے اور اسکی سہولت اور صلاحیت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ تعلیم میں شاگرد کے مراتب کا بیحد خیال رکھتے ہیں۔ معمر اور تعلیم یافتہ حضرات میں شاگردی کا احساس پیدا نہیں ہونے دیتے تاکہ اس فن کا حاصل کرنا ان پر شاق نہ گذرے جو حضرت عاصم کی قراءت سے آپ کے پاس قرآن پاک کی تکمیل کرلیتے ہیں ان کے لئے قرآن پاک کا ایسا نسخہ جو رسم الخط کے لحاظ سے اچھا ہو، اس پر قراءت عاصم کا حاشیہ اپنے ہاتھ سے تحریر فرماکر تحفتہً شاگرد کو عنایت فرماتے ہیں۔ اسی طرح جن حضرات نے آپ سے عشرہ کی تعلیم حاصل کی ہے ان کو عشرہ کا حاشیہ تحریر فرماکر تحفتہً عنایت کرتے ہیں۔ اگر آپ کو معلوم ہوجائے کہ کوئی مرد یا خاتون عشرہ کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہے اس کو بھی آپ قرآن پاک کا اچھا نسخہ عشرہ کا حاشیہ تحریر فرماکر تحفتہً دیتے ہیں۔ یوں تو ایک قراءت عاصم کا حاشیہ لکھنے میں کافی محنت اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن عشرہ کا حاشیہ لکھنے میں روزانہ چار پانچ گھنٹے اگر صرف کئے

جائیں تو کم از کم دو ماہ درکار ہوتے ہیں۔ اس سے اس محنت شاقہ کا موہوم سا اندازہ ہو جاتا ہے۔ جو آپ اس متبرک فن کی ترویج میں فرماتے ہیں۔ ابھی تک آپ سینکڑوں قرآن شریف تحفتہً دے چکے ہیں۔ خود میرے خاندان میں تحفتہً دیئے ہوئے عشرہ کے حاشیہ کے ساتھ پانچ چھ قرآن پاک موجود ہیں۔ آپ کی مساعی جلیلہ یقیناً مساعی مشکورہ ہیں۔ دل سے خود بخود یہہ دعا نکلتی ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی اور عمر طویل کی نعمت سے سرفراز فرماتا رہے تاکہ یہ فیض تادیر قائم رہے۔

رہا کتاب کے متعلق مجھے چنداں عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہندستان کے قاریوں سے متعلق یہہ پہلی کوشش ہے جو وجود میں آئی ہے (قاریوں کے حالات کے ساتھ قراءت و تجوید کے اصول بھی اس میں درج کر دیئے گئے ہیں) اور الحمد اللہ یہہ کتاب طباعت سے آراستہ ہو گئی۔ ایک اچھوتے مضمون پر خامہ فرسائی کسقدر دشوار ہے اس کا اندازہ اہل تحقیق ہی کر سکتے ہیں۔ سات آٹھ سو برس پر پھیلے ہوئے مواد کا جمع کرنا اور پھر اس کی کوشش کہ ہندستان کا کوئی گوشہ چھوٹنے نہ پائے کوئی آسان کام نہ تھا۔ ایک عام خاکہ کافی تفصیل کے ساتھ پیش ہو گیا ہے۔ اس وسیع عمارت پر کئی منزلیں تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ لیکن اس کے لئے توفیق اور ذوق کی ضرورت ہے۔

"کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق ؛؛ ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد"

اس کتاب کی اہمیت کے متعلق یہاں چند امور کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ یہہ ضخیم کتاب مسلمان سلاطین امراء و علماء و عوام کے ثقافتی مواد کا ایک اہم معدن ہے اور اس کے مطالعہ سے جو غلط فہمیاں ان کے ذوق و مشاغل کے متعلق پیدا ہو گئی ہیں یا کرا دی گئی ہیں وہ دور ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ابوالحسن تاناشاہ سلطان گولکنڈہ کے متعلق یہہ تصور عام ہے کہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے تھے لیکن یہہ کسی کو معلوم نہیں کہ تخت نشینی کے بیس سال بعد بھی اور قید ہونے سے چار سال قبل بھی وہ عشرہ قراءت کی تحصیل میں مصروف تھا اور محض ان کی تعلیم کے لئے حلیۃ القاری علی الحسینی نے لکھی تھی۔ اس کا ایک نادر نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے (ملاحظہ ہو ص ۱۵۵۷ جلد دوم) اسی طرح کئی سلاطین اور امراء کے حالات اس تذکرہ میں درج ہیں۔

عام طور پر قراءت و رسم الخط قرآنی سے عدم واقفیت کی وجہ سے قابل فہرست نگاروں نے بھی اپنی فہرست میں ان امور سے متعلق مواد نظر انداز کر دیا ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں ان پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ اس کتاب کو بنیاد بنا کر رسم الخط قرآنی کے ارتقاء کی ایک مصور یا تصویر کتاب تیار کی جا سکتی ہے جس سے واضح ہو سکتا ہے کہ کن مقامات پر کس قسم کا رسم الخط رائج تھا اور ہر دور و سلطنت میں

کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ خاص طور پر محمد ابن مقلہ (۸۸۶-۹۴۱ء) کے مشہور خطاط جس نے کوفی رسم الخط کو نئی شکل عطا کی۔ — عباسی دور کے مشہور کاتب یاقوت کے نسخوں کے اس کتاب میں حوالے درج ہیں کئی ایسی کتابوں کا پتہ اور حوالے ملیں گے جن کے نسخے اب ناپید ہو گئے ہیں۔ ان میں کئی ایسی کتابیں ہیں جو فن کے لحاظ سے نہایت بلند مقام رکھتی ہیں۔ اکثر ایسے اہم نسخوں کے حوالے درج ہیں جو کیا بہ لحاظ تزئین خطاطی اور کیا بہ لحاظ تاریخی حیثیت اس قدر اہم ہیں کہ ان کے عکس تیار کروا کر عام کئے جائیں تاکہ اس خوابیدہ قوم کے کارنامے جس کا ماضی نہایت شاندار تھا منظر عام پر آئیں اور اہل علم اس سے واقف ہوں۔ سب سے زیادہ یہ کہ خود اس قوم کے نونہالوں کے حوصلے بڑھیں اور پھر ایک مرتبہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوں۔ فن قراءت۔ قرا۔ اور قاریوں کے متعلق تو یہ کتاب ایک عالم کا تیار کیا ہوا اچھا خاصا انسائیکلوپیڈیا ہے لیکن سلاطین صوفیا، علماء اور مشاہیر کے متعلق بھی بیش بہا معلومات اس میں درج ہیں۔

خواجہ محمد احمد

-x-x-x-x-

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کا تبصرہ

تذکرۂ قاریان ہند جیسا موضوع نام سے ظاہر ہے قراء کے حالات میں لکھی گئی ہے۔ تجوید و قراءت مسلمانوں کا خصوصی فن ہے۔ محرومی کے ماحول میں شیطان کو اپنے فن (آرٹ) راگ و نغمہ کے چلانے اور پھیلانے کا موقع مل گیا ہے۔

اردو میں تو خیر اس بسط و تفصیل کے ساتھ اس فن شریف کی تاریخ کیا لکھی جاتی دنیا کی کسی زبان میں اس ٹکر کی کتاب کا پتہ غالباً نہ مل سکے۔ کتاب موضوع سے ہر دلچسپی رکھنے والے کے کام کی اور ضرور قابل مطالعہ ہے۔

مولانا امتیاز علی صاحب عرشی کا تبصرہ

آپ نے "قاریان ہند" کے حالات قلمبند فرماکر جو احسان کیا ہے۔ اہل علم اوس کا ہمیشہ احسان مانیں گے۔ یہہ طبقۂ خادمان قرآن پاک عرصہ دراز تک گوشہ گمنامی میں پڑا رہا۔ یہہ سعادت قدرت نے آپ کے لئے ودیعت کی تھی۔

جَزَاکُمُ اللهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيعِ قُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيدِ خَيْرًا۔

امتیاز علی عرشی

مہتمم کتب خانہ رضا۔ رامپور

تبصرہ شیخ القراء پروفیسر مولانا سیّد نور اللہ قادری صاحب بی۔ اے

قاریان ہند کو پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ماشاء اللہ بہترین علمی خدمت ہے۔ دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ استاد محترم رئیس القراء میر روشن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت کو تلمذ تھا اسوقت میں بھی حاضر ہوا کرتا تھا۔ وہ نقشہ آنکھوں کے روبرو پھر گیا۔ تصوّر کی دنیا میں کھو گیا۔ منظر ماضی از سر نو ابھر آیا۔ مچھلی کمان سے قریب کوچہ والی مسجد میں آنجناب۔ اور مولانا عطاء حسین صاحب (خواجہ بندہ نواز کی تصانیف کے طبع کرنے والے بزرگ) جو آپ کے ہم سبق تھے اور غالباً عثمان علی خان ابن شیخ القراء درس عشرہ کا سبق لیتے تھے کیا زمانہ تھا ع "آتا ہے یاد مجھ کو گذرا ہوا زمانہ" ماضی کی یاد بے چین کر دیتی ہے اور یہہ گنگنانے لگتا ہوں۔

؎ پھر میکدہ ہو، ہم ہوں اور سامنے ساقی ہو ❊ وہ وقت خدا لائے پھر دور میں جام آئے

خدا اپنی رحمتوں سے مالا مال کرے۔ حضرت میر روشن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روشنی کو کسقدر اجاگر کیا ہے ؎ نام نیک رفتگان ضائع مکن ❊ تا بماند نام نیکت پائیدار

کی نصیحت پر کتنا اچھا عمل کیا ہے۔ کسقدر کد و کاوش سے عاشقان رسول کی زندگیوں میں روشنی بھری ہے ع خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را۔ یہہ کتاب درس قراءت کے مدرسین کے لئے کسقدر کام کی چیز ہے۔ اس کتاب نے سمند شوق کے لئے تازیانے کا کام کیا۔ دل میں بڑی بڑی آرزوں نے

جنم لیا۔ قراء کے حالات دل میں سرور پیدا کر دیتے ہیں۔ حضرت عین القضاۃؒ کے حالات زندگی پر روحانی سرور میسر آگیا۔ کیا سماں کھینچا ہے۔ کسقدر پیاری اردو ہے۔ کتنا موثر انداز۔ اورنگ زیب کا وصیت نامہ دل کو بے قابو کر دیتا ہے۔ جہاں آرا کا شہزادی ہو کر خود کو غریب کہنا۔

ع کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس ست۔ اونکی خدا شناسی اور عاقبت بینی کی آئینہ دار ہے۔

میری دعا ہے کہ ہر قاری کو اس کتاب سے استفادہ کا موقعہ ملے۔ والسلام۔

سید نور اللہ قادری

تبصرہ جناب قاری عبدالحفیظ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وظیفہ یاب سشن جج

تذکرۂ قاریان ہند پر ایک عامی کے تاثرات (یہہ اظہار انکساری ہے) نہ میں مفسر ہوں نہ فقیہ نہ عالم ہوں نہ ادیب۔ نہ واعظ ہوں نہ خطیب۔ علم سے بے بہرہ۔ قرات کا ابجد خواں۔ اس پر بھی تذکرۂ قاریان ہند پر اپنے تاثرات قلمبند کرنے کی جراءت رندانہ کر رہا ہوں ؎

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھ کو ذوق عریانی ٭ کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

کتاب اور اس کے مؤلف کا نام دیکھکر تو یہی خیال ہوا کہ اس میں قاریوں کی تاریخ پیدائش مقام پیدائش سنہ وفات، اساتذہ کے نام۔ تلامذہ کی فہرست اور قاریوں کے بعض فنی کمالات کا ذکر ہوگا۔ اسی لحاظ سے کتاب پر جستہ جستہ نظر ڈالی تو محو حیرت ہو گیا کہ یہہ تذکرۂ قاریان ہے یا تشنگان علوم قرآنی کے لئے آب حیات۔ خشک تاریخ ہے یا ناول و افسانہ۔ کسی کو اگر اس مقولے کی تصدیق مطلوب ہو کہ حقیقت افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔

صرف قرات نہیں بلکہ علوم قرآن کا نچوڑ۔ مستند حوالوں کے ساتھ ایسے سادہ مگر دلکش پیرایے میں پیش کیا گیا ہے کہ کتاب کا مطالعہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ معلومات کا یہ خزانہ بڑے سلیقہ اور ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک عامی بھی قرآنی نکات اور عظمت سے متاثر و فیضیاب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ترتیب قرآن کی تفصیلی تاریخ مستند حوالوں کے ساتھ کہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ تجوید و قراءت کی اہمیت اور واجبیت پر اسناد۔ اوسکے رموز و نکات پر سیر حاصل بحث۔ نہ صرف ہندستان

بلکہ عالم اسلام کے سربرآوردہ علماء اور تمام سلاسل صوفیہ کے شیوخ کا تجوید سے شغف۔ یہہ سب دلچسپ وسبق آموز حکایات سے پر۔ اس انداز سے پیش کئے گئے ہیں کہ عالم وعامی سب کو مطالعہ کی طرف کھینچے اور تجوید کی ضرورت کا احساس کرائے اور اس کی مشق پر آمادہ کرے۔

تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ ایک فوجی افسر کو کس طرح ایسی عالمانہ اور صبر آزما تحقیق کا شوق پیدا ہوا کس طرح اس شوق کی تکمیل کی اور اس تالیف کی توفیق ہوئی ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے علم کو عمل کا جامہ پہنایا۔ اور خود تجوید میں کمال حاصل کر کے سینکڑوں اشخاص کو قاری بنا دیا۔

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ انکی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشیں اور ان کی تالیف کو مقبول عام کریں۔

حفیظ (جالندھری نہیں)
حیدرآبادی

تبصرہ از جناب سید قادر محی الدین صاحب کمشنر آبکاری وظیفہ یاب علاقہ مدراس

تروا ندوم میں مجھے بسا اوقات آپ کی تالیفات ہی کا مطالعہ رہا۔ بلکہ اب بھی وہی شغل جاری ہے شوق بڑھتا گیا جوں جوں پڑھتا گیا۔ دوسری کتاب پڑھنے کی طرف رغبت نہیں ہوتی اور ایک وقت کے مطالعہ سے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باقی عمر ان کتابوں کے دورے ہی میں گذریگی اسلامی علوم میں تجوید وقرات کی اہمیت صرف آپ کی تالیفات کی بدولت اس دور میں چراغ ہدایت ضرور ثابت ہونگی گر اون لوگوں کے لئے جنھیں مذہبی علوم سیکھنے کے لئے وقت اور شوق نصیب ہو۔

اولیائے کبار۔ علماء۔ صلحا۔ صوفیائے کرام سلاطین عظام۔ امراء و رؤسا جو حفظ قرآن کریم تجوید وقراءت سے کسقدر والہانہ شغف رکھتے تھے۔ یہہ حالات مفصلاً تاریخی روشنی میں پڑھنے سے ہدایت ملتی ہے اور روحانی تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اول سے لیکر آخر تک ایسے مستند ومتبرک تاریخی حالات کا ذخیرہ جو مستور تھا اور جس کو یکجائی حاصل نہیں تھی۔ برسوں کی محنت، عرق ریزی، کد وکاوش کے بعد قلمبند کرنا اور روشنی میں لانا آپ ہی کا حق تھا۔ جو صرف خدائے قدوس کی عطا ہے۔ مجھ جیسے ناچیز کا کیا حوصلہ جو داد دیسکے۔ خدائے قدوس آپکی عمر دراز کرے تاکہ مشعل ہدایت تادیر روشن رہے۔ آمین

سید قادر محی الدین (مدراس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

مری انتہائے نگارش یہی ہے ؎ ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الرَّبِّ الْاَکْرَمْ۔ اَلَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ وَنَزَّلَ الْقُرْاٰنَ شِفَآءً لِلسَّقَمْ۔ مَحَآءً لِرُسُوْمِ الظُّلَمْ۔ ضِیَآءً لِلظُّلَمْ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمْ۔ لَوْلَاہُ لَمْ تَخْرُجِ الْعَوَالِمْ مِنَ الْعَدَمْ۔ مُحَمَّدِ نِ الْمَبْعُوْثِ لِلتَّبْلِیْغِ الْاَعَمْ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ خِیَارِ الْاُمَمْ وَاَصْحَابِہٖ الْھَادِیْنَ اِلَی الطَّرِیْقِ الْاَمَمْ۔ اَمَّا بَعْد

ہے مزہ کونسی کہانی میں ؎ آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی

دونوں ہی چیزیں پیش کر رہا ہوں۔ پہلے آپ بیتی سن لیجئے باقی تو جگ بیتی ہی ہے۔
کوئی بیس سال ہوئے کہ قاری حافظ ابو محمد محی الاسلام پانی پتی کی شرح سبعہ قرأت پڑھنے کا اتفاق ہوا اس کے دیباچے میں حضرت نے لکھا ہے "قرا کے حالات قلم بند کرنے میں عالم اسلام نے جو خدمت انجام دی اس میں اولیت کا فخر اندلس کو حاصل ہے مگر ہندوستان نے قرات و قرا کے بارے میں کچھ نہ لکھا۔ ہندوستان کے سلاطین و امراء کی تاریخیں لکھی گئیں۔ شاعروں۔ عالموں۔ خطیبوں حتیٰ کہ گویئوں کے تذکرے تالیف ہوئے مگر خدام کلام اللہ کا کسی نے نام بھی نہ لیا۔" حضرت کی یہ بات میرے دل میں چُبھ گئی۔ اس وقت سے خیال تھا کہ بن پڑے تو قرائے کرام کے حالات جمع کروں مگر فرصت کی کمی نے تکمیل کا موقعہ نہ دیا۔ اب جو فرصت ملی تو میں نے آہستہ آہستہ حالات جمع کئے۔ ایک مقالہ طبع کرکے ہدیہ ناظرین کیا جس کا عنوان تھا "حیدر آباد دکن نے قرات کی کیا خدمت انجام دی۔" دوسرا مقالہ قرائے برار پر لکھا جس کو آل انڈیا اورینٹل کانفرنس نے طبع کرایا۔ اس کے بعد قرائے اڑیسہ پر ایک مضمون لکھا پھر رفتہ رفتہ کام نے وسعت اختیار کرلی۔ اور میں نے قراء ہند کے یہ حالات جمع کئے۔

۴

ف۲ قراء کے نام وحالات ملنے میں ایک دقت یہ ہوتی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ لکھنے والے بیشتر مورخین نے تجوید وقراءت کو ایک علیحدہ مستقل فن کی حیثیت نہیں دی بلکہ اس فن کو علوم قرآنی کا ایک جز سمجھ کر صاحبِ فن کے متعلق یہ لکھ دیا کہ جملہ علوم معقولی ومنقولی میں کمال حاصل کیا۔ میں نے قراء کے حالات جمع کرنے میں یہ احتیاط پیشِ نظر رکھی ہے کہ ایسے عالم کو جس کا ذکر اس اجمال سے ہو اس کو فہرست میں شامل نہیں کیا۔ تاوقتیکہ اس کے متعلق تجوید وقراءت سیکھنے کی سند نہ ملی۔ اس کا افسوس ہے کہ اس طرح بہت سے علماء کے نام نظر انداز کرنے پڑے۔ تاہم میں نے ہر ہر قدم پر کاوشیں کیں۔ ہر عالم کے متعلق متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ہندوستان کے تقریباً سب ہی بڑے کتب خانوں کو چھانا۔ تجوید کی قلمی کتابیں۔ قرآن مجید کے قلمی نسخے۔ نیز سبعہ وعشرہ کے حاشیہ والے قرآن مجید کے نسخوں کو بچشمِ خود دیکھا اور ان کا ذکر بھی اس تالیف میں کر دیا کیوں کہ اس سے قراء کے کام اور حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

ف۳ غرض بارہ سال کی مسلسل محنت کے بعد اس تالیف کی ایک شکل بنی۔ جس سے انشاء اللہ اصحابِ ذوق کو فائدہ پہنچے گا۔ مگر سب سے بڑا فائدہ میرا اور بڑی تربیت خود میری ہو گئی۔ ان بزرگوں کے حالات پڑھ کر جو تاثرات مجھ پر مرتب ہوئے ان کو مختصراً عرض کئے دیتا ہوں۔

(۱) قراء کے حالات پڑھنے سے یہ یقین مستحکم ہو گیا کہ بعض بزرگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کلام اللہ میں فنائیت حاصل کر لیتے ہیں۔ صبح سے شام تک ان کا کام بس قرآن شریف پڑھنا اور پڑھانا ہوتا ہے۔ ان میں بعض ایک کلام اللہ روزانہ ختم کرنے والے ملیں گے بعض دو، اور بعض تین اور چار اس طرح پوری زندگی میں ۱۰ ہزار سے لے کر ساٹھ ہزار دفعہ قرآن مجید ختم کرنے والے ملتے ہیں۔ کوئی ایک ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کر کے دیکھے تو اسے اندازہ ہوگا کہ یہ ہزاروں کی تعداد میں قرآن مجید ختم کرنا کس قدر دشوار ہے۔ اس فنائیت سے جو گوناگوں فوائد مرتب ہوتے ہیں ان کو گنوانا بھی مشکل ہے۔

(۲) قراء کی عمریں طویل ہوتی ہیں، ساٹھ اور ستّر تو کیا بلکہ سو برس درس وتدریس میں گزارنا بہت سوں کا شغل رہا ہے۔ لہذا انفرادی حالات پڑھتے وقت اس پر غور کرتے چلئے۔

(۳) اللہ تعالے قراء کو ارذلِ عمر سے بچا لیتا ہے۔ یعنے وہ عمر جس میں بھول اور نسیان لاحق ہوتے ہیں اور عقل جاتی رہتی ہے۔ دیوانگی کے آثار پائے جاتے ہیں اور نوجوان کہنے لگتے ہیں کہ "بڈھا پاگل ہو گیا ہے"۔

(۴) نزع کی حالت میں قرآن مجید ویسا ہی جاری رہتا ہے جیسا ہوش و حواس میں پڑھا جاتا ہے
(۵) تجوید و قراءت کو دوسروں تک پہونچانے میں سب سے زیادہ حریص قراء نظر آئیں گے۔ ان کی یہ کوشش کہ ہر مسلمان قرآن کا صحیح پڑھنے والا بن جائے، ہمیشہ جاری رہتی ہے چنانچہ اکثر قراء کی اولاد بھی اس نعمت سے بہرہ ور رہتی ہے۔

(۶) اسلامی اخلاق و اسلامی کردار کے حامل اس طبقے میں بہ کثرت نظر آئیں گے۔ قراء حضرات سے بہ کثرت کرامتیں بھی صادر ہوتی ہیں مگر وثوق اور سند کا اہتمام ملحوظ تھا اور اختصار بھی پیش نظر تھا اس لئے بہت تھوڑی شالیس کرامتوں کی اس کتاب میں درج کی گئی ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ کے ولیوں کو کہاں تلاش کیا جائے تو فرمایا قرآن پڑھنے والوں میں۔ کہا کہ ان میں تو کرامتیں نہیں دکھائی دیتیں۔ تو فرمایا کہ اگر ان کو خدا کا ولی نہ تسلیم کیا جائے تو روئے زمین پر خدا کا کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔

(۷) مجھ سے بے شمار لوگوں نے تجوید و قراءت سیکھنے کے بعد یہی کہا کہ اب ہم کو قرآن مجید کی تلاوت میں جو لطف آتا ہے وہ پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا اور واقعہ بھی ہے کہ ع

ذوقِ ایں بادہ نیابی بخدا تا نہ چشی

(۸) قراء کے حالات پڑھنے سے قرآن شریف کی عظمت دل پر کھلتی ہے۔ ہر قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ اس سے بڑی نعمت دنیا میں کوئی نہیں۔ اسی ذوق نے بہت سوں کو حافظ بنا دیا۔ ایسے حافظ کہ دن رات اسی دھن میں مستغرق ہو گئے یہ کھلی بات ہے کہ اگر لذت نہ ملے تو دن میں دو ختم کیونکر ہو سکیں

(۹) قاری کے قلب پر اس قدر سکینت اترتی ہے کہ اس کی لذت میں مستغرق رہتا ہے۔

(۱۰) یہ قرآن مجید کا فیضان ہے کہ باقاعدہ تجوید سیکھنے کے بعد بلا لحاظ عرب و عجم صحیح تلفظ کی ادائی پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۱۱) اسلامی زندگی اختیار کرنے والوں کے عموماً اور قراء کے اوقات میں خصوصاً ایک نظم و ضبط پیدا ہو جاتا ہے۔ ابتداءً علم حاصل کرنے کی خاطر محنت شاقہ کا عادی ہونا بڑے بڑے علماء سے علم سیکھنا۔ ان کی صحبت سے فیض یاب ہونا۔ بعد ازاں حج و سفر کرنا۔ پھر متاہل زندگی کے ساتھ درس و تدریس میں مشغولیت۔ خلق خدا کی فیض رسانی۔ ماہانہ۔ ہفتہ واری۔ روزانہ اوقات کی پابندی۔ اس قسم کے نظم و ضبط کی زندگی کے بہ کثرت نمونے قراء کی زندگیوں میں ملیں گے۔

(۱۲) قاری کے نزدیک وقت کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔

(۱۳) خدمت خلق کا جذبہ جتنا قراء میں پایا جاتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

(۱۴) محبت و شفقت پر زندگی کی اساس رکھنا۔ دوسروں کی کمزوریاں دیکھ کر عفو سے کام لینا۔ نفرت و حقارت کو دل میں جگہ نہ دینا یہ قاری کا شعار ہو جاتا ہے ورنہ تعلیم و نفع رسانی کے فرائض کی بجا آوری کما حقہٗ نہیں ہو سکتی۔

(۱۵) شفائے تِمافی الصدور کی جو کیفیات یہاں دکھائی دیتی ہیں وہ کسی اور جگہ نہیں ملتیں۔ اگر قلب منیب کی تمنا ہے۔ ارذل عمر سے بچنا ہے۔ عمر کی طوالت مطلوب ہے۔ لذت تکلم حاصل کرنا ہے۔ ایمان کا مزہ لینا ہے تو اس میدان میں آئے یہ سب چیزیں ملیں گی بلکہ بہت کچھ اور۔

وہ میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰے ان حقایق کو اس کتاب کے ہر پڑھنے والے پر روز روشن کی طرح واضح فرمادیں۔ اور اپنے لئے دست بدعا ہوں کہ ؎

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم ۔۔۔ خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ زِ کونین توئی ۔۔۔ از بہرِ تو میرم و برائے تو زیم

باب اوّل

قرآن مجید ف۵ قرآن مجید وہ آخری کتاب الٰہی ہے جو عالم کی دائمی رہنمائی کے لئے نازل کی گئی۔ یہ روحانیت کا درس۔ دنیوی کامرانیوں کا دستور العمل اور فوز و فلاح اخروی کا اکسیر نسخہ ہے بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ[1] اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ[2] کے احکام ملے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پہونچانے میں سعی بلیغ فرمائی۔ قرآن مجید کو نورِ نبوت کی روشنی میں پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ کلام اللہ آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آسان اس طرح کہ ہر بدوی اور کم علم بھی سمجھ کر عمل کر سکتا ہے۔ اور مشکل اس طرح کہ حکماء کے لئے احکام۔ اسرار و امثال و مواعظ ہیں جن میں غور کرنا اور احکام کا استخراج کرنا ایک مستقل فن ہے۔

تعلیم قرآن کا ابتدائی انتظام ف۶ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تعلیم قرآن کے انتظام کے لئے صُفّہ کی درس گاہ تھی۔ یہاں دو حلقے تھے۔ ایک اصحاب ذکر و فکر کا حلقہ دوسرا قراء کا۔ قراء کی تعلیم حضرت عبادہ بن صامتؓ کے سپرد تھی۔ جو حفاظ میں خاص طور سے ممتاز اور درس گاہ صفہ کے معلم تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ:-

"میں قرآن اور کتابت کی تعلیم دیا کرتا تھا جن لوگوں کو دن کے وقت فرصت نہیں ملتی تھی ان کے لئے رات کو سیکھنے کا موقعہ تھا۔ جب رات ہو جاتی تو وہ لوگ (اصحاب صفہ) مدینہ کے ایک معلم کے پاس جاتے اور صبح تک پڑھنے میں مشغول رہتے۔" (مسند احمد بن حنبل)

جو قبائل مرکز قرآن سے دور رہتے تھے ان کے لئے علیحدہ اور خاص انتظام تھا۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ان کے بعض نمائندوں کو انصار اپنے پاس مہمان رکھ کر قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔

ف۷ حضرت ابی بن کعب نے پورا قرآن شریف آنحضرتؐ سے سن کر یاد کیا تھا۔ حضور اکرمؐ

---

[1] پہونچا دیجئے جو آپ پر نازل کیا گیا۔
[2] جو حکم دیا گیا اس کی تعمیل کیجئے۔

روزانہ دس آیتیں پڑھاتے جس میں تجوید۔ تفسیر اور تدبر کے سیکھنے کا موقع ملتا۔ بعدازاں صحابہ نے اپنے رُجحان کے مطابق تفسیر وبیان کو مشغلہ بنایا اور بعض نے قرآن کی تجوید وقراءت کی تدریس وتعلیم کی طرف توجہ کی۔ اس طرح مفسرین وقراء کی جماعتیں بنیں۔ جن صحابہ نے خاص محنت وشغف سے تجوید سیکھی تھی ان میں ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ عبادہ بن صامت۔ ابوایوب انصاری۔ عبداللہ ابن مسعود عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ بن العاص ابوالدرداء اور تابعین میں عبدالرحمٰن سُلمیٰ اور مجاہد بن جبیر کے نام آتے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے حضرت ابوسفیان کو خاص بدوؤں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ قبائل میں گھوم پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن یاد نہ ہو اس کو سزا دیں (اصابہ تذکرہ اوس بن خالد) اس انتظام سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی تعلیم اور اس کی نشرواشاعت کا کیسا اہتمام تھا۔ قرآن مجید کو صحت سے پڑھنا سکھلانے والے رسول اللہ تھے۔ ان کے بعد صحابہ۔ جیسے تفسیر بالرائے کی ممانعت ہے ویسے ہی استاد سے سیکھے بغیر قراءت ناجائز ہے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

تدوین قرآن قرآن مجید عہد رسالت میں مرتب ہوچکا تھا۔ اس کی ترتیب وحی الٰہی کے مطابق تھی۔ بسا اوقات منزل شدہ آیات سورت کے درمیان رکھنے کا حکم ہوتا تھا اس لئے اس کو کتابی شکل نہ دی جاسکی۔ جب سلسلہ وحی ختم ہوگیا اس وقت تک منزل شدہ سورت متفرق طور پر اونٹ کی ہڈیوں پر۔ پتھر کی تختیوں پر کھجوروں کی شاخوں۔ چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھے ہوئے تھے۔ مگر تسلسل وہی تھا جو اب ہے اس کی سند اس سے ملتی ہے کہ آیات کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ زرکشی نے اپنی کتاب بُرہان میں اور ابوجعفر بن زبیر نے اپنی کتاب مناسبات میں بیان کیا ہے کہ قاضی ابوبکر "الانتصار" میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیات کی ترتیب کا اتباع واجب اور اس کا علم لازمی ہے۔" دوسرا ثبوت یہ ہے کہ عہد رسالت میں پورے قرآن شریف کی تلاوت ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن العاص کو آنحضرتؐ نے سات دن میں ختم کرنے کی ہدایت فرمائی۔ نیز احادیث سے ختم قرآن کے فضائل ثابت ہیں۔ ایک بار آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ مِنْ اَحْزَابِ الْقُرْاٰنِ کَیْفَ تَحَزَّبُوْنَہٗ فَقَالُوْا ثُلَاثٌ وَخُمُسٌ وَسُبُعٌ حزب کے معنے ٹکڑے یا پارے کے ہیں یعنے قرآن مجید کی روزانہ تلاوت میں تم اس کی تقسیم کیسے کرسکتے ہو؟ تو صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ تین روز میں ختم ہوجائے یا پانچ روز میں یا سات روز میں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ بہت سے صحابہؓ نے پورا قرآن شریف نقل کر کے رکھا۔ اور حفظ کیا تھا۔ انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ قرآن شریف کو چار صحابہ نے جمع کیا تھا (۱) ابی بن کعب (۲) معاذ بن جبل (۳) زید بن ثابت

(۴) ابوزیدؓ - بعضوں نے ابو درداؓ کا نام بھی لیا ہے۔ دیگر روایات سے حضرت علیؓ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کا پورا قرآن مجید جمع کرنا تاریخی مسلمات سے ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن مسعود اور ابی بن کعبؓ کے جمع کردہ مصاحف دیکھے ہیں۔

ف آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہوجانے سے درمیانی اضافہ جات کا اندیشہ نہ رہا حضرت ابوبکرؓ آسانی سے کتابی شکل دے سکتے تھے مگر حضرت ابوبکرؓ کا خیال یہ تھا کہ قرآن شریف کے یاد کرنے اور پڑھنے میں شافہتہ ادائی کو دخل ہے اس لئے کسی استاد ہی سے سن کر یاد کرنا مناسب ہے اس لئے یہ کام نہیں کیا مگر جب جنگ یمامہ میں سات سو حفاظ قرآن شہید ہوئے جن کے پاس تحریری شکل میں قرآن پاک موجود تھا تو اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں وہ رسم الخط جو آنحضرتؐ کا فرمودہ ہے ضائع نہ ہوجائے اس لئے حضرت عمرؓ نے توجہ دلائی۔ مگر پہلی بار حضرت ابوبکرؓ آمادہ نہ ہوئے مگر پھر راضی ہوگئے اور زید بن ثابتؓ کو لکھنے پر اور حضرت ابی بن کعبؓ کو لکھانے پر متعین کیا۔ حضرت زید کا بھی یہی خیال تھا کہ قرآن شریف کو شافہتہ نہ لیا جائے تو نقائص باقی رہ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے وہ بھی پہلے راضی نہ تھے مگر رسم الخط کے ضائع ہوجانے کے اندیشے نے ان کو بھی آمادہ کیا۔ حضرت زیدؓ اور ابی بن کعبؓ دونوں حافظ تھے اور ان کے پاس قرآن منزل موجود تھا۔ مگر بنظر احتیاط ان دونوں بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جملہ صحابہؓ سے جن کے پاس تحریری قرآن مجید موجود تھا اور جنہوں نے حضور اکرمؐ کے بتلائے ہوئے رسم الخط پر تحریر کیا تھا اُن کی گواہی سے جمع کیا۔ ہر آیت کے لئے دو گواہ[1] طلب کئے اس احتیاط سے یہ کام سرانجام پایا۔

ف زید بن ثابتؓ کا جمع کردہ یہ قرآن شریف۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا۔ ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رہا مگر عوام معلمین قرآن سے سیکھتے اور سکھلاتے رہے۔ ان معلمین میں بعض سکھلاتے وقت کچھ توضیحی یا تشریحی الفاظ کا اضافہ کرتے تھے اور متعلمین اس کو جزو قرآن سمجھ کر لکھ لیا کرتے تھے نیز ہر لفظ کی ادائی کے لئے جو اجازت حضور اکرمؐ نے دی تھی اس میں بھی مبالغہ

---

[1] عند ابی داود وکان المراد بالشاهدین الحفظ والکتاب او المراد انهما یشهدان علی ان ذالک المکتوب کتب بین یدی رسول الله او المراد انهما یشهدان علی ان ذالک من الوجوه التی نزل بها القرآن (فتح الباری) قال ابوشامه: وکان غرضهم ان لایکتب الا من عین ما کتب بین یدی رسول الله

ہونے لگا۔ چنانچہ ۳۰ھ میں فتح ارمینیا کے وقت شام اور عراق کی فوجیں ایک جگہ جمع تھیں اور دونوں کی قراءت میں اختلاف پایا گیا۔ ہر فریق کو اپنی قراءت کی صحت پر اصرار اور دوسری قراءت کی صحت سے انکار تھا۔ حضرت حذیفہؓ یہ دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے اور واپسی پر آپ نے حضرت عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کر کے توجہ مبذول کرائی کہ قراءت کو رسم الخط کا پابند اور اضافہ جات کو حذف اور جمع شدہ قرآن مجید کو سب کے روبرو لایا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ بی بی حفصہؓ کے پاس سے قرآن شریف منگوا کر زید بن ثابت۔ عبداللہ بن زبیر۔ سعید بن العاص۔ عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہم کو اس کام کے لئے مقرر کیا۔ تاکید یہ تھی کہ اس رسم الخط میں جملہ قراءت متواترہ ثابت ہوں۔ جہاں مشکل پیش آئے وہاں لغتِ قریش کو ترجیح دی جائے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد اس کے سات نسخے لکھے گئے یہ سات نسخے بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ مدینہ منورہ۔ مکہ معظمہ۔ یمن اور بحرین میں بھیجے گئے۔ ساتوں جگہ ممتاز صحابہ کرام معلم و نگران مقرر ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن میں یہ فرق ہے کہ حضرت

---

[1] إنّ ابابكر رضی الله عنه كان قد جمعه اولًا علی سبعة الاحرف التی أَذِنَ الله تعالٰی لِلْاُمَّةِ فی التلاوة بها ولم يخص حرفا بعينه فلما كان زمان عثمان رضی الله عنه وقع الاختلاف بين اهل العراق واهل الشام فی القراءة حذيفة بن الك رای هو ومَن بالحضرة مِن الصحابة رضی الله عنهم ان يجمع النّاس علیٰ حرف واحد مِن تلك الاحرف وان يسقط ماسواه فيكون ذالك ممّا يرتفع به الاختلاف و يوجب الاتفاق (المقنع القلمی) للدّانی

سوال:۔ فان كان زيد حافظًا للقرآن وجامعًا لهٗ فما وجه تتبعه المذكورات

فالجواب:۔ انهٗ كان يستكمل وجوه قراءته ممّن عنده وكن انظره فی المكتوبات التی قد عرفت كتابتها۔ تيقن امرها فانها اواكثرها مماكتبت بين يدی النبیؐ فلا بد من النظر فيها وان كان حافظًا يستظهر بذالك وليعلم هل فيها قراءة غير قراءة ام لا واذا استند الحافظ عند الكتابة الی اصل يعتمد عليه كان آكد واقبست قال ابن قتيبة ظن ابن مسعود ان المعوذتين ليستا من القرآن ابن مسعودؓ نے صرف اپنے قرآن میں الحمد اور معوذتین کو لکھا نہ تھا اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ ان کو قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ ابوبکر الباقلانی نے بھی اپنی کتاب الانتصار میں یہی لکھا ہے۔

ابوبکرؓ نے ایک مصحف کتابی شکل میں اسی ترتیب آیات سے جو حضور اکرمؐ نے سکھلائی تھیں جمع کیا اور حضرت عثمانؓ نے سورتوں کا تسلسل بھی قائم کیا اور مختلف قراءتوں کو ایک رسم الخط پر جمع کیا۔

خط اور رسم الخط کا فرق

ف۱۰ حروف تہجی کو ملا کر لفظ کی صورت بنانے کو خط کہتے ہیں۔ اب یہ حروف مل کر رہیں گے یا الگ الگ۔ وصل یا قطع۔ حذف یا زیادتی حروف کی پابندی کا نام رسم الخط ہے۔ اِنْ مَا کو اِمَّا لکھنا یا اِنَّ مَا کو مقطوع شکل میں یا موصول شکل میں اِنَّمَا لکھنا رسم الخط ہے۔ ایک لفظ الف سے لکھا جائے گا یا کھڑے زبر سے۔ یہ بھی رسم الخط کہلائیگا۔ مثلاً العٰلمین میں عین پر کھڑا زبر دے کر اس کو العالمین پڑھنا یہ رسم الخط ہے۔ اگر العالمین الف سے لکھدیا جائے تو پھر رسم الخط بدل گیا۔ ایسے ہی تابوت اور تابوۃ ہے یا بئیس۔ بَیْئَسَ وغیرہ۔

ف۱۱۔ جب قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا اس وقت خط قیراموزی رائج تھا۔ چنانچہ پہلی کتابت مکہ معظمہ میں خط قیراموزی میں ہوئی۔ دوسری بار مدینہ منورہ میں خط حیری میں ہوئی۔ مدینہ منورہ میں جہاد و غزوات میں جو قیدی آئے تھے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ ہر قیدی مہاجرین کو لکھنا سکھلادے۔ وہ خط حیری تھا۔ علامہ دانی نے کتاب مقنع میں اس کی تفصیل لکھی ہے کہ مہاجرین نے اہل حیرہ سے لکھنا سیکھا تھا۔ اس لئے اس کا نام خط حیری پڑ گیا۔ اس کے بعد خط کوفی رواج پایا۔ پھر نسخ ۳۱۸ھ سے شروع ہوا۔ ان چار ادوار میں چار خط بدلے مگر کلماتِ قرآنی کے رسم الخط میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ چند اور مثالیں یہ ہیں العٰلمین۔ الرحمٰن۔ مٰلک۔ قٰنتٰت۔ عٰبدٰت۔ الصّٰلحٰت پہلے تین الفاظ میں ایک ایک الف حذف ہے۔ دوسرے تین الفاظ میں دو دو الف حذف ہیں۔ خط بالا نسخ ہے نستعلیق میں یوں لکھیں گے العٰلمین۔ الرحمٰن۔ مٰلک وغیرہ۔ دونوں کا رسم الخط ایک ہے۔

رسم الخط کی اہمیت

ف۱۲ قرآن مجید کا یہ رسم الخط توقیفی۔ سماعی۔ حضور اکرمؐ سے مسموع اور آپؐ کے امر و املاء سے ثابت و منقول اور لوح محفوظ کی ہیئت کتابت اور رسم الخط کے مطابق۔ منزل من اللہ ہے۔ اس میں کسی کی رائے اور قیاس کو قطعاً دخل نہیں۔ اس رسم الخط کی متابعت و موافقت واجب ہے اور مخالفت حرام ہے[1]۔ یہ جامعہ ازہر کا متفقہ فتویٰ ہے[2]۔

---

[1] رسم المصحف توقیفا هو مذهب الائمه الاربعه (جعبری فی شرح العقیله)

[2] ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ماکان یعرف الکتابة بالاصطلاح والتعلم

(ب) قرآن مجید کی جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو حضور اکرمؐ کاتبان وحی میں سے کسی کو بلا کر اسی وقت لکھوا دیا کرتے۔ لکھاتے وقت حضور اکرمؐ صحابہ کرامؓ کو روشنائی کی درستی۔ قلم پر ترچھا خط دینے اور حروف کی شکل وصورت وکلمات کے رسم الخط کے متعلق وضاحت سے بتلا دیتے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کاتبانِ وحی سے تھے۔ ان سے مروی ہے قال معاویۃ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یٰمعٰویۃ لق الدّواۃ۔ وحرف القلم وانصب الباء وفرق السین ولا تعور المیم۔ حسن اللہ ومدّ الرّحمٰن وجود الرّحیم وضع قلمک علی اذنک الیسریٰ فانہ اذکر لک" (انتہیٰ) حضرت معاویہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے ارشادات کتابت رسم الخط کے متعلق کس قدر تفصیلی ہوتے تھے اور بسم اللہ کے متعلق اتنی تفصیلات کا ذکر کہ یا کو لمبا نہ کیا جائے سین کو دانت ہوں۔ اللہ کو خوبصورت بنایا جائے الرحمٰن کے حا کو کھینچا جائے۔ الرحیم کو اسی مناسبت سے لمبا کیا جائے۔ یہ بتلاتا ہے کہ آنحضرتؐ کے ارشادات رسم الخط کے علاوہ خط کے متعلق بھی کتنے تفصیلی ہوتے تھے۔ (اتقان جلد دوم۔ مرسوم الخط) پھر یہ فرمانا کہ من کتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مجودۃ غفر اللہ لہٗ بتلاتا ہے کہ حسن خط بھی پیش نظر تھا

قرآن مجید سن کر بھی سیکھا جا سکتا ہے

۱۳ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ صفہ کے مہاجرین کی جماعت میں بیٹھا تھا۔ ایک قاری قرأت پڑھ رہا تھا۔ دوسرے سن رہے تھے اتنے میں آنحضرتؐ تشریف لائے۔ قاری حضرتؐ کو دیکھ کر دبا خاموش ہو گیا۔ حضرت نے پوچھا کیا کر رہے ہو۔ جواب دیا گیا کہ ایک قاری پڑھ رہا تھا۔ دوسرے اس کو سن رہے تھے۔ حضور اکرمؐ نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اس کا شکر ہے جس نے ایسے لوگوں کو

(بقیہ ص سے آگے) من الناس واما من جھۃ الوحی فکان یامر بکتابۃ القراٰن و رسمہ کما یعلمہ جبرئیل

۲ھ بدانکہ سمہ رسم الخط واجب است۔ وخلاف رسم الخط نوشتن قرآن گناہ است۔ لہذا بر کاتبان قرآن واجب است تعلیم رسم بدون علم رسم در تحریر قرآن غلطی خواہد شد پس ثواب کجا مستحق عذاب خواہند شد"

(رسالہ تحفۃ نذریہ مولفہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی۔ ملاحظہ ہو مقنع از علامہ دانی)

میری اُمّت میں پیدا کیا اور مجھے حکم دیا کہ ان کے ساتھ اپنے آپ کو ٹھہرائے رکھوں۔ یہ کہہ کر آپؐ ہماری جماعت میں بیٹھ گئے۔

تعلیم و تعلّم کی اہمیت

ف ۱۴ عبداللہ بن العاصؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرمؐ برآمد ہوئے تو صُفّہ کی ایک جماعت تلاوت قرآن اور دعا میں مصروف تھی۔ دوسری جماعت تعلیم و تعلّم میں۔ حضورؐ نے دونوں گروہوں کی تعریف کی۔ پھر فرمایا کہ میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ کہہ کر تعلیمی حلقے میں بیٹھ گئے۔

ف ۱۵ درس گاہ صُفّہ کے متعلّمین نادار تھے۔ دن کو بعض محنت و مزدوری بھی کرتے اور رات کو تعلیم میں صرف کرتے۔ ان کو قرّاء کہا جاتا اور جہاں کہیں دینی تعلیم کی ضرورت ہوتی تو ان کو بھیجا جاتا۔

علم تجوید کیا ہے؟

ف ۱۶ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ تلاوت کرنا یعنے اس طرح پڑھنا جیسا کہ حضور اکرمؐ نے پڑھا۔ اور جس طرح اوسی صحت کو ملحوظ رکھ کر صحابہ کرامؓ نے حضورؐ سے حاصل کیا بس اسی طرح پڑھنے کا نام تجوید ہے۔ تجوید کے لغوی معنے ہیں بنانا، سنوارنا، خوبصورت بنانا اور اصطلاحی الفاظ میں تجوید کی تعریف یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے حروف و کلمات کو صحیح مخارج سے برعایت صفات لازمہ مقوّمہ محسّنہ۔ بلا تکلّف و تعسّف کے لطافت و خوبی کے ساتھ ادا کرنا جس میں افراط و تفریط نہ ہو بلکہ اعتدال ہو۔

(ب) گو یہ بات عجیب سی معلوم ہوگی کہ اہل عرب جن کی مادری زبان عربی تھی انہیں بھی فن تجوید پر عبور حاصل کرنے میں محنت شاقہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ عام طور سے تو کسی زبان کے تلفظ کے لئے خود اہل زبان کی ادائی کو معیاری مانا جاتا ہے۔ اس لئے اہل زبان کے لئے اپنی ہی زبان کو سیکھنے کی کیا ضرورت تھی لیکن یہ حیرانی اسوقت دور ہوجاتی ہے جب ہم علم تجوید کے معنے سمجھ لیں جو اوپر بیان کئے گئے تھے کہ علم تجوید تلفظِ قرآن کی صحیح ادائی کا علم ہے جس طرح حضورؐ نے تلاوت فرمائی بہ الفاظ دیگر تحفظ لحن النبیؐ کا نام تجوید ہے۔ اپنے اس بیان کی تائید میں آیندہ میں بزرگوں کے چند اقوال نقل کردوں گا تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔

ف ۱۷۔ اسی بات کو پھر ایک بار سُن لیجئے۔ جب کسی غیر زبان کو سیکھنا یا پڑھنا مقصود ہو تو اس کا معیار یہ ہوتا ہے کہ اہل زبان کے لب و لہجہ میں ادا کردی جائے۔ مثلاً انگریزی کو انگریز کے لب و لہجہ میں فارسی کو ایرانیوں کے لب و لہجہ میں۔ اسی طرح عربی زبان کے تلفظ کی ادائی کے لئے عربی لب و لہجہ کافی ہوگا۔ مگر قرآن مجید عربی زبان سیکھنے کی کتاب نہیں ہے۔ یہ اپنی خصوصیات علیحدہ رکھتی ہے جیسا اس کا رسم الخط الگ اور معینہ ہے اسی طرح اس کی صحت سے ادائی کے لئے بھی عام اصول کا اطلاق

نہ ہو گا یعنے نہ تو عرب کے لب ولہجہ پر اکتفا کیا جائے گا اور نہ فصحائے وقت کے تلفظ کو اس کا معیار قرار دیا جائے گا۔ بلکہ قرآن کی صحت ادا کا معیار یہی ہے کہ اسے اس طرح پڑھا جائے جیسا حضور اکرمؐ نے پڑھا اور پڑھایا۔ پس قرآن مجید کے نسخوں میں گو اعراب (حرکات وسکون وغیرہ) تحریر ہوتے ہیں۔ مگر اعراب کی یہ تحریر ادائی پر حاوی ہونے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ان کے سوا اور بھی لوازمات ہیں جن کی پابندی ہر قاری پر لازم ہے۔ چنانچہ صحت تلاوت کے لئے تین ارکان لازم ہیں۔

(۱) افصح اللغات قریش پر ادائی (۲) رسم الخط قرآنی سے واقف ہونا (۳) اور سنداً قراء سے مشافہتہ حاصل کرنا۔ اس میں مشافہتہ حاصل کرنے کی خاص تاکید ہے۔ امام کسائی فرماتے ہیں کہ قرآنی الفاظ کا احاطہ طاقت بشری سے باہر ہے۔ اس لئے قاری محض رسم الخط مصحف پر انحصار و اعتماد نہ کرے بلکہ قرآن مجید کو ان قاریوں کے منہ سے حاصل کرے جنہوں نے سلسلہ بہ سلسلہ سن کر حضور اکرمؐ سے سنداً حاصل کیا تھا۔ پس یہ ضروری ہے کہ قرآن کسی مستند استاد سے جس نے بقرات متواترہ۔ مشہورہ۔ مسلسلہ سیکھا ہو پڑھا جائے کیوں کہ قرآن صرف آنکھ سے دیکھ کر نہیں سیکھا جا سکتا بلکہ کان سے سُن کر اسی کے مطابق ادائی پر قدرت حاصل کرنے سے سیکھا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بے شمار غلطیوں کا اندیشہ رہتا ہے۔

(ب) کسی ایک امام کی اتباع کرنا اس امام کی قراءت کہلاتی ہے۔ اس کے کسی شاگرد کی اتباع روایت کہلائے گی۔ اور اگر ایک شاگرد بھی کئی طرح سے ادا کرتا ہے تو یہ اس کے وجوہ ہوں گے۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ میں نے بروایت حفص۔ بہ قراءت امام عاصم قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ فلاں شخص سے حاصل کیا۔

علم وفن کا فرق

۱۸۔ علم وفن میں وہی فرق ہے جو نظری اور عملی میں ہوتا ہے۔ علم کسی چیز کے خالص جان لینے کا نام ہے۔ کسی علم کے لئے قواعد۔ اصول۔ ربط و تعلق کو سمجھ لینا کافی ہے۔ عملی میدان میں مشق بہم پہونچا کر اس پر حاوی ہونے کا نام فن ہے۔ فن کے حاصل کرنے کے لئے اعضائے جسمانی کی مشق ضروری ہے۔ چنانچہ علم نجوم۔ ریاضی۔ ہیئت۔ یہ سب علوم ہیں فن سپہ گری۔ بنجاری۔ لوہاری۔ سُناری یہ سب فن ہیں۔ جن میں اعضاء کی مدد سے مشق بہم پہونچا کر کمال حاصل کیا جاتا ہے۔ کام میں مشق جتنی زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی ہی صفائی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ تلوار کاٹتی کیسے ہے یہ علمی حیثیت سے تھوڑی دیر میں معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر جب تک سیکڑوں بار کاٹ کر صحیح گرفت۔ وقت ومحل کا صحیح اندازہ بہم نہ پہونچایا جائے ہاتھ میں صفائی اور کام میں مہارت پیدا

نہیں ہوتی۔ کسی چیز کو پہلے نظری حیثیت سے جانا جاتا ہے پھر فن کی حیثیت سے اس پر عبور حاصل کیا جاتا ہے۔ تمام دماغی کاموں کے جان لینے کو علم کہیں گے ان میں دسترس اور مہارت پیدا کرنے کو فن۔ تجوید کے قواعد و اصول معلوم کرنا یہ علم تجوید ہے۔ ان قواعد کی مشق صحیح مخارج سے بہ رعایت صفات لازمہ و محسنہ حروف کی ادائی اور پھر ادائی کی تکرار کہ بلا تکلف وہ عادت ہو جائے یہ چیز ایک عرصے کی مشق کے بعد حاصل ہوتی ہے اس کو فن تجوید کہیں گے۔ تو گویا تجوید علم بھی ہے اور فن بھی۔ ممکن ہے کہ ایک شخص قواعد جان لے مگر مشق نہ کرے تو وہ علم تجوید سے تو آگاہ ہوگا مگر عملی میدان میں قاصر ہوگا۔ لہٰذا فن تجوید کو عمل و مشق سے حاصل کرنا زیادہ اہم ہے۔ حضرت دانی نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ تجوید میں مہارت و کمال حاصل کرنا ہے تو زبان و دہن سے محنت و مشق کئے جاؤ۔ ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔ حضرت جہانگیر اشرف نے فرمایا کہ مجاہدہ انسانی زندگی کا اصل الاصول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ جاریہ یہی ہے کہ محنت کو برباد نہیں کرتے۔ ریاضت تو شیطان کی بھی بیکار نہیں گئی کہ باوجود شر نفس رکھنے کے معلم الملکوت بنا دیا گیا۔ ریاضت کے بے شمار فوائد ہیں کافروں کو بھی ان کی ریاضت کا ثمرہ مل ہی جاتا ہے ؎

و ۱۹ غرض تجوید کی چار خصوصیات ہیں یہ علم نظری بھی ہے اور عملی بھی۔ کیفی بھی ہے اور حالی بھی۔ نظری و عملی کی وضاحت تو سطور بالا سے ہو گئی ہوگی۔ اب کیفی و حالی کی وضاحت باقی ہے علمی حیثیت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ زبر کی لمبائی کیا ہے۔ اور پھر الف کی لمبائی کیا ہے۔ مد متوسط میں دو الف کی لمبائی سے کیا مقصد ہے اور مد طویل میں تین الف کے برابر لمبائی ہونے سے کیا مراد ہے۔ مگر جب تک ذوق سلیم نہ ہو ان لمبائیوں کی صحیح ادائی عملی حیثیت سے دشوار ہوتی ہے۔ جید اساتذہ کی صحبت میں چندے بیٹھ کر صحیح ذوق پیدا کرنے کے بعد جو بات پیدا ہوتی ہے وہ کیفی کہلائے گی۔ جیسے اور فنون لطیفہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے ذوق و وجدان کی ضرورت ہوتی ہے ویسا ہی تجوید میں بھی ذوق صحیح کی ضرورت ہے پھر اس ذوق کو اس قدر ترقی دی جائے کہ اس کی بے تکلفی سے ادائی ہونے لگے جیسے بعض قراء نیند میں بھی صحت الفاظ کے ساتھ پڑھتے چلے جاتے ہیں اور حلاوت لیتے ہیں۔ کوئی غلطی نہیں کرتے، ایسی مشق کو حالی سے تعبیر کرتے ہیں۔

(ب) تجوید کے پورے مفہوم کو حضرت استاد مرحوم نے ایک صحبت میں یوں فرمایا کہ التجوید ھو التصحیح والتحسین والتزئین اس میں تصحیح تو یہ ہے کہ حروف کو صحیح مخارج سے صفات لازمہ مقومہ کے ساتھ صحت سے ادا کرے حروف متقارب کے مخارج کی صحت کا خاص طور پر

اہتمام کیا جائے۔ ادائی کی ایسی مشق بہم پہونچائی جائے کہ ایک صفات کے حروف ایک دوسرے کے متصل واقع ہوں تو صفات میں تخلیط نہ ہو جائے۔ تحسین یہ ہے کہ ادائی میں صفات محسنہ مثلاً ادغام و اظہار۔ مد و قصر۔ تفخیم و ترقیق۔ اخفاء و اظہار کا حق ادا کیا جائے اور تزئین صفات مزینہ ہیں جن کی ادائی اس طرح ہو کہ نہ صورت بگڑے اور نہ آواز میں ترجیع ہو نہ حلق پھاڑنے کی ضرورت ہو نہ تکلف و تعسف ہو۔

حسن صوت ف ۲۰ قرآن مجید کی تلاوت میں حسن صوت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ صوت ہی سے حروف و کلمات کی ادائی ہوتی ہے اور اس میں لطافت کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالٰے اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ کریہہ ترین آواز (جو کانوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے) وہ گدھے کی آواز ہے۔" گدھے کی آواز میں یہی خرابی ہے کہ وہ بے سری بے تکی آواز میں بے ترتیب اونچی اور نیچی ایسی نکالتا ہے کہ وہ کانوں پر بار معلوم ہوتی ہیں۔ آواز میں شیرینی رلطافت و اعتدال اور اونچے اور نیچے سروں میں تدریجی ترتیب کانوں کو خوش گوار ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ گفتگو میں تقریروں میں۔ قرآن خوانی میں ان امور کا لحاظ رکھیں مولانا روم نے ایک کریہہ الصوت موذن کا ذکر کیا ہے اور سعدیؒ نے کریہہ الصوت قرآن خواں کے متعلق کہا ہے کہ ؎

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی ٭ می بری رونق مسلمانی

حضور اکرمؐ نے فرمایا حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ۔ وَ زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ قرآن مجید کو ایسا پڑھو کہ اس کا حسن و زینت دوبالا ہو۔ ایک جگہ فرمایا کہ حُسْنُ الصَّوْتِ زِیْنَۃُ الْقُرْاٰنِ آواز کی دلکشی سے قرآن کی زینت ہوتی ہے۔ چونکہ آواز غیر مرئی چیز ہے جس کو دیکھا نہیں جاتا اس لئے ہم حسن صوت کی اہمیت اور اس کے لوازم کو مرئی مثالوں سے سمجھانا چاہتے ہیں۔

خطاطی ف ۲۱ اسلام کی حسن پسندی کا تقاضا تھا کہ فن خطاطی میں بھی حسن کاری داخل ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ خطاطی میں ایسی ترقی ہوئی کہ خطاطی کے نمونے دیکھ کر دیکھنے والوں پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا تھا ہر پڑھنے لکھنے والا خوش نویس بننے کی کوشش کرتا۔ جس کا خط اچھا نہ ہوتا اس کی یہ کمزوری بڑا عیب سمجھی جاتی۔ عوام و خواص امراء و بادشاہ سب ہی اپنی اولاد کو خطاطی میں ماہر بنانے کی سعی کرتے بلکہ امراء و رؤسا تو خاص طور سے اس میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے حسن خط کی مہارت سے بود و باش کے دوسرے شعبوں میں شائستگی اور سلیقہ میں کمال حاصل ہوتا۔ غرض یہ

فن بے شمار فوائد کا حامل تھا۔ سلاطین ماسلف اور مغلیہ خاندان کے سب بادشاہ۔ شہزادے۔ بیگمات دربار کے اکثر رؤسا و امراء اس فن کے باکمال تھے۔ فنِ خطاطی کے مبادیات یہ ہیں:۔

(۱) لکھتے وقت ہاتھ کی حرکت قابو میں ہو۔ اضطراری حرکت نہ ہو۔

(۲) کرسی مقررہ حد سے اونچی یا گری ہوئی نہ ہو۔

(۳) نوک پلک برابر ہوں۔

(۴) حروف کے جوڑ توڑ درست ہوں۔

(۵) دائرے یکساں خوب صورت ہوں۔

(۶) تناسب حرفی و لفظی برابر ہو کوئی چھوٹا بڑا نہ ہو۔

(۷) بین السطور و بین الحرفین فاصلہ درست ہو۔

(۸) ایک مرتبہ سیاہی لے کر قلم سے لفظ ایسا لکھا جائے کہ سیاہی سب جگہ برابر پہونچے، روانی قائم رہے

(۹) تحریر میں پختگی ہو۔

(۱۰) صفائی اور ستھرا پن ہر جگہ نمایاں ہو۔

یہی تمام خوبیاں آواز میں بھی پائی جانی چاہئیں۔

شہسواری **۲۲** اسی طرح شہ سواری کا فن ہے بعض دیہاتیوں یا جنیوں کو آپ نے گھوڑے یا ٹٹو پر سوار ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ سوار کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کمر جھکی ہوئی۔ دونوں پیر ہلتے ہوئے رانیں کھلی ہوئیں۔ ہر قدم پر سیدھے بائیں ڈلتا ہوا پیروں کو بے تکے پن سے کھولے ہوئے۔ ہاتھوں کی لگام ایال پر چھوڑے ہوئے۔ یہ سواری نہیں کر رہا ہے لدا ہوا جا رہا ہے۔ گھوڑا اس کے قابو میں نہیں یہ گھوڑے کے قابو میں ہے۔ اس کے برخلاف ایک شہ سوار گھوڑے پر تنا ہوا ایسا بیٹھتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہر حرکت گھوڑے کی رفتار سے میل کھاتی ہے۔ گھٹنوں کی گرفت مضبوط گھٹنوں سے نچلا حصہ سیدھا لٹکتا ہوا۔ رکاب میں پیر جما ہوا۔ بیٹھک میں نہ ایسی بناوٹ کہ بالکل تختہ معلوم ہو نہ ایسا ڈھیلا پن کہ گھوڑے کے قابو میں ہو جائے لگام ایسی تھامتا ہے کہ گھوڑے پر پورا قابو رہے۔ جب چاہتا ہے اور جدھر چاہتا ہے ادنیٰ اشارے پر گھوڑے کو موڑ لیتا ہے۔ دوسرے اچھے سوار ایک نظر میں سمجھ لیتے ہیں کہ شہ سوار ہے۔ جو لوازم ان دو مثالوں کے ہیں وہی مناسبت فنِ تجوید کے ساتھ ہے۔ شہ سوار جیسا گھوڑے پر قابو رکھتا ہے یا خطاط اپنے ہاتھ پر۔ اسی طرح ماہر صوت اپنی آواز پر قابو رکھتا ہے۔ آواز

نہ زیادہ پست ہو نہ زیادہ بلند۔ مگر گہری اور قوی۔ ہانپنا۔ کانپنا۔ لرزنا۔ پھسپھساہٹ۔ لجلجاہٹ
رعشہ۔ یہ سب آواز کی کمزوریاں ہیں۔ بے تکے پن سے شروع کرنا یا بے تکے پن سے ختم کرنا یہ
بھی عیب میں داخل ہے۔ آواز میں متانت، وقار دل آویزی ہونی چاہئے چنانچہ حضور اکرم ﷺ
نے فرمایا اِقْرَءُ الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الرِّجَالِ وَلَا بِصَوْتِ النِّسَآءِ (قرآن مردانہ
کی آوازمیں پڑھو نہ کہ عورتوں کی آوازمیں) بے سُری آوازیں۔ بے تکی صدائیں آواز کو کریہہ بنادیتی ہیں
جس کو مسلمان کا ذوق سلیم برداشت نہیں کرتا جیسا خطاط نوک پلک کا خیال رکھتا ہے تاکہ حروف
کا حسن نہ بگڑے ویسا ہی قاری حروف کی ادائی میں کوشش کرتا ہے کہ حروف اپنے مخارج سے
ان کی صفات اصلیہ و محسنہ کے ساتھ ادا ہوں۔ مشتبہ الصوت حروف میں سننے والے کو بین فرق
محسوس ہو جائے۔ جیسے خطاطی میں سب دائرے یکساں ہوتے ہیں۔ ویسے ہی یہاں حروف کی ادائی
کی مدت برابر ہو۔ ذرا فرق نہ ہو۔ ایک حرف جیسا پہلے ادا کیا گیا ہے ویسا ہی دوسری بار اور تیسری
بار ادا ہو۔ زیر کی لمبائی۔ الف کی لمبائی۔ مدّوں کی لمبائیاں سب نپی تلی ہوں۔ وہاں جیسے درمیانی
فصل (کرسی) کا اہتمام کیا جاتا ہے ویسے ہی یہاں درمیانی وقفے متوازن طور سے قائم رہیں۔ وہاں
سیاہی ایک قلم میں ایک حرف یا لفظ بناتی ہے درمیان میں سیاہی کا کم و بیش ہونا۔ روانی
میں یکسانیت نہ ہونا نقص ہے۔ یہاں ایک سانس میں بہ سہولت تمام ایک فقرے کو ادا نہ کرنا
سانس کا درمیان میں ٹوٹ جانا۔ یا مشکل سے پورا ہونا۔ یا آواز پر بار محسوس ہونا یہ سب ادائی
کے نقائص سمجھے جائیں گے۔ بے تکلف ادائی حسن و لطف پیدا کرتی ہے۔ جیسے بے تکلف سواری
دیدہ زیب ہوتی ہے۔ اب آپ تجوید کی تعریف جو علامۃ الجزری نے اپنی کتاب النشر میں کی
ہے اسے بھی سن لیجئے:۔

وَقَالَ فَالتَّجْوِيْدُ هُوَ حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ وَزِيْنَةُ الْقِرَاءَةِ وَهُوَ اَعْطَاءُ
الْحُرُوْفِ حُقُوْقَهَا وَتَرْتِيْبُهَا مَرَاتِبَهَا وَرَدُّ الْحَرْفِ اِلٰى مَخْرَجِهٖ
وَاَصْلِهٖ وَالْحَاقُهٗ بِنَظِيْرِهٖ وَتَصْحِيْحُ لَفْظِهٖ وَتَلْطِيْفُ النُّطْقِ بِهٖ عَلٰى
حَالِ صِيْغَتِهٖ وَكَمَالِ هَيْئَتِهٖ مِنْ غَيْرِ اِسْرَافٍ وَلَا تَعَسُّفٍ وَلَا اِفْرَاطٍ
وَلَا تَكَلُّفٍ

فَلَيْسَ التَّجْوِيْدُ بِتَمْضِيْغِ اللِّسَانِ وَلَا بِتَقْعِيْرِ الْفَمِ وَلَا بِتَعْوِيْجِ
الْفَكِّ وَلَا بِتَرْعِيْدِ الصَّوْتِ وَلَا بِتَمْطِيْطِ الشَّدِّ وَلَا بِتَقْطِيْعِ الْمَدِّ وَلَا

بِتَطْنِينِ الْغُنَّاتِ وَلَا بِحَصْرَمَةِ الرَّاءَاتِ قِرَاءَةً تَنْفِرُ عَنْهَا الطِّبَاعُ وَ تَمُجُّهَا الْقُلُوْبُ وَالْاَسْمَاعُ بَلِ الْقِرَاءُ السَّهْلَةُ الْعَذْبَةُ الْحُلْوَةُ اللَّطِيْفَةُ الَّتِيْ لَا مَضْغَ فِيْهَا وَلَا لَوْكَ وَلَا تَعَسُّفَ وَلَا تَكَلُّفَ وَلَا تَصَنُّعَ وَلَا تَنَطُّعَ وَلَا تَخْرُجُ عَنْ طِبَاعِ الْعَرَبِ وَكَلَامِ الْفُصَحَاءِ بِوَجْهٍ مِنْ وُجُوْهِ الْقِرَاءَاتِ وَالْاَدَاءِ۔

وَلَقَدْ اَدْرَكْنَا مِنْ شُيُوْخِنَا مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حُسْنُ صَوْتٍ وَلَا مَعْرِفَةٌ بِالْاَلْحَانِ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ جَيِّدَ الْاَدَاءِ قَيِّمًا بِاللَّفْظِ وَاللّٰهِ دَرُّ الْحَافِظِ اَبِیْ عَمْرِو الدَّانِیْ حَيْثُ يَقُوْلُ: لَيْسَ بَيْنَ التَّجْوِيْدِ وَتَرْكِهِ اِلَّا رِيَاضَةٌ لِمَنْ تَدَبَّرَهُ بِفَكِّهِ فَلَقَدْ صَدَقَ وَبَصَّرَ وَاَوْجَزَ فِي الْقَوْلِ وَمَا قَصَّرَ

ترجمہ :- پس تجوید تلاوت کا زیور۔ اور قراءت کی زینت ہے۔ حروف کے حقوق ادا کرنا۔ اور ان کے مراتب و ترتیب کا لحاظ رکھنا۔ حروف کو ان کے مخارج اور اصل مقام سے ادا کرنا۔ مکرر ادائی میں یکسانیت ملحوظ رکھنا۔ لفظ کی ساخت و ھئیت کے اعتبار سے اس کے تلفظ کا اہتمام کرنا ادائی میں لطافت پیدا کرنا کہ نہ تو حدود سے تجاوز ہو جائے اور نہ بے راہ روی کی صورت پیدا ہو اور نہ افراط و تکلف ہو۔ نہ اسراف و تعسف۔ پس تجوید یہ نہیں ہے کہ زبان کو توڑا مروڑا جائے یا منہ کو پھاڑا جائے یا جبڑوں کو ٹیڑھا کیا جائے یا آواز کو کپکپایا جائے یا تشدید کو لمبا کیا جائے یا مدود کے ٹکڑے کر کے پڑھا جائے۔ یا آواز میں غنغنا پن پیدا کیا جائے یا بے محل غنے پیدا کئے جائیں۔ یا راء کی تکرار میں مبالغہ کرنا۔ یا ایسے طریقے سے پڑھنا کہ طبیعتوں پر انقباض ہو اور کانوں کو ناگوار ہو۔ بلکہ ایسا پڑھنا کہ آسان ہو شیریں و لطیف ہو۔ نہ تو ہونٹوں کو بنایا جائے اور نہ لفظوں کو چبایا جائے نہ ادائی میں تعسف ہو نہ تکلف نہ بناوٹ نہ حرفوں کو پھیلایا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ فصحائے عرب کی ادائی کے طریقوں سے بہرحال گریز نہ ہو۔ اور تلاوت کے وجوہ قراءت میں سے کسی ایک وجہ کے مطابق ہو۔ ہمارے شیوخ میں سے بعض صاحب حسن صوت و خوش الحان نہ تھے، مگر ادائی میں ماہر تھے۔ اور تلفظ میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت حافظ ابو عمرو دانیؒ نے کیا خوب فرمایا کہ تجوید کا حصول و عدم حصول مشق دہن پر منحصر ہے۔ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ دانیؒ نے اس قول میں دریا

کو کونے میں بند کر دیا ہے۔

۲۴ غرض جس قدر حسن صوت اللہ تعالیٰ نے ودیعت کیا ہے اس کو تجوید و قراءت میں کام میں لانا ضروری ہے۔ مگر حسن صوت کو ماحصل سمجھ کر ادائی سے تغافل جائز نہیں۔ ادائی کی اہمیت میں علامہ الجزری نے حضرت ابوعمرو دانی کے جس قول پر زور دیا ہے وہ بڑی حقیقتوں کا حامل ہے۔ علامہ الجزری نے خود اپنی کتاب مقدمہ الجزریہ میں ایک شعر میں یہی مضمون ادا کیا ہے۔

وَلَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ تَرْکِہٖ   اِلَّا رِیَاضَۃُ امْرِءٍ بِفَکِّہٖ

یعنے تجوید کا حصول اور غیر حصول آدمی کے مشق دہن ہی پر منحصر ہے۔ اس مضمون کو میں ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ گونگوں اور بہروں کے لئے ہندوستان کے مختلف بڑے شہروں میں مدرسے ہیں۔ مجھے تین بڑے مدرسوں کو تفصیل سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ایک مدرسہ بیسانار ریاست گجرات میں ہے۔ ایک بروڈہ میں۔ ایک مدراس میں۔ ان تینوں مدرسوں کے کام کو غور سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ سب کا اصول ایک ہی ہے۔ چنانچہ جو مادر زاد بہرا ہوتا ہے وہ گونگا بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ بچہ سن سنکر آواز نکالتا ہے اور جلد ہی زبان پر قابو حاصل کر لیتا ہے مگر جب اس کے کان میں آواز ہی نہیں پہونچتی تو پھر وہ اپنے منہ سے نقل بھی نہیں کرتا۔ اس لئے گونگا ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ گونگا پن ماہرین فن کی مدد سے دور کیا جا سکتا ہے۔ آٹھ سال کی عمر میں عموماً ایک بچے کو اس مدرسے میں داخل کر لیتے ہیں اور آٹھ سال وہاں رکھتے ہیں۔ ایک آئینہ کے روبرو اس کو کھڑا کر کے استاد منہ پھاڑ کر آواز نکالتا ہے استاد کی نقل کرتے ہوئے بچہ بھی ویسی ہی آواز نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ پہلے آ۔ ای۔ او کی مشق کرائی جاتی ہے پھر دوسرے حروف نکالنے کے لئے زبان اور دہن کے مختلف مقامات پر انگلی رکھ کر اس کو اشارے سے بتاتے ہیں کہ وہاں سے آواز نکال۔ جب وہ صحیح طور سے نکالتا ہے تو شاباشی دیتے ہیں۔ اسی طرح پہلے حروف اور پھر الفاظ بولنا سکھلاتے ہیں۔ ساتھ ہی لکھنے کی مشق بھی کراتے ہیں۔ غرض آٹھ سال میں اس کو بولنا اور لکھنا بھی آجاتا ہے۔ بہرا آواز سننے سے محروم ہوتا ہے۔ لیکن اس طریقہ تعلیم کے بعد وہ بولنے والے کے ہونٹوں کی حرکت سے الفاظ سمجھنے لگتا ہے۔ ابتداءً اس کے سامنے آہستہ آہستہ بولتے ہیں تاکہ وہ اچھی طرح ہونٹوں کی حرکت کو ذہن نشین کر لے۔ پھر ذرا جلدی بولتے ہیں اس طرح اسے ایک زبان سکھلا دیتے ہیں۔ پہلے تو ہمیں اس کا یقین نہ آیا کہ صرف ہونٹوں کی حرکت سے کوئی لڑکا کیوں کر سمجھتا ہوگا۔ مگر بہت سے لڑکوں سے گفتگو کرنے کے اور اساتذہ سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد یہ ماننا پڑا ہے کہ بہرا بچہ مشق اتنی بڑھا لیتا ہے کہ بولنے والوں کے ہونٹوں کی حرکت دیکھ کر الفاظ

سمجھ لیتا ہے۔ یہ بہت مشکل کام معلوم ہوتا ہے مگر ماہرین کے زیر تربیت مشق و محنت کرتا ہے اس لئے
حاوی ہو جاتا ہے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اتنا مشکل کام بھی محنت سے آسان ہو جاتا ہے تو پھر ہمارے
لئے جبکہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں تمام حواس صحیح و سالم دئیے ہیں صحیح ادائی پر قادر ہونا کیا مشکل ہے۔
حضرت دانی کے مشورے پر عمل فرمائیے۔ استاد کی ہدایت کے مطابق منہ سے روزانہ مشق کئے جائیے
حروف کی ادائی پر قدرت ہو جائے گی۔ یہ ادائی صحت کے ساتھ قرآن خوانی ہی میں مدد نہ دے گی
بلکہ تقریریں ٹیلی فون پر گفتگو میں۔ مائیکروفون پر بولتے ہیں۔ دور تک آواز پہونچانے میں بھی مفید
ثابت ہوگی۔ الفاظ جب الگ الگ واضح طور پر نکلتے ہیں تو سمجھنے والا آسانی سے الفاظ و مفہوم سمجھ
لیتا ہے۔ اگر الفاظ منہ ہی منہ میں چبائے جائیں یا آدھے ادا ہوں آدھے نہ ہوں یا ناک میں لے جا کر
ادا کئے جائیں یا الفاظ ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں تو قریب کا سننے والا تو شاید سمجھ لے مگر دور والا
قطعاً نہیں سمجھ سکے گا۔ پس تجوید سیکھنا روزمرہ کی زندگی میں بھی کارآمد ثابت ہوگا۔

التغنی واللحن

۲۵ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ما اذن اللہ بشیٔ ما اذن بہ نبی تغنی بالقرآن (بخاری ومسلم) ما اذن اللہ لشی ما اذن لنبی حسن
الصوت بالقرآن یجھر بہ لیس منا من لم یتغن بالقرآن (ابوہریرہ
بخاری) تغنیٰ: معنے حسن الصوت بالقرآن۔ طیبی فرماتے ہیں کہ اس تحسین صوت سے مراد صوت رقت
آمیز اور حزن انگیز ہے۔ اور یہی قول امام شافعی کا ہے "سبحان ابی عیینہ" اور اکثر علماء
کہتے ہیں کہ اس کے معنے تغنی عن الناس ہے۔ اظہری کہتے ہیں یتغنی بہ یا یجھر بہ
اس میں تغنی کے معنے استغنا پر حمل کرنا پہلی دو حدیث کے مخالف ہے۔ لیس منا والی حدیث
اس کی متحمل ہے۔

عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ رعایت موسیقی سے تکلف کر کے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر
قرآن کے کسی تغیر کا باعث بنیں تو بلا شبہ حرام ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تحسین صوت سے مراد ایسی آواز ہے جو دلوں میں نرمی پیدا کرے۔ اور خضوع
وخشوع حاصل خشیت پیدا ہو۔ اور جس سے حضور قلب نصیب ہو۔ احکام کی تعمیل کے لئے شوق کو ابھارے
سننے والے کا دل اس سے متاثر ہو۔ تجوید کے قوانین کی رعایت ملحوظ رہے۔ کلمات اور حروف نظم
کی رعایت رکھی جاتی۔ اگر سفیان ابن عینہ کی تشریح لی جائے کہ تغنی سے مراد استغنا ہے تو یہ ایک
مسئلہ ہے کہ جس کو اللہ تعالےٰ قرآن مجید جیسی نعمت دے وہ اور لوگوں پر بوجھ نہ بنے۔ اور ان قرائے

جو قراءت لے کر امراء کے دروازوں کی زیارت کرتے پھرتے ہیں ان کے لئے اس حدیث میں وعید شدید آئی ہے۔ ام سلمہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ حضور اکرم تفصیل کے ساتھ ایک ایک حرف الگ الگ ٹکڑے کرکے ہر آیت کو جدا جدا کرکے رکتے تھے۔ جو لوگ لوگوں کی تحسین حاصل کرنے، یا دکھاوے کے لئے یا دنیا کی محبت کے لئے پڑھتے ہیں وہ برا کرتے ہیں۔ چنانچہ اہل کتاب ایسا ہی کرتے تھے اور کرتے ہیں۔

طاؤس سے مرسلا مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے اچھی آواز والا اور اچھی قراءت پڑھنے والا کون ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ:-

"وہ شخص کہ جب تو اس کو پڑھتا سنے تو یہ گمان کرے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔"

طاؤس کہتے ہیں کہ طلق تابعی ایسا ہی پڑھا کرتے تھے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے عبدالحق صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

"اس کا حاصل یہ ہے کہ آواز میں حسن صوت۔ خوف خدا اور حزن آمیزی پائے جائیں تو وہی حسن صوت ہے تو حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خود درد انگیز ہو کر پڑھے اور سننے والوں میں بھی درد انگیزی پیدا کرے۔"

انور شاہ صاحب نے اپنے نوٹ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے مراد ابن عربی نے یہ کی ہے کہ

وَضَعُ الْقُرْآنِ مَوْضَعَ الْغَنٰی واختیارہٗ مکانہ فَاِنَّ الْغِنَا اَلَذَّ عِنْدَ عَامَۃِ النَّاسِ وَالْمَطْلُوْبُ ترکہ اِذَا ترکہٗ لَا بُدَّ اَنْ یَضَعَ مَکَانَہٗ شَیْئًا اٰخرَ یَتَلَذَّذُ بِہٖ۔ فَعَلَی الْمُؤمِنِ الْخَاشِعِ اَنْ یَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ مَقَامَہٗ یَتَنَزَّہٗ قَلْبَہٗ بِہٖ وبترك مالا یَعْنِیْہِ وَیَشْغَلَ بِاللّٰہِ وغنا وَاَضَاعَہٗ وقتہ وَجَعَلَ الْقُرْاٰنَ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَاِنَّہٗ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ وَلَیْسَ بِطَیِّ لِقِہٖ

قرآن کو غنا کے مقام پر رکھنا اور غنا کا مقام اس کے لئے پسند کرنا اس لئے کہ گانا عامۃ الناس کے پاس لذت انگیز ہوتا ہے اور چوں کہ گانا شرعاً متروک ہے تو جب اس کو چھوڑ دیا تو انکی لذتوں کے واسطے اس کی جگہ پر کسی چیز کو رکھنا پڑے گا جو جائز ہو۔ مومن خاشع کے لئے یہ لازم ہے کہ قرآن کو اس کے مقام پر رکھے اور دل کو اس سے خوش کرے اور چھوڑ دے اس چیز کو جو بے فائدہ ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا اور لہو و غنا کے ساتھ مشغول ہوا اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا تو یہ طریقہ رسول اللہ کا نہیں ہے۔"

علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ تغنی بالقرآن کے معنے یہ ہیں کہ بلا تصنع و تکلف کے ایسا پڑھے کہ اس کا حرف حرف سمجھ میں آئے۔ اور ذہن نشین ہو کر معنے پیدا کرے۔

تجوید ہم تک کیسے پہونچی

ف ۲۶ تجوید یعنے قرآن مجید کا صحت سے پڑھنا ہم تک ناقلین کی سعی و محنت سے پہونچا ہے۔ ابتداء میں صحابہ کرام کی ایک جماعت ایسی تھی جس نے راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ قرآن مجید پڑھا تھا تمام جماعت روزانہ حضور اکرمؐ ہی کی زبان سے قرآن مجید سنتی تھی۔ مگر جو اصحاب خاص صلاحیتیں رکھنے والے تھے ان کو آنحضرت نے خاص توجہ سے سکھایا۔ پھر دوسرے صحابہ نے ان ہی سے حاصل کیا۔ چنانچہ ابن عباس نے حضرت ابی بن کعب سے قراءت سیکھی۔ اور حضرت ابوہریرہؓ اس کے باوجود کہ حدیث کے سب سے بڑے ناقل تھے قراءت حضرت عبداللہ بن مسعود سے سیکھی۔ صحابہ کرام میں اکثر قاری۔ بعض حافظ قرآن۔ اور بعض خصوصیت کے ساتھ معلم قراءت تھے۔ چنانچہ مہاجرین میں جو معلم قراءت تھے ان میں سے سیدنا ابوبکرؓ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علی ابن ابی طالبؓ۔ طلحہؓ۔ سعدؓ۔ عبداللہ ابن مسعودؓ۔ حذیفہؓ۔ ابوموسیٰ اشعریؓ۔ سالمؓ ابوہریرہؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ ابن عباسؓ۔ ابن زبیرؓ۔ عمر بن العاصؓ۔ معاویہؓ۔ عبداللہ بن السائبؓ امہات المومنین میں سے عائشہ صدیقہؓ۔ حفصہؓ۔ ام سلمہؓ۔ اور انصار میں سے سیدنا ابی بن کعبؓ۔ معاذؓ ابو درداءؓ۔ زیدؓ۔ ابوذرؓ۔ مجمع بن جاریہؓ۔ انس بن مالکؓ زیادہ مشہور ہیں۔ بعد کے آنے والوں میں ہر قاری کئی کئی استادوں سے پڑھتا تاکہ کوئی خامی نہ رہ جائے۔ سالہا سال کی محنت سے یہ فن حاصل کرتے پھر تمام عمر اس کام کے لئے وقف کر دیتے۔ چوں کہ وہ اس کی اہمیت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پہونچانا ایک بڑی ذمہ داری ہے اس ذمہ داری کو اس اہتمام کے ساتھ پورا کیا جائے کہ درمیانی کڑیوں میں کمزوری نہ رہ جائے۔ جلیل القدر صحابہ نے اس چیز پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حکم دیا ہے کہ

تَقْرَءُوْا الْقُرْاٰنَ كَمَا عُلِّمْتُمْ

قرآن مجید کو اسی طرح پڑھو جس طرح تم کو سکھلایا گیا ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ اور حضرت ابن عامر کا قول ہے کہ

"تجوید سنت متبعہ ہے پچھلا اگلے سے اخذ کرتا چلا آتا ہے۔ پس تم کو جس طرح سے پڑھایا جائے اسی کو اختیار کرو۔" اسی بناء پر علی بن عثمان الشاطبی کہتے ہیں:-

"قراءت میں قیاس کو دخل نہیں۔ ناقلین سے جو کچھ تم کو پہنچا ہے اسی کو اختیار کرو اور جیسا تم کو

سکھلایا گیا ہے اسی پر قائم رہو کیوں کہ قرآن شریف اسی طرح سے نازل ہوا ہے۔"

حضرت کسائی کا قول میں پہلے نقل کر چکا ہوں کہ وہ قرآن شریف کو مشافہۃً سیکھنے والوں کے منہ سے حاصل کرنے کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور اس بارے میں جو احتیاط ملحوظ رکھی جاتی تھی وہ عبداللہ بن مسعود کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ کسی نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ مگر للفقرآء کے الف کا مد ادا نہیں کیا تو حضرت نے بگڑ کر کہا کہ "حضور اکرمؐ نے قرآن مجید ہم کو اس طرح نہیں سکھلایا۔" سائل نے پوچھا پھر کس طرح سکھلایا؟ تو حضرت نے اس کو مد کے ساتھ ادا کر کے بتلایا کہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ اس سے ظاہر ہے کہ مد کے بغیر ادائی کو حضرت عبداللہ تنزیل کے خلاف پڑھنا سمجھتے تھے۔ یہ بڑی عمدہ سند ہے کہ ادائی میں تمام امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ خواہ وہ صفات محسنہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اتقان از علامہ جلال الدین سیوطیؒ۔ اس مضمون کو شیخ القراء جناب روشن علی صاحب نے نظم میں ادا کیا ہے

قرآن کو لوح پہ قدسی رہے سدا پڑھتے ✿ تھے ہر کتاب میں قرآن ہی انبیاء پڑھتے

سنایا جس طرح جبرئیل نے کلام خدا ✿ اسی ادا و صفت پر تھے مصطفےٰ پڑھتے

پڑھایا آپ نے اصحاب کو امانت وار ✿ تھے تابعین صحابہ سے بے خطا پڑھتے

وہاں سے سلسلہ در سلسلہ سند بہ سند ✿ یہاں تک آتے ہیں مردان باخدا پڑھتے

پڑھا نہ جاتے سنا تم کو قاریان سلف ✿ تمھیں بتاؤ کہ قرآن تم آج کیا پڑھتے

۲۷ بزرگوں کے ان اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم تجوید کا مدار نقل پر ہے قرناً بعد قرنٍ ایک جماعت دوسری جماعت سے سن کر نقل کرتی چلی آتی ہے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ ابتداء میں میں نے کیوں کہا تھا کہ قرآن مجید کے پڑھنے والے کو چاہئے کہ مستند استاد سے سیکھے جس نے سند سے قراءت متواترہ مشہورہ۔ مسلسلہ۔ متصلہ سیکھی ہو۔ فقہا نے قول فیصل سنا دیا کہ عِلْمُ التَّجْوِیْدِ فَرْضٌ وَ تَجْوِیْدُ الْقُرْاٰنِ فَرْضٌ عَیْنٌ۔ چونکہ تجوید میں علم و ادائی دونوں چیزیں ہیں اس لئے محض تجوید و قراءۃ کی کتابیں پڑھ لینا کافی نہیں۔ بلکہ استاد سے سبقاً سبقاً مشافہۃً پڑھ کر اس کی سند حاصل کرنا ضروری ہے۔ تجوید کی اہمیت کے بارے میں علامہ جزری کے اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

والاخذ بالتجوید حتم لازم ✿ مَنْ لَّمْ یُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ اٰثِمٌ

تجوید کا اختیار کرنا واجب و لازم ہے ✿ جو قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھے گنہگار ہے

لِأَنَّهُ بِهِ الْإِلٰهُ أَنْزَلَا ؛ وَهٰكَذَا إِلَيْنَا وَصَلَا

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تجوید کیساتھ اتارا ؛ اور ہم تک اسی طرح سے پہونچا ہے

وَهُوَ أَيْضًا حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ ؛ وَزِينَةُ الْأَدَاءِ وَالْقِرَاءَةِ

تجوید تلاوت کا زیور بھی ہے ؛ اور قراءت اور ادا کی زینت بھی ہے

وَهُوَ إِعْطَاءُ الْحُرُوفِ حَقَّهَا ؛ مِنْ صِفَةٍ لَهَا وَمُسْتَحَقَّهَا

تجوید یہ ہے کہ حرفوں کا حق ادا کیا جائے ؛ اور جس حرف کے جو صفات ہیں انکے ساتھ ادا کیا جائے

وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِأَصْلِهِ ؛ وَاللَّفْظُ فِي نَظِيرِهِ كَمِثْلِهِ

اور ہر حرف کو اس کے اصل مخرج سے ادا کیا جائے ؛ اور جس طرح ایک دفعہ ادا کیا جائے اسی طرح دوبارہ ادا کیا جائے

مُكَمِّلًا مِنْ غَيْرِ مَا تَكَلُّفِ ؛ بِاللُّطْفِ مِنَ النُّطْقِ بِلَا تَعَسُّفِ

ادائی کمال کے ساتھ ہو کہ تکلف نہ معلوم ہو ؛ تلفظ میں لطافت ہو سختی اور گرانی نہ ہو

وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَرْكِهِ ؛ إِلَّا رِيَاضَةُ امْرِئٍ بِفَكِّهِ

تجوید کا حصول و عدم وصول ؛ مشق دہن پر منحصر ہے

تجوید کی اہمیت کے متعلق احادیث

ف ۲۸ تجوید کی اہمیت کے بیان میں سو سے زیادہ احادیث وارد ہوئی ہیں ہم یہاں صرف چند احادیث پیش کرتے ہیں تاکہ آتش شوق تیز تر گردد۔

بخاری نے حضرت عثمانؓ بن عفان سے حدیث نقل کی ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا

(۱) خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن مجید سیکھتے اور سکھلاتے ہیں

طبرانی نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ

خَيْرُكُمْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَأَقْرَأَهُ

تم میں سے بہترین اشخاص وہ ہیں جو قرآن پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں

چنانچہ رئیس القراء حضرت حافظ عبدالرحمٰن سُلمی کوفی پہلی حدیث کو روایت کرکے فرماتے تھے کہ مجھے اس حدیث نے یہاں لا بٹھایا ہے۔ حضرت بڑے کثیر العلم جلیل القدر تابعی تھے لوگ آپ سے مختلف علوم حاصل کرنے کی تمنا کرتے تھے۔ مگر آپ چالیس سال تک کوفہ کی جامع مسجد میں صرف تجوید سکھلاتے رہے اور جب کوئی پوچھتا تو وہی حدیث اول سنا دیا کرتے تھے۔ امام عاصمؒ کوفی آپ ہی

کے شاگردوں میں سے ہیں۔

(ب) اَدِّبُوْا اَوْلَادَكُمْ عَلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ۔ حُبِّ نَبِيِّكُمْ وَحُبِّ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ۔ فَاِنَّ حَمَلَةَ الْقُرْاٰنِ فِيْ ظِلِّ اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ مَعَ اَنْبِيَآئِهٖ وَاَصْفِيَآئِهٖ (دار قطنی و ابونصر عبدالکریم)

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو تین باتیں ضرور سکھلاؤ۔ اپنے نبی کی محبت۔ آپؐ کے اہل بیت کی محبت اور قرآن مجید کا پڑھنا۔ اس لئے کہ قرآن کے پڑھنے والے انبیاء اور اصفیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوں گے اس روز جب کہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا

(ج) زید بن ثابت سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّقْرَءَ الْقُرْاٰنُ كَمَا اُنْزِلَ

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ قرآن مجید اسی طرح سے پڑھا جائے جیسا کہ اُتارا گیا

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ

جب ہم قرآن پڑھادیں تو تم اسی پڑھائی کی اتباع کرو۔

(د) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہر زمانے میں اپنے ایسے بندوں کو منتخب کرتا رہتا ہے۔ جو قرآن کی حفاظت کا کام انجام دیں۔ قال اللہ تعالیٰ

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا

یعنے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انتخاب فرما کر ان کو کتاب کا وارث بناتا ہے۔ لہذا ہر شخص کو چاہئے کہ ایسی صلاحیت پیدا کرے کہ اس انتخاب میں آجائے۔

(ہ) حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث طبرانی میں ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا کہ

مَا مِنْ رَجُلٍ يُعَلِّمُ وَلَدَهُ الْقُرْاٰنَ اِلَّا تُوِّجَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِتَاجٍ فِي الْجَنَّةِ جس شخص کے فرزند نے قرآن سیکھا اس شخص کو قیامت میں جنت کا تاج پہنایا جائے گا۔

(و) دیلمی نے مسند میں اور خطیب نے بھی روایت کی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ

اِذَا اَحَبَّ اَحَدُكُمْ اَنْ يُّحَدِّثَ رَبَّهٗ فَلْيَقْرَءِ الْقُرْاٰنَ

تم میں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے رب سے باتیں کرے تو اس کو چاہیے کہ قرآن پڑھے۔

(ز) خطیب نے روایت کی کہ اٰلُ الْقُرْاٰنِ اٰلُ اللّٰهِ جو قرآن کے کنبہ میں آگیا وہ اللہ تعالیٰ کے

کنبہ میں آگیا۔ ابوالقاسم سے روایت ہے کہ اَھْلُ الْقُرْاٰنِ اَھْلُ اللّٰہِ۔ ابن ماجہ نے روایت کی کہ حضور نے فرمایا کہ

اِنَّ لِلّٰہِ اَھْلِیْنَ مِنَ النَّاسِ وَقِیْلَ مَنْ ھُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَھْلُ الْقُرْاٰنِ اَھْلُ اللّٰہِ وَخَاصَّتُہٗ

لوگوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کنبے میں شمار ہوتے ہیں پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا کہ وہ قرآن کے کنبے والے ہیں اور خاصان خدا سے ہیں

(ح) اَلْقُرَّاءُ عُرَفَاۗءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (نسائی) قاری کے لئے دو بشارتیں ہیں کہ وہ عارف بھی ہیں اور اہل جنت بھی۔

(ط) حضرت ابن عباس سے روایت ہے

اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ

میری امت کے شرفاء وہ ہیں جو قرآن کے حامل ہیں اور راتوں کو جاگتے ہیں

(ی) اَفْضَلُ عِبَادَۃِ امتی قِرَاءَۃُ الْقُرْاٰنِ نَظْرًا (الحکم عن عبادہ بن صامت) میری امت کی بہترین عبادت قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنا ہے۔

(ک) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اِنَّ ھٰذِہِ الْقُلُوْبَ تَصْدَاُ کَمَا یَصْدَءُ الْحَدِیْدُ اِذَا اَصَابَہُ الْمَاۗءُ قِیْلَ وَمَا جِلَاۗءُھَا قَالَ کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ

(رویٰ البیھقی)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا کہ یہ دل بھی زنگ پکڑتے ہیں جیسے لوہا پانی لگ جانے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے پوچھا کہ یارسول اللہ اس کی جلا کیا ہے؟ فرمایا موت کا بہت یاد کرنا۔ اور قرآن مجید کو پڑھنا۔

(ل) عَنْ حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِھَا وَاِیَّاکُمْ وَلُحُوْنَ اَھْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَھْلِ الْکِتَابَیْنِ وَسَیَجِیْءُ بَعْدِیْ قَوْمٌ یُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِیْعَ الْغِنَاۗءِ وَالنَّوْحِ وَلَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَھُمْ مَفْتُوْنَۃٌ قُلُوْبُھُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِیْنَ یُعْجِبُھُمْ شَاْنُھُمْ (رواہ البیھقی)

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ قرآن مجید کو عرب کے لہجہ اور آوازسے پڑھو۔ اہلِ عشق اور اہل کتاب کے لہجہ سے پرہیز کرو۔ میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو قرآن مجید کو گانے کی طرح گٹکری وے کر یا بین کے طریقہ پر پڑھیں گے۔ مگر قرآن ان کے حلقوں سے نیچے نہ اترے گا۔ انکے دل فتنوں میں گرفتار رہوں گے اور ان کے بھی جو ان کے انداز کو پسند کریں گے۔

(م) ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ:۔

"اے ابوہریرہ! قرآن پڑھ اور پڑھاتا رہ۔ اگر اس شغل میں تیری موت آجائے تو فرشتے تیری قبر کی زیارت اس طرح کریں گے جس طرح لوگ کعبۃ اللہ کی زیارت کرتے ہیں۔"

۲۹ عبداللہ ابن مسعود تلاوت قرآن کو روزے سے افضل سمجھتے تھے۔

سفیان ثوری قرآن مجید پڑھانے کو جہاد سے افضل سمجھتے تھے۔

عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھانے والا ارذل عمر سے محفوظ رہتا ہے۔

عبدالملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ قراء کی عقل سب سے زیادہ باقی رہتی ہے۔

جس سینے میں قرآن نہیں وہ ویران گھر کے مانند ہے ؎

الفاظ نہیں کہنے کے لئے قرآن کی فضیلت کیا کہئے
ناچیز زبانِ فانی سے لافانی کی نسبت کیا کہئے

قرآن کو جو قاری پڑھتے ہیں اللہ سے باتیں کرتے ہیں
اعزازِ تکلم کے صدقے کیا شئے ہے یہ دولت کیا کہئے

جب حاملِ قرآن کے والد کو تاج منور ملتا ہے
جو حاملِ قرآن ہوتا ہے پھر اسکی فضیلت کیا کہئے

اس کو تو وہی پہچان سکے عرفان حقیقت ہے جس کو
کیا دولتِ علمی ملتی ہے قرآن کی بدولت کیا کہئے

استاد علوم دنیا کے جب قابلِ عظمت ہوتے ہیں
قرآن کا جس سے درس ملے ایسوں کی عظمت کیا کہئے

یہ شمع وہ شمع ہے جس سے تجوید کی دنیا روشن ہے
اس پاک مقدس ہستی کو جز آیہ رحمت کیا کہئے

آجاؤ جو در پہ قاری کے ہو جائے دلوں سے ظلمت دور
کس کس کے ذریعہ بٹتا ہے فیضانِ نبوت کیا کہئے

بغیر سمجھے تلاوت مفید ہے یا نہیں

ف ۳۰ قرآن کی زبان عربی ہے اور زبان سے ناواقف جب بھی قرآن پڑھے گا اس کا مفہوم بغیر سمجھے پڑھے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی تلاوت مفید ہے یا نہیں۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کمسن بچوں کو مفہوم سمجھائے بغیر پڑھانا مفید ہوتا ہے یا نہیں علماء کے نزدیک تو قرآنی الفاظ بہرحال کلام اللہ ہیں اور سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کی تلاوت ثواب سے خالی نہیں۔ مگر گزشتہ نصف صدی سے کچھ لوگ ایسے بھی نکلے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ طوطے مینا کی طرح پڑھ لینا محض بیکار ہے۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب بھی ابتداءً یہی مسلک رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خط میں اپنے فرزند مولوی بشیر احمد کو لکھا تھا کہ :-

"میں نے تم کو پہلے قرآن مجید شروع نہیں کرایا کہ تم میں اس کے سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی اور بے سمجھے الفاظ کو دہرانا (میرے نزدیک) بے فائدہ اور لاحاصل ہے۔"

ڈپٹی صاحب کا یہ مسلک ہمارے اس نظام تعلیم کے خلاف بغاوت تھی جو ہندوستان کے مسلمانوں میں کئی سال سے مروج چلا آرہا تھا۔ کہ ہوش سنبھالتے ہی مسلمان بچے کو بسم اللہ پڑھائی جاتی تھی اور پھر قاعدہ اور پھر قرآن مجید ناظرہ سے ختم کرایا جاتا تھا اس میں شک نہیں کہ بچہ اس کو سمجھتا نہ تھا مگر دو سال میں قرآن مجید ختم کر لیتا تھا۔ اس طرح کم عمری میں اس کے مخارج خوبی سے بن جاتے تھے۔ ساتھ ہی بچے کو اردو کا قاعدہ پڑھایا جاتا تھا۔ اور قرآن مجید ختم کرنے تک اردو کی دو ایک کتابیں بھی ختم ہو جاتی تھیں۔ ان تجدد پسند لوگوں نے قرآن خوانی کو بے فائدہ اور لاحاصل سمجھ کر چھوڑ دیا۔ مگر سمجھدار لوگ بہت جلد اپنی غلطی کو تسلیم کرنے اور اس پر نادم ہونے لگے۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب جب بوڑھے ہوئے تو اپنی رائے بدل دی۔ اور بچوں کو قرآن سے تعلیم کی ابتدا کرانے کے حامی ہو گئے۔ چنانچہ تعلیمی کانفرنسوں میں جب آپ نے تقریریں کیں تو ان میں آپ نے فرمایا کہ اگر بچپن میں قرآن نہ پڑھایا جائے تو، بڑے ہو کر اعصاب دہن (اپنے منہ کے رگ و پٹھوں) میں کچھ ایسی خشونت (سختی و کرختگی) آجاتی ہے کہ زبان جن حروف کو ادا کرنے کی ابتداء سے خوگر نہیں ہوتی پھر وہ اس سے بڑی عمر میں ادا نہیں ہوتے۔"

اسی تجربے اور مشاہدے نے ڈپٹی صاحب کو اس خیال کے قائم کرنے پر مجبور کیا کہ :-

"طوطے کی طرح بھی مسلمان بچوں کے لئے قرآن پڑھ لینا ضروری ہے"

مولوی صاحب نے ایک دلچسپ دلیل اس کی یہ بھی پیش کی ہے کہ

"اگر بے سود ہوتو نو مولود (نوزائیدہ بچے) کے کان میں اذاں دینا اس سے زیادہ بے سود و فعل عبث ہوتا"

اسی سلسلہ میں ڈپٹی صاحب نے ایک دلچسپ اور تجربہ کی بات یہ بھی بیان کی ہے کہ:۔
اس طرح بچے کو نماز کے لئے چند سورے بھی یاد ہو جاتے ہیں۔ نیز۔ سب سے زیادہ فائدہ جو بچوں کو طوطے کی طرح بے فہم مطلب پڑھانے سے مشاہدہ کیا جاتا ہے (خواہ اس کو کوئی حسن عقیدت سمجھے) وہ یہ ہے کہ قرآن خواں لڑکے زیادہ مودب اور کم آزار دیکھے جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ قرآن پڑھنے کے لئے مودب بٹھلائے جاتے ہیں اور ادب رفتہ رفتہ داخلِ عادت ہو جاتا ہے۔ ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ذہین بچے مماثلت خطی کے سہارے قرآن کا اردو ترجمہ پڑھنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک کرشمہ دو کار۔ اس طرح دس پانچ سورتیں بھی یاد ہو جاتی ہیں" (حیات النذیر)

(۳) یہ تو تھا استدلال عقلی جس کو ڈپٹی صاحب کے الفاظ میں بیان کیا گیا۔ اب سنئے استدلال نقلی حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔

"اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلَاثِ خِصَالٍ۔ حُبُّ نَبِیِّکُمْ وَحُبُّ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَقِرَاءَۃُ الْقُرْاٰنِ (دار قطنی و ابو نصر عبد الکریم)

یہاں حضور اکرمؐ کا مطالبہ والدین سے یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسی تعلیم دیں جس سے حضور اکرمؐ اور آپ کے اہلِ بیت کی محبت بچے کے دل میں راسخ ہو اور قرآن شریف پڑھنا آجائے۔ اگر کوئی باپ یہ نہ کرے تو وہ حضورؐ کے پاس جواب دہ رہے گا۔

امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ الٰہی جن چیزوں سے تقرب کے طالب تیرا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں افضل کونسی چیز ہے۔

ارشاد باری ہوا کہ اے احمد! سب سے افضل میرے کلام سے تقرب چاہنا ہے۔ میں نے عرض کیا سمجھنے کے ساتھ یا بدون سمجھے۔

فرمایا دونوں طرح سے۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے جو حدیث مروی ہے اس میں مذکور ہے کہ

"قرآن پڑھو کہ تم کو ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔"

اور تمثیلاً حروف مقطعات میں سے الٓمٓ[1] کا ذکر کیا جس کے معنے سوائے خواص کے کوئی نہیں جانتا۔ بس جب تم کو بے سمجھے پڑھنا تیس نیکیوں کا مستحق بنا دیتا ہے تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ فہم کے ساتھ ہو یا بے سمجھے۔ تلاوت پر بہرصورت ثواب ملتا ہے۔ البتہ دونوں صورتوں میں ثواب کے مدارج علیٰحدہ ہیں۔ مولانا اسحٰقؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھے اور اس کے معنے نہ سمجھے تو اس کو کیا فائدہ ہوتا ہے اور اس پر کیا اثر ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص دوا پئے اور یہ نہ جانے کہ کیا پیتا ہے تو وہ دوا اثر کرے گی یا نہیں۔ جب دوا اثر کرتی ہے تو قرآن شریف اپنا اثر کیوں نہ کرے گا۔

استاذنا مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب نظام تعلیم و تربیت پر اس مضمون پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ آخر میں آپ فرماتے ہیں:-

"بہرحال اس ملک میں ہمیں مسلمان رہ کر جینا ہے اور اسلام و ایمان کے ساتھ مرنا ہے، اپنے متعلق جن کا یہ خیال ہے اور اپنے بچوں کے متعلق بھی جن کی یہی آرزو ہے ان کے لئے ناگزیر ہے خواہ کچھ بھی کہا جائے کچھ بھی سنا جائے۔ لیکن قرآن مجید سے تعلیم کی ابتدا کا جو قاعدہ تیرہ سو برس سے نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا ہے اس کو بہرحال باقی رہنا چاہئے ؎

موج خون سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے ؛ آستان یار سے اٹھ جائیں کیا۔؟"

قرآن مجید سے استفادے کے چند شرائط

قرآن مجید سے جو شخص نفع حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کی دعوت کو سمجھے کہ وہ انسان کو سعادت ابدی کی طرف بلاتا ہے۔ وہ انسان کے ظاہر و باطن کی ایسی تعمیر کرنا چاہتا ہے کہ حیات اخروی میں کوئی زحمت پیش نہ آئے۔ وہ انسان کا ایسا تزکیہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ بارگاہ خداوندی میں حضوری کے لائق بن سکے۔

---

[1] افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم سابقہ پرنسپل پریسیڈنسی کالج و وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی نے ہمیں مسجد مدراس میں قرآن مجید کی تلاوت کی اہمیت پر تقریر فرماتے ہوئے اسی استدلال کو پیش کیا تھا۔

امام شاطبیؒ نے قرآن مجید کے اصلاً تین علوم گنوائے ہیں

(۱) ذات حق کی معرفت۔

(۲) حق تعالےٰ کی رضا کی صورتیں۔

(۳) انسان کا انجام۔

دوسرے الفاظ میں قرآن کا مقصد عبد و معبود کے رشتے کو صحیح بنیادوں پر استوار کرنا۔ دنیوی زندگی کو اخروی زندگی کی بنیاد بنانا۔ پس استفادہ کرنے والوں کو اس حیثیت سے آیات قرآنی پر غور کرنا چاہئے۔

(۲) پڑھتے وقت دل اللہ تعالےٰ کی عظمت اور قرآن کی رفعت سے معمور ہو۔ نور یقین رکھتا ہو مولانا اسمٰعیل شہید فرماتے ہیں :۔

"کلام اللہ صفتے است از صفات ازلیہ، ربانیہ کہ آں را بہ عالم امکان، ہیچ گونہ مناسبتے نہ بُودہ۔ حضرت حق جل وعلا محض بہ عنایت خود در کسوت زبان عربی ہماں وصف ازلی کمال ذاتی خود را ازال نمودہ ہماں را واسطہ فیما بینہ، وبین العبادہ گردانیدہ"

کلام اللہ رب العزت کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے جس سے عالم امکان سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ حق تعالےٰ جل وعلا نے محض اپنی عنایت سے عربی زبان کے لباس میں اسی صفت ازلی اور کمال ذاتی کا ظہور فرمایا اور اسی کو اپنے اور بندے کے درمیان واسطہ گردانا (ترجمہ) یہ عقیدہ تو ہر شخص رکھتا ہے مگر اس کا استحضار ضروری ہے۔

(۳) قرآن کو اپنا مونس وہمدم بنالینا ضروری ہے۔ امام شاطبیؒ نے فرمایا

"جو شخص قرآن کے مطالب جاننا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن ہی کو اپنا مونس وہمدم بنائے امید ہے کہ وہ مقصود کو پائے گا"

قاری پر قرآن مجید حسب استعداد کھلتا ہے جتنی استعداد بڑھتی ہے اسی مناسبت سے تدریجی طور پر قرآن مجید کے مضامین سمجھ میں آتے ہیں۔ تفاسیر کا مطالعہ کرتا رہے۔ کوئی بات کبھی سمجھ میں آئے گی اور کوئی بات آئندہ کبھی۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک قرآن مجید کے حصول کے لئے واسطہ ہے آپکے ساتھ اتباع وانقیاد کا جتنا تعلق ہوگا اسی قدر فہم قرآن میں سہولت ہوگی۔ حضور اکرمؐ کا سینہ قرآن مجید کا گنجینہ اور آپ کی سیرت سراپا قرآن تھی۔ اسی لئے سنت بمنزلہ تفسیر وتشریح کے ہے (الموافقات)

اس لئے سنت سے شغف رکھنے والا ہی قرآن مجید کو سمجھ سکتا ہے۔ (الشاطبی)

(۵) استفادے کے لئے طلب صادق کی ضرورت ہے اس کے بغیر یہ راہ نہیں کھلتی۔ جستجو اور کرید ہونی چاہئے۔ نیکیاں اختیار کرنا اور برائیوں سے بچنا بھی راستہ کھولنے میں مدد دیتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ :۔

"اگر کسی کے دل میں تکبر۔ بدعت۔ ہوا پرستی اور دنیا کی محبت موجود ہو۔ یا اگر کوئی شخص گناہ کا عادی ہو۔ یا ایمان کمزور ہو۔ یا تحقیق کا مادہ کم ہو یا غیر مستند لوگوں کی تفسیر قبول کر لیتا ہو تو وہ نہ قرآن سمجھ سکتا ہے اور نہ اسرار اس پر کھل سکتے ہیں۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ اس کی دلیل ہے۔ ایسے لوگوں سے فہم چھین لی جاتی ہے۔

(۶) حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ :۔

(۱) تاثیر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی چیز اثر انداز ہو۔

(۲) کوئی اثر قبول کرنے والا ہو۔

(۳) اثر ہونے کے شرائط ہوں۔

(۴) اثر کو زائل کرنے والی چیزیں نہ ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ (ق ۳) اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ ذِکْرٰی سے موثر کی طرف اشارہ ہے۔ القی السمع سے جو کہا جائے اس کو دل لگا کر سننا مراد ہے۔ کسی بات سے متاثر ہونے کے لئے یہی شرط ہے۔ وھو شھید کا مطلب یہ ہے کہ دل حاضر ہو۔ غفلت اور بےفکری اثر نہیں ہونے دیتی۔ پس جب موثر یعنے قرآن مجید محل قابل یعنے حالتِ بیدار اور اثر پیدا ہونے کی شرط یعنے توجہ کامل موجود ہو اور اثر زائل کرنے والی چیز یعنے غفلت اور بے توجہی حائل نہ ہو تو انشاء اللہ مقصود یعنے قرآن سے نفع حاصل ہو جائے گا۔

(۷) قرآن مجید کے فہم کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب آدمی غیر اہل واسطوں کے بغیر اس کلام کے ذریعہ صاحب کلام سے ہم کلام ہو۔ اس کا طریقہ قرآن شریف کی بہ کثرت تلاوت ہے اور نوافل کی ادائی اور ان بندگانِ خدا کی صحبت جو اس کتاب کے حقیقی لذت آشنا اور حقیقت شناس ہیں اور جن کے رگ و پئے میں یہ کلام بس گیا ہے ؎

عروس قرآن آنگہ نقاب از رخ بیاندازد ٭ کہ دار الملک ایماں را مجرد بیند از غوغا

(عرفی)

(۸) ضرورت اس کی بھی ہے کہ پڑھنے والا اس کتاب سے براہ راست تعارف و انس پیدا کرے اور ایسا محسوس ہو کہ وہ براہِ راست مخاطب ہے ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب ❊ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

(اقبال)

(۹) میرزا مظہر جانجاناں" فرماتے ہیں:-

"قرآن کریم واجب التعظیم و کثیر البرکات است۔ و تلاوت آں موثر در حاجات بنی آدم۔ کہ القران لما قرء له

(۱۰) قرآن مجید کافروں کے لئے وعید ہے یعنے تقرر عذاب کا نوٹس۔ مسلمانوں کے لئے وعدہ ہے۔ یعنے بشارت جنت۔ مقربین کے لئے مقعد صدق ہے اور عاشقوں کے لئے حدیث عشق ؎

زجبریلِ امیں قرآن بہ پیغامے نمی خواہم ❊ ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

(۱۱) مولانا عبید اللہ رحمی خلیفہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے دائرہ شاہ محب اللہ۔ بہادر گنج الہ آباد میں قرآن مجید سے صحیح ربط پیدا کرنے کی تاکید فرماتے ہوئے کہا تھا کہ کلام اللہ میں متکلم کی تجلی ہوتی ہے زیادہ تلاوت کرنے والے کے قلب پر تجلیات ذات وصفات کا ظہور ہوتا ہے۔ مجاہدے سے راستہ طویل ہوتا ہے اور تلاوت سے راستہ چھوٹا ہوتا ہے۔ تلاوت کی خاصیت اصلاح ہے۔ اللہ تعالےٰ کو غیرت آتی ہے کہ قرآن مجید کو چھوڑ کر کسی اور ذریعہ سے اصلاح کی تلاش کی جائے۔ قرآن سے صحیح ربط پیدا کرنا ازبس ضروری ہے۔ مولانا اشرف علی صاحبؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ؎

"در سخن مخفی منم چون بوئے گل در برگ گل ❊ ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

زیب النساء کے اس شعر کو یہ معنے پہنانا بزرگوں کی رفعت نظری کا پتہ دیتی ہے۔

بابِ دُوَّم

فنِ قراءت کے آئمہ

ف ۳۳ جب حضور اکرمؐ اور صحابہ کرام نے قراءت متواترہ۔ مشہورہ مسلسلہ۔ متصلہ کو سیکھنے اور سکھلانے کی اہمیت واضح کر دی تو تابعین اور تبع تابعین میں سے اہلِ علم کی ایک بڑی تعداد نے اپنے آپ کو خاص طور پر خدمت تجوید و قراءت کے لئے وقف کر دیا۔ اور قراءت کو سیکھنے اور حفظ و ضبط کے لئے جتنی توجہ محنت وسعی انسانی امکان میں ہو سکتی ہے، صرف کر دی۔ اور اس فن میں کامل دست گاہ حاصل کر لی۔ ان میں سے بعض نے کئی کئی صحابہ سے اور بعض نے صحابہ سے اور تابعین سے اور بعض نے صرف تابعین سے پڑھا۔ پھر غیر مشروط احاد اور شاذ کو چھوڑ کر اقوی اور موافق رسم وجوہ سے اپنے استاد کے سکھلائے ہوئے طریق پر جُدا جُدا قراءت کی تعلیم دینے لگے عمر بھر ان ہی قراءت کی تعلیم دیتے رہے۔ بے شمار شاگردوں نے ان بے شمار مشہور پڑھانے والوں سے (مقریوں سے) سیکھا۔

مفسرین۔ محدثین۔ فقہا و مجتہدین نے ان ہی کے طریق پر قراءتیں سیکھیں اور ان کے شاگردوں نے ان کی تعلیم کو اس شغف سے عالم اسلامی میں پھیلایا کہ تمام عالم اسلامی میں ان قراءتوں کے مطابق تعلیم پھیل گئی۔ دوسری صدی سے دنیائے اسلام میں وہی قراءتیں پڑھی اور پڑھائی جانے لگیں۔ اسلامی ممالک کے بعید ترین علاقہ کو ہر شہر و قصبہ سے طلباء سفر کر کے ان مقریوں سے قراءت پڑھنے آتے تھے اور سند کے طور پر ان ہی کے نام سے قراءت منسوب کرتے تھے۔ مختلف قراءتیں آج تک ان ہی مختلف ائمہ قراءت کے نام سے معنون چلی آتی ہیں۔ ہر امام کے ذیلی اختلافات کی وضاحت کے لئے دو دو راوی مشہور ہوئے۔

ف ۳۴ وہ قراءتیں جو احاد۔ شاذ و غیر مشہور روایات سے مُبرّا ہیں اور جن کو نماز میں پڑھنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے وہ قراءت عشرہ کہلاتی ہیں۔ ان قراءتوں کے امام اور ان کے راویوں کے نام درج ذیل ہیں:۔

(۱) امام نافع مدنی — قالون، ورش
(۲) ابن کثیر مکی — بزی، قنبل
(۳) ابو عمرو بصری — دوری، سوسی
(۴) ابن عامر شامی — ہشام، ابن ذکوان
(۵) امام اعظم کوفی — حفص بن سلیمان، ابوبکر شعبہ
(۶) حمزہ کوفی — خلف، خلاد
(۷) کسائی کوفی — ابو الحارث لیث، دوری
(۸) ابو جعفر مدنی — ابن وردان، ابن جماز
(۹) یعقوب حضرمی — رویس، روح
(۱۰) خلف کوفی — اسحاق، ادریس

امام نافع مدنی

و۳۵ نام نافع ۔ والد کا نام عبد الرحمٰن دادا کا نام ابو نعیم ۔ آپ جعونہ بن شعوب لیثی کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ اصلاً اصفہانی ۔ کنیت ابورویم یا ابو الحسن یا ابو عبد الرحمٰن ہے ۔ رنگ سیاہ تھا ۔ مدینہ میں ۷۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ عالم اور سنت کے بڑے پابند تھے ۔ صحابہ میں طفیل اور ابن ابی انیس کی زیارت کی ہے ۔ ستر تابعین سے قرآن شریف پڑھا ۔ پھر مسجد نبوی میں درس جاری کیا ۔ ستر برس سے زیادہ یہ خدمت انجام دی ۔ جب پڑھاتے تھے تو منہ سے مشک کی بو آتی تھی ۔ کسی نے پوچھا ۔ کیا آپ خوشبو لگاتے ہیں ۔ فرمایا نہیں ۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم میرے منہ میں قرآن شریف پڑھ رہے ہیں ۔ اوس روز سے یہ خوشبو آتی ہے ۔ سو سال کی عمر پاکر ۱۶۹ھ میں بہ مقام مدینہ منورہ وفات پائی ۔ جنت البقیع میں امام مالکؒ کی قبر کے پاس دفن ہیں ۔

و۳۶ امام نافع کے پہلے راوی سیّدنا قالون ہیں ۔ نام عیسیٰ بن مینا ۔ کنیت ابو موسیٰ قالون لقب ہے ۔ یہ لقب امام نافع نے ان کی قراءت عمدہ ہونے کی وجہ سے دیا تھا ۔ آپ مدنی زرخی زہرین کے مولیٰ ۔ نحو کے معلم تھے ۔ بہرے ہونے کے باوجود قرآن مجید سننے میں رکاوٹ نہ ہوتی تھی ۔ سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۲۲۰ھ میں انتقال ہوا ۔

و۳۷ امام نافع کے دوسرے راوی سیّدنا ورش تھے ۔ نام عثمان ۔ کنیت ابو سعید ۔ والد کا نام سعید ۔ سنہ ۱۱۰ھ میں مصر میں پیدا ہوئے ۔ تحصیل علم کے بعد قراءت قرآن کے شوق میں حضرت امام نافع سے پڑھنے کے لئے مدینہ منورہ آئے ۔ خود فرماتے ہیں کہ :-

"کوئی شخص امام نافع سے پڑھنے یا ادن تک پہونچنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ میں متردد ہوا کہ کام کیسے بنے۔ بعض بزرگوں کو سفارش کے لئے آپ کی خدمت میں لے گیا۔ انہوں نے حضرت نافع سے سفارش کہا کہ یہ شخص محض قراءت کے شوق میں مصر سے آپ کے پاس آیا ہے نہ حاجی ہے نہ تاجر۔ اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ تو امام صاحب نے فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کی اولاد کی تعلیم کے باعث میں کتنا عدیم الفرصت ہوں ان کو پڑھانا میں اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں ان کے آباء کا احسان سر پر ہے مجھے مطلق فرصت نہیں۔ لیکن ان بزرگوں نے مزید اصرار کیا تو آپ نے مجھے مسجد نبوی میں رہنے کی تاکید کی کہ جب فرصت ملے گی پڑھا دوں گا۔ دوسرے روز صبح کی نماز سے قبل جب آپ مسجد نبوی تشریف لائے تو پوچھا وہ مصری کہاں ہے؟ میں حاضر خدمت ہوا تو مجھے کچھ اصول بتائے اور پڑھنے کا حکم دیا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ آپ غلطیاں بتلاتے اور سمجھاتے گئے جب میں ۳۰ آیتیں پڑھ چکا تو آپ نے مجھے خاموش ہو جانیکا اشارہ کیا حلقہ طلباء میں سے ایک نوجوان کھڑے ہوکر کہا اے معلم خیر! میں آپکے ساتھ رہتا ہوں یہ ہجرت کرکے آپکے پاس آیا ہے میں اپنے وقت میں سے بقدر دس آیات اسکو ہبہ کرتا ہوں پھر ایک اور شخص نے دس آیتوں کا وقت ہبہ کیا جس پر امام صاحب نے مجھے تیس آیتیں پڑھنے کی اجازت دی اس طرح پورا قرآن مجید کئی مرتبہ آپکے پڑھا

حضرت ورش بڑے خوش آواز تھے آپ قرآن مجید بڑی تحقیق سے پڑھتے تھے۔ سنہ ۱۵۵ھ میں مصر واپس گئے۔ جہاں سینتالیس برس قراءت کی خدمت انجام دے کر سنہ ۱۹۷ھ میں انتقال کیا۔

۳۸ امام نافع مدنی اور ان کے شاگردوں کے مذکورہ بالا واقعات سے بہت سے حقایق کھل جاتے ہیں اول تو یہ کہ قرآن مجید کی صحت کے ساتھ تلاوت سیکھنے کے لئے دوسری صدی ہجری میں ایک کثیر جماعت کس قدر شغف سے جد وجہد کرتی تھی۔ امام نافع کا یہ فرمانا کہ مجھے مہاجرین و انصار کی اولاد کو پڑھانے سے فرصت نہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ عربی النسل جن کی مادری زبان عربی تھی اور جن کے گھروں میں قرآن مجید کا بہ کثرت چرچا تھا وہ بھی مستند استاد سے قرآن شریف پڑھنا سیکھنا ویسا ہی ضروری سمجھتے تھے جیسا کہ ایک غیر عرب ضروری سمجھتا۔ اور اسی طرح پڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جیسا کہ حضور اکرم نے پڑھایا تھا یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ امام نافع تفسیر و علوم قرآنی نہیں سکھلاتے تھے بلکہ صرف صحیح پڑھنا۔ اس تعلیم کے لئے طالب علم اس قدر ہجوم کئے رہتے تھے کہ دن بھر حضرت کو فرصت نہ ملتی تھی۔ ان واقعات کی روشنی میں کیا یہ کہنا جائز ہوگا کہ قرآن مجید میں اعراب تو لگے ہوئے ہیں دیکھ کر ہم بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مہاجر و انصار نے جو اسلام کی مدد کی تھی

تھی اس کا احسان قابل احترام اور ان کی اولاد کے ساتھ اس کا بدلہ کر دینا ضروری سمجھا جاتا تھا۔
تیس آیتوں سے زائد نہ پڑھانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ بڑی احتیاط اور تحقیق سے تعلیم دی جاتی تھی۔ امام نافع کا ستر تابعین سے پڑھنا اور حضرت ورش کا کئی بار ختم کرنا۔ ان کے تحقیق کے شوق کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ طالب علموں میں بھی ایثار کا کتنا مادہ تھا کہ اپنے وقت میں سے وقت دینے آمادہ ہوگئے۔ یہ خیال نہ کیا کہ ایک غیر ملکی آفاقی آیا ہے۔ ہمارے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتا ہے۔ غیر عرب ہے۔ کیا جانتا ہے اور کیا سیکھے گا۔ یہ ہے وہ علمی فضا اور ماحول کا وہ عجیب نظارہ جو بارہ سو برس پہلے کی ایک درس گاہ میں نظر آتا ہے۔ کیا کوئی یونیورسٹی آج بھی اپنے طالبعلموں میں۔ اس ذوق۔ اس کردار۔ اس ایثار کے نمونے پیش کر سکتی ہے؟ ایک فرد واحد مسجد میں بیٹھکر صبح سے شام تک درس دیتا ہے۔ ہزاروں طالب علم مستفید ہو کر نکلتے ہیں اور دنیا میں پھیل جاتے ہیں۔ تعلیم پر ایک پیسہ خرچ نہیں ہوتا۔ اور کام ایک یونیورسٹی کے پیمانے پر ہوتا ہے۔ ستر سال اس طرح درس دینا کس قدر محنت و صبر چاہتا ہے۔ یہ ہے نمونہ اس ذوق و شوق کا جو قرآن کی تعلیم نے ان بزرگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا تھا ۔

مت سہل انہیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں ؎ تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ابنِ کثیر مکّی ۳۹ قراءت کے دوسرے امام ہیں سیدنا ابو معبد عبد اللہ بن کثیر بن عمرو بن عبداللہ بن زادان بن فیروزان بن ہرمز داری مکی۔ جو عمرو بن علقمہ کنانی کے مولیٰ تھے فارسی الاصل تھے۔ ۴۵ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابو السائب اور مجاہد بن جبیر اور درباس مولی حضرت ابن عباس سے قرآن پڑھا۔ ابو السائب حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب کے شاگرد تھے۔ مجاہد اور درباس ابن عباس کے۔ مکہ میں ابن کثیر افصح الناس مانے جاتے تھے۔ امام ابو عمرو بصری امام سفیان بن عیینہ۔ امام النحو خلیل بن احمد جیسے ائمہ آپ کے شاگرد تھے۔ عطر و خوشبویات کی تجارت کرتے تھے۔ اس لئے داری کہلاتے تھے۔ صحابہ میں ابو ایوب انصاری۔ انس بن زبیر سے ملے ہیں۔ ۱۲۰ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۴۰ ابن کثیر مکی کے پہلے راوی سیدنا بزی ہیں۔ آپ کا نام احمد بن محمد بن عبد اللہ بن قاسم بن البزہ ہے۔ کنیت ابو الحسن ہے۔ ۱۷۰ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ بنی مخزوم کے مولیٰ تھے۔ چالیس سال مسجد حرام کے موذن و امام رہے۔ اپنے زمانے میں حجاز میں قراءت کے سب سے بڑے شیخ تھے۔ ۲۵۰ھ میں بہ مقام مکہ ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ بزی اور ابن کثیر کے درمیان دو واسطے ہیں۔

بزّی نے پڑھا عکرمہ سے۔ اور عکرمہ نے پڑھا اسمٰعیل بن عبداللہ قسط و شبل بن عباد سے۔ اور آخر الذکر دونوں حضرات نے پڑھا۔ ابن کثیر مکی سے۔

ف ۱۴ آپ کے دوسرے راوی قنبل ہیں۔ جن کا نام محمد عبدالرحمٰن بن محمد بن خالد بن سعید بن جرجہ ہے۔ قبیلہ کے لحاظ سے مخزومی۔ کنیت ابو عمرو۔ لقب قنبل۔ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ القراء ابوالحسن قواس۔ اور شیخ القراء ابوالحزبط سے قراءت سیکھیں۔ ان دونوں نے اسمٰعیل اور شبل سے اور ان دونوں نے ابن کثیر سے پڑھا۔ اس طرح ابن کثیر اور قنبل کے درمیان بھی دو واسطے ہیں۔ اپنے وقت میں قراءت کے امام اور رئیس القراء تھے۔ آپ نے مکہ میں ۲۸۰ھ میں اور بقول بعض ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ عمر ۹۶ سال تھی۔

ف ۱۵ **ابو عمرو بصری** قراءت کے تیسرے امام سیدنا ابو عمرو بصری ہیں۔ آپ کا نام زبّان یا بقول دیگر عربان یا بقول ثالث یحییٰ ہے۔ والد کا نام اعلاء بن عمار بن عبداللہ بن الحصین بن الحارث۔ خالص عرب ہیں۔ ۶۸ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ بصرہ میں پرورش پائی۔ ستره شیوخ سے قرآن شریف پڑھا۔ جن میں امام ابوجعفر۔ ابوروح۔ امام شیبہ۔ امام مجاہد۔ امام ابن کثیر۔ حسن بصری وغیرہ ہیں۔ ان میں سے اکثر نے ابوہریرہؓ اور ابن عباس سے پڑھا ہے۔ آپ بھی تابعی ہیں۔ انس بن مالک کو دیکھا تھا۔ قراءت۔ لغت۔ انساب۔ تاریخ و شعر میں اعلم الناس تھے۔ ابن مجاہد کہتے ہیں کہ امام ہونے کے باوجود نقل کے پیرو تھے۔ آپ کی قراءت دل آویز اور تکلف سے بالاتر تھی۔ بصرے میں بہت سے علماء آپ کے معاصر تھے۔ مگر کوئی آپ کے مرتبے اور مقبولیت تک نہیں پہونچا۔ جب آپ مدینہ پہونچے تو آپ سے پڑھنے کے لئے لوگ ٹوٹ پڑے۔ آپ کے شیخ خواجہ حسن بصری نے آپ کے گرد طلباء کا اژدھام دیکھ کر تعجب سے فرمایا۔ **لا الٰہ الا اللہ** کیا علماء ربّتین بن گئے بلاشبہ عزت کی بنیاد علم پر ہونی چاہئے ورنہ انجام ذلت ہے۔"

(ب) ۱۵۴ھ میں شام کی طرف جاتے ہوئے کوفہ میں ۸۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ف ۱۶ سیدنا ابو عمرو بصری کے پہلے راوی ابو عمرو حفص بن عمر بن عبدالعزیز بن صہبان ازدی دوری (ضریر) ہیں دور ایک موضع کا نام ہے۔ جو بغداد کے علاقہ میں ہے۔ دور میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اسمٰعیل بن جعفر انصاری۔ امام کسائی۔ علامہ یزیدی۔ مسلم بن عیسیٰ سے قراءتیں پڑھیں علامہ الجزری فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے آپ نے قراءتیں جمع کیں۔ ۲۴۶ھ میں سامرہ میں ۹۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(ب) آپ کے دوسرے راوی سوسی ہیں۔ نام ابوشعیب صالح بن زیاد بن عبداللہ بن جارود سوسی رقی ہیں۔ ابوعمر بصری کے جملہ تلامذہ میں جلالت رکھتے تھے۔ رقہ میں جو برلب دریائے فرات ارض ربیعہ کا ایک شہر ہے، رہتے تھے وہیں ۲۶۱ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(ج) یہ دونوں شاگرد بواسطہ امام ابومحمد یحییٰ بن مبارک بن مغیرہ مقری نحوی بغدادی المعروف بہ یزیدی۔ امام ابوعمرو کی قراءت روایت کرتے ہیں۔ سیدنا یزیدی بڑی شان سے بغداد میں رہتے تھے۔ پہلے یزید بن منصور عباسی کے اتالیق تھے۔ جس سے یزیدی عرف پڑ گیا۔ پھر ہارون الرشید نے مامون کی اتالیقی پر مقرر کیا۔ قراءت۔ نحو۔ لغت کے ماہر۔ اور صاحب تصنیف عالم تھے۔

ابنِ عامر شامی

ف۴۴ قراءت کے چوتھے امام سیدنا عمران عبداللہ بن عامر بن یزید بن تمیم بن ربیعہ یحصبی ہیں۔ یحصب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہے۔ پیدائش ۲۱ھ بمقام دمشق ہوئی۔ آپ تابعی ہیں۔ ابوالدرداء عویمر ابن عامر خزاجی انصاری کو دیکھا اور ان سے قراءت سیکھیں۔ علاوہ ازیں شیخ القراء ہاشم "مغیرہ بن شہاب عبداللہ" ابن عمر بن مغیرہ مخزومی تلمیذ حضرت عثمان۔ حضرت ابو فضالہ بن عبید اوسی انصاری اور حضرت واثلہ بن الاسقع لیثی۔ تلمیذان حضرت عبد الدرداء سے بھی قراءت سیکھیں۔ حضرت بلال بن ابی درداء کی وفات پر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے۔ پھر امام بنائے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت میں آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے دمشق دارالخلافہ صحابہ اور تابعین سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے باوجود آپ دمشق جیسے مرکزی مقام میں قضاء۔ امامت و مشیخت قرآن کے تین مناصب جلیلہ کے حامل تھے۔ آپ کی حیات میں آپ کی اختیار کردہ قراءت پر اجماع ہو گیا تھا۔ گو امام مجاہد نے آپ کو آئمہ سبعہ میں چوتھا رکھا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قراء سبعہ میں آپ کبار تابعین میں سے تھے اور بہ لحاظ زمانہ اور بہ لحاظ شیوخ آپ سب سے مقدم ہیں۔ نیز قراء سبعہ میں امام ابوعمرو بصری اور امام ابن عامر خالص عرب اور آزاد تھے باقی قراء یا تو خود یا ان کے بزرگ عجمی اور موالی میں سے تھے۔ حضرت ابن عامر کا انتقال دمشق میں ۱۰ محرم ۱۱۸ھ کو ۹۷ سال کی عمر میں ہوا۔

ف۴۵ آپ کے شاگردوں میں ابوعمر یحییٰ بن حارث ذماری غسانی دمشقی متوفی ۱۴۵ھ ہیں جن کے چار شاگرد تھے۔

(۱) ابوالعباس صدقہ بن خالد اموی مولا متوفی ۱۸۰ھ۔

(۲) ابومحمد سوید بن عبدالعزیز بن نمیر واسطی سلمی مولا متوفی ۱۹۴ھ۔

(۳) امام ابو ضحاک عراک بن خالد بن یزید مزی ۔

(۴) امام ابو سلیمان ایوب بن تمیم متوفی بعد از ۱۹۰ھ ۔

یہ چاروں شیخ القراء دمشق کے رہنے والے تھے ۔ ان چاروں سے شیخ الاسلام ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ بن ابان سلمی خطیب جامع دمشق نے قراءت حاصل کی ۔ آپ حفاظ حدیث میں سے ہیں ۔ بخاری ۔ ابوداؤد ۔ ترمذی ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ اور دیگر کثیر التعداد محدثین آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں ۔ آپ کی پیدائش ۱۵۳ھ میں ہوئی ۔ اور آخر محرم ۲۴۵ھ میں ۹۲ سال کی عمر میں دمشق میں انتقال کیا ۔ جیسے اوپر بیان کیا گیا ۔ آپ دو واسطوں سے ابن عامر شامی کے راوی ہیں

۲۶ ابن عامر شامی کے دوسرے راوی ابن ذکوان ہیں ۔ جن کا نام عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان القرشی ہے ۔ کنیت ابو عمرو ۔ امام جامع دمشق تھے ۔ پیدائش ۔ ار محرم ۱۷۳ھ ۔ آپ نے امام ابوسلیمان ایوب ابن تمیم سے قراءت سیکھی ۔ ولید بن عتبہ کہتے ہیں کہ تمام عراق میں آپ سے بہتر قرآن پڑھنے والا نہ تھا ۔ جمعہ کے سوا دیگر اوقات میں جامع اموی دمشق میں امامت فرماتے تھے ۔ ابوداؤد ۔ ابن ماجہ ۔ اور دیگر محدثین کی ایک کثیر جماعت آپ سے حدیث روایت کرتی ہے ۔ شوال ۲۴۲ھ میں ۶۹ سال کی عمر میں دمشق میں رحلت ہوئی آپ بھی دو واسطوں سے ابن عامر شامی کے راوی ہیں ۔

امام عاصم کوفی

۲۷ قراءت کے پانچویں امام سیدنا عاصم کوفی ہیں ۔ پورا نام ابوبکر عاصم ابن ابی النجود (وابن بہدلہ) اسدی ۔ والد کا نام عبداللہ تھا ۔ ماں کا نام بہدلہ آپ نصر بن قعین کے مولیٰ ہیں اور تابعی کوفہ میں ۱۲۷ھ میں وفات پائی ۔ آپ نے شیخ القراء ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی نابینا و شیخ القراء ابومریم زر بن حُبیش و سعد بن الیاس شیبانی سے قراءت سیکھی ۔ ان تینوں بزرگوں نے حضرت عثمان رض ۔ حضرت علی رض ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رض ابی بن کعب رض و زید بن ثابت سے قراءت حاصل کی ۔ حضرت عاصم حضرت حارث بن حسان و دیگر صحابہ سے ملے ہیں ۔ امام احمد حنبل فرماتے ہیں کہ :۔

"عاصم صاحب قراءت اور حماد صاحب فقہ تھے ۔ میں عاصم کو زیادہ پسند کرتا ہوں"

عجلی کہتے ہیں کہ :۔

"عاصم صاحب سنت و قراءت ۔ ثقہ اور رئیس القراء تھے"

ابواسحاق سبیعی بار بار کہتے تھے کہ :۔

"میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا۔ عاصم سے زیادہ قرآن کا عالم کوئی نہیں۔"

آپ فصاحت و بلاغت۔ ضبط و اتقان تجوید و تحریر کے جامع تھے۔ طریقہ ادا و لہجہ نہایت دلکش تھا۔ خوش الحانی میں آپ کی نظیر نہ تھی۔ عابد و کثیر الصلوٰۃ تھے۔ پچاس سال سے زیادہ مدت کوفہ پر قائم رہے۔ وفات کے وقت ثم ردوالی اللہ مولٰھم الحق بار بار پڑھتے تھے۔

۴۸ آپ کے پہلے راوی ابوبکر شعبہ بن عیاش بن سالم اسدی ہیں۔ ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث میں سے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ:۔

"آپ ثقہ۔ صدوق۔ صالح۔ صاحب قرآن و صاحب سنت تھے۔"

خود فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے کبھی کوئی منکر کام نہیں کیا۔ تیس سال سے روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرتا ہوں۔"

ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر (شعبہ) سے زیادہ متبع سنت نہیں دیکھا۔"

احمسی کہتے ہیں کہ:۔

"میں نے ابوبکر (شعبہ) سے بہتر نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔"

ستر سال عبادت میں مصروف رہے۔ چالیس سال آپ کے لئے بستر نہیں بچھایا گیا اور اس عرصے میں آپ نے شب کے وقت زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔ ۲۴ ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا۔ اپنے استاد امام عاصم کے روبرو تین مرتبہ قرآن مجید پڑھا۔ پہلی بار پانچ پانچ آیات پڑھ کر تین سال میں ختم کیا۔ وفات کے وقت ان کی ہمشیر رونے لگیں تو فرمایا:۔

"کیوں روتی ہو (مکان کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کر کے بتلایا) اس گوشے کی طرف دیکھو میں نے اس میں اٹھارہ ہزار قرآن مجید ختم کئے ہیں اور اپنے لڑکے سے یہ بھی فرمایا کہ بیٹا اس گوشے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا۔"

جمادی الاول ۱۹۳ھ میں ۹۸ یا ۹۹ برس کی عمر میں وفات پائی۔ امام کسائی جیسے آئمہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۴۹ امام عاصم کے دوسرے راوی حفص ہیں۔ نام حفص بن سلیمان بن مغیرہ اسدی ہے کنیت ابوعمرو ہے۔ ۹۰ھ میں کوفے میں پیدا ہوئے۔ یہ امام عاصم کے لے پالک بیٹے بھی تھے۔ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ تھے۔"

امام بن معین کہتے ہیں کہ:۔

"آپ قراءت میں ابوبکر (شعبہ) سے زیادہ ماہر اور ضابط تھے"

علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ:۔

"قراءت میں ثقہ ضابط اور حجت تھے۔ امام عاصم سے متعدد بار پڑھا۔ حضرت ابوحنیفہ کے ساتھ پارچے کی تجارت میں شریک تھے۔ متعدد شیوخ سے اکتساب کیا۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"ضُعف کے ضمہ کے سوا میں نے کسی حرف میں امام عاصم کی مخالفت نہیں کی"

(ب) اس وقت دس قراءات متواترہ صحیحہ امت کے پاس موجود ہیں۔ ان میں سے اہل مکہ و مدینہ کی قراءات خاص قریشی ہونے کی وجہ سے زیادہ امتیاز رکھتی ہے۔ لیکن یہ مقبولیت خداداد ہے کہ صدیوں سے جملہ مکاتب و مدارس عالم اسلامی میں حفص ہی کی روایت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ اور اس کو سہل الروایت مانا گیا ہے۔ ۱۸۰ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

امام حمزہ کوفی

ف۵ قراءات کے چھٹے امام سیدنا حمزہ کوفی ہیں۔ ابوعمارہ حمزہ بن حبیب بن عمارہ بن اسمعیل الزیات کوفی ہیں۔ روغن زیتون کے تاجر۔ فرضی یعنے علم فرائض میں ماہر تھے۔ قبیلہ کے لحاظ سے تیمی ہیں۔ اس نسبت سے آپ یا آپ کے بزرگوں میں سے کوئی قبیلہ تیم کے مولیٰ تھے۔ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ تبع تابعی ہیں۔ چھ جید اساتذہ سے قرآن پڑھا۔ ان میں امام ابومحمد سلیمان بن مہران الاعمش۔ امام ابومحمد طلحہ بن مصرف۔ امام ابواسحاق عمرو بن عبداللہ۔ شیخ القراء ابوحمزہ حمران۔ قاضی ابوعبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری اور امام جعفر صادق ہیں۔ یہ سب اساتذہ بالواسطہ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زیدؓ کے شاگرد ہیں۔ حضرت حمزہ سیابلائے فارس کی اولاد میں سے تھے۔ حد درجے زاہد و متامل۔ متقی و پرہیزگار تھے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ:۔

"حمزہ کے باعث کوفہ کی بلا دور ہوتی ہے"

امام اعمش آپ کے شیخ جب آپ کو دیکھتے تو فرماتے کہ:۔

"یہ حبر قرآن ہے"

امام حمزہ اپنے شاگردوں سے کسی قسم کی خدمت لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ پانی پینا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ:۔

"حمزہ قراءات و فرائض میں بلاشبہ ہم سب پر فوقیت رکھتے ہیں"

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ نے ایک حرف بلا سند نہیں پڑھا"

امام عاصم کے بعد کوفے میں آپ ہی رئیس القراء تھے۔ ہر مہینے میں ۲۷ یا ۲۸ ختم ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے طریق ادا میں مبالغہ ناپسند تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ جس طرح راستی کے بعد کجی اور سفیدی کے بعد برص ہے اسی طرح قراءت فصیحہ کے بعد قراءت نہیں لحن ہے۔ سفیان ثوری اور امام شریک بن عبداللہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں آپ کوفہ سے حلوان کو روغن زیتون لے جاتے تھے اور وہاں سے پنیر اور اخروٹ کوفہ لاتے تھے یہی وجہ معاش تھی۔ ۱۵۶ھ میں ۷۶ سال کی عمر میں حلوان میں وفات پائی۔

۵۱ امام حمزہ کے تلامذہ میں سیدنا ابو عیسیٰ سُلیم بن عیسیٰ خاص جلالت رکھتے تھے۔ یہ کوفہ میں ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ زہد و تقوےٰ میں شیخ کے پیرو تھے۔ امام حمزہ سے دس مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ بقول علامہ سلیمان دانی و علامۃ الجزری ۱۸۸ھ میں و بقول ملا علی ۲۰۰ھ میں کوفہ میں وفات پائی آپکے واسطے سے دو راوی مشہور ہوئے۔

۵۲ پہلے راوی سیدنا ابو محمد خلف بن ہشام بغدادی بزاز ہیں۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید کا حفظ پورا کر لیا۔ تیرھویں سال سماعت حدیث شروع کی۔ ثقہ۔ عابد۔ زاہد جلیل الشان امام تھے فرماتے ہیں کہ:۔

"مجھے عربیت میں ایک مشکل پیش آئی اس کے حل کے لئے میں نے اسی ہزار درہم خرچ کئے اور اس کو حل کر کے چھوڑا"

آپ حضرت سُلیم کے ممتاز شاگرد تھے۔ متعدد اساتذہ سے پڑھا ہے۔ مسلم، ابو داؤد وغیرہ علمائے حدیث آپ سے روایت کرتے ہیں۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ جمادی الثانی ۲۲۹ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

۵۳ دوسرے راوی خلاد کوفی ہیں۔ کنیت ابو عیسیٰ۔ والد کے نام میں اختلاف ہے خالد (۲) خلید (۳) عیسیٰ صیرفی ان تینوں میں سے کوئی ہے۔ امام وقت ثقہ۔ محقق۔ مجود۔ صاحب ضبط و اتقان تھے علامہ عثمان دانی فرماتے ہیں کہ:۔

"سُلیم کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ضابط و جلیل تھے"

ترمذی اور ابن خزیمہ کی صحیح میں آپ سے احادیث مروی ہیں۔

۲۲۰ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

امام کسائی کوفی

ف ۵۳ قراءت کے ساتویں امام سیدنا ابوالحسن علی بن حمزہ بن عبداللہ بن قیس (دبہن) ابن فیروزاسدی نحوی کوفی کسائی ہیں۔ تقریباً ۱۱۹ھ میں کوفے میں پیدا ہوئے۔ اصلاً ایرانی ہیں۔ امام حمزہ کے روبرو چار مرتبہ قرآن پڑھا۔ نیز قاضی محمد ابی بن لیلیٰ۔ امام ابوبکر امام اسمٰعیل بن جعفر انصاری وغیرہ سے قراءت سیکھی۔ امام کسائی نے پہلے خلیل بن احمد نحوی سے نحو سیکھی۔ پھر قبائل عرب میں رہ کر لغت عربی کا اتنا ذخیرہ جمع کیا کہ سیاہی کے پندرہ شیشے صرف ہوئے۔ واپسی پر بغداد میں قیام کیا۔ پہلے ہارون الرشید کو پڑھایا۔ پھر ان کے بیٹے امین کو۔ بڑے بڑے آئمہ آپ کے شاگرد ہیں۔

ابن الانباری کہتے ہیں کہ قراءت عربی ادب اور لغت میں اعلم الناس تھے۔ طلباء جو قراءت سیکھنے آتے تھے ان کی کثرت کی وجہ آپ منبر پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں:- معانی القرآن۔ کتاب النحو۔ کتاب نوادر کبیر وغیرہ ہیں۔ سیبویہ سے مناظرے ہوتے تھے۔ یزیدی سے ہم نشینی رہتی تھی۔ ۱۸۹ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ رے جاتے ہوئے موضع رنبویہ میں ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ وہیں امام محمد نے انتقال کیا۔ جس پر خلیفہ نے کہا کہ:-

"ہم نے قراءت اور فقہ کو یہاں دفن کیا ہے۔"

ف ۵۴ آپ کے پہلے راوی ابوالحارث لیث بن خالد نحوی مروزی بغدادی ہیں۔ آپ ثقہ، ضابط۔ محقق اور قراءت کے ماہر تھے۔ امام کسائی کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

ف ۵۵ دوسرے راوی دوری ہیں جن کا حال ابوعمرو بصری کے پہلے شاگرد کی حیثیت سے اوپر بیان ہو چکا ہے فقرہ ۴۲ میں دیکھ لیا جائے۔

امام ابوجعفر مدنی

ف ۵۶ قراءت کے آٹھویں امام ابوجعفر یزید بن قعقاع مدنی تھے عباس بن ابن ربیعہ مخزومی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ جلیل القدر تابعی تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ ہی کی قراءت رائج تھی۔ آپ نے قراءت سیکھی اپنے مولیٰ ابن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی سے۔ نیز عبداللہ بن عباس ہاشمی سے وابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر الاوسی سے۔ ان تینوں بزرگوں نے سنایا ابی بن کعب کو نیز ابوہریرہ اور ابن عباس نے سنایا زید بن ثابت کو۔

حضرت امام نافع سے روایت ہے کہ جب آپ کی میت کو غسل کے لئے نکالا گیا تو منہ اور گردن کے درمیان قرآن مجید کا ایک ورق دکھائی دے رہا تھا۔ حاضرین میں سے سب نے یہی کہا کہ یہ نورِ قرآن ہے۔ انتقال کے بعد خواب میں نظر آئے کہ بے حد حسین ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میرے

رفیقوں کو جو میری قراءت سے قرآن مجید پڑھتے ہیں خوش خبری سنا دو کہ میں نے ان کے لئے سفارش کی تھی وہ بخش دیئے جائیں چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان سب کو بخش دیا اور میری دعا قبول فرمائی۔

حضرت ابو جعفر کا انتقال ۱۳۰ھ میں ہوا۔ ان کے دو راوی تھے۔ پہلے راوی عیسیٰ ابن وردان جن کا انتقال ۱۶۰ھ میں ہوا۔ دوسرے راوی ابن جمازہ ہیں جن کا انتقال ۱۷۰ھ میں ہوا۔

یعقوب حضرمی

ف ۵۷ قراءت کے نویں امام سیدنا یعقوب حضرمی ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بڑے امام۔ عالم اور صالح مانے جاتے تھے۔ بصرہ کی جامع مسجد کے امام تھے آپ کی ولادت ۱۱۷ھ اور وفات ۲۰۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے دو راوی ہیں۔ پہلے راوی رویس جن کا انتقال بصرہ میں ۲۳۸ھ میں ہوا۔ دوسرے راوی رَوح ہیں جن کا انتقال ۲۳۵ھ میں ہوا۔

خلف عشرہ

ف ۵۸ قراءت کے دسویں امام سیدنا خلف تھے۔ جن کے حالات اوپر حضرت حمزہ کے پہلے راوی کے تحت فقرہ ۵۲ میں درج ہیں۔

ف ۵۹۔ اماموں اور راویوں کے جو حالات اوپر بیان ہوئے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے (۷۵) سال سے لے کر (۱۰۰) سال تک عمر پائی۔ اور ہر ایک نے قرآن مجید کی خدمت میں پچاس ساٹھ سال سے لے کر ستر سال تک صرف کئے۔ روزانہ بے شمار طلباء درس میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت نافع تہجد سے لے کر عشاء تک برابر پڑھاتے تھے۔ ہر شخص کے لئے تیس آیتوں کا وقت مقرر تھا۔ بڑی مشکل سے سیدنا ورش کو تہجد کے بعد وقت ملتا تھا۔ امام ابو عمرو بصری کے گرد طلباء کا اژدھام دیکھ کر حضرت حسن بصری نے خوشی کا اظہار کیا کہ قرآن مجید کے صحت لفظی کے لئے کس قدر ذوقِ صحیح کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ اور تعجب سے فرمایا کہ علماء بھی ارباب ہوگئے۔ حضرت عاصم سے پڑھنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ امام کسائی کے گرد کثرتِ طلباء کی یہ حالت تھی کہ پڑھانا مشکل ہوگیا تو حضرت نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ منبر پر خود بیٹھ کر پڑھتے تھے اور طالبانِ علم آپ سے سُن کر قراءت حاصل کرتے تھے۔ دوسرے اماموں کا بھی یہی حال تھا۔ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کتنی مخلوق نے ان بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ جب ان کے شاگرد اسلامی دنیا میں پھیلے تو گوشے گوشے میں قراءت پھیلا دی۔ ان سب کا خلوص و محنت۔ ان کی تن دہی اور مستقل مزاجی۔ اور کلام اللہ کو دوسروں تک پہونچانے کا ذوق و شوق دیکھ کر نیز جو طویل عمریں ان کو ملیں ان کے پیش نظر یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ ان بزرگوں نے تو دنیا کو قراءت سے بھر دیا ہوگا۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ان کے گرد جس طرح پروانہ وار طالب علموں کا اژدھام ہوتا تھا

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ قرآن کی صحیح قرات سے واقف تھے۔
اب اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اماموں اور ان کے راویوں کے بعد کیا کام ہوا۔ اور قرات
کے تسلسل و تواتر کا کیا انتظام رہا۔

باب سوم

تسلسل و تواتر ف ۶۰ قرون اولیٰ میں قرآن کی حفاظت کا مدار اعتماد و حفظ پر تھا۔ کتابی شکل حافظہ کی مدد کے لئے تھی۔ صحابہ کرام و تابعین عظام قوی الحافظہ تھے۔ آنحضرت سے جس طرح حاصل کیا تھا اسی طرح حافظہ سے پڑھاتے تھے۔ پڑھنے پڑھانے اور تلاوت کی کثرت سے بھولنے کی صورت پیدا نہ ہوتی تھی۔ مصحفِ عثمانی کی نقلیں سب جگہ پہونچ گئی تھیں۔ مگر اس پر حاشیہ یا بین السطور کچھ لکھنا مکروہ سمجھا جاتا تھا۔ دوسری صدی کے آخر تک وجوہ قراءات لکھنے کا دستور نہیں تھا مگر جب غیر ضابط اور کمزور حافظے والے طلباء تے داخل ہو کر غلطیاں کرنی شروع کیں تو آئمہ فن نے وجوہ قراءت کی تدوین ضروری سمجھی۔ اور تصانیف کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مگر ان تصانیف کا منشاء بھی سماعی علم کو مدد پہونچانا تھا! لیکن ان کتابوں کے باوجود مستند استاد سے جس نے اسناد متواترہ۔ مسلسلہ۔ مشہورہ۔ متصلہ سے قراءت حاصل کی ہو۔ قراءت قرآن سیکھنے کی ضرورت بہرحال باقی رہتی ہے کہ قرآن آنکھوں سے نہیں بلکہ کانوں سے سیکھا جاتا ہے۔

اختلافاتِ قراءت سبعہ و عشرہ ف ۶۱ تصانیف کا سلسلہ بتانے سے پہلے قراءت سبعہ و عشرہ کے اختلافات کو واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس اختلاف کی نوعیت تضاد و تناقص کی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق لہجہ اور طرز ادا۔ بلاغت و حسنِ بیان کے اون اختلافات سے ہے جو نزول قرآن کے زمانے میں مستند مانے جاتے تھے۔ مثلاً مدود کی لمبائیوں میں فرق۔ مدِ منفصل کو ایک الف کی لمبائی دینا۔ یا دو کی یا تین کی۔ چنانچہ مدِ منفصل ان تینوں طریقوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اس طرح بعض حروف کی ادائی اس لئے مشکل ہوجاتی ہے کہ دوسرے قریب المخرج حروف بعد میں واقع ہوجاتے ہیں اس کو رفع کرنے کے لئے ادغام جیسے قَدْ جَآءَکُمْ کی دال کا جیم میں ادغام۔ یا افعال ناقصہ واوی یا یائی جیسے فسوّیٰ۔ رمیٰ۔ انیٰ۔ اشتریٰ میں واؤ یا الف سے بدل دیتے ہیں۔ ادائی میں

فصحاعام طور سے الف کی آواز نکالتے ہیں لیکن بعض فصحا کے نزدیک فصاحت یہ ہے کہ ان کا ناقص ہونا تلفظ سے واضح ہوجائے تو وہ ان کی ادائی کے لئے یا کی آواز کی طرف جھکاتے ہیں۔ اس کو امالہ کہتے ہیں۔ امالہ بھی یا صغریٰ ہوگا یا کبریٰ۔ غرض ادائی کی تین صورتیں بنیں — ان تینوں صورتوں میں لفظی تغیر تو کچھ نہیں ہوتا۔ صرف ادائی کا فرق ہوتا ہے۔ اختلاف کی ایک صورت تو یہ ہوئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ میں تو تبدیلی ہو۔ مگر معنے نہ بدلیں جیسے الصراط کو صاد سے ادا کریں یا سین سے یا حَسَبَ۔ یَحْسِبُ یا یَحْسَبُ مضارع میں سین کو زیر یا زبر سے ادا کرنا اَلْغِیُوْبُ۔ اَلْغُیُوْبُ۔ قِرْطَاس۔ قُرْطَاس۔ عَلَیْھِمْ۔ عَلَیْھُمْ۔ یہ سب ہی اہلِ فن کے نزدیک مسلمہ لغات ہیں۔ جس کی صحت و فصاحت مانی ہوئی ہے۔

تیسری قسم کی تبدیلی وہ جو لفظ و معنے دونوں میں ہو مگر دونوں کا مصداق و مراد ایک ہی ہو جیسے مَلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ یا مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ دونوں اللہ تعالےٰ کی صفات ہیں کہ وہ مالک یوم الدین بھی ہے اور ملک یوم الدین بھی ہے۔ مالک بھی ہیں اور بادشاہ بھی۔

(ب) کَیْفَ نُنْشِزُھَا۔ کَیْفَ نُنْشِرُھَا۔ پہلے کے یہ معنے ہوئے کہ ہم کس طرح ہڈیاں کو ایک دوسرے پر چڑھاتے ہیں اور دوسرے کے یہ معنے ہوئے کہ ہم کس طرح ہڈیوں میں جان ڈال زندہ کرتے ہیں۔ غرض کہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو ایسے ہوتے ہیں کہ ہر ایک میں ایک خاص خوبی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک ہی مفہوم کو جملہ خبریہ میں ادا کیا جائے تو ایک خاص حُسن کا اظہار ہوتا ہے اور استفہامیہ میں ادا کیا جائے تو دوسری نزاکت ظاہر ہوتی ہے ایسے موقعوں پر دونوں پہلوؤں کی اجازت دینا ہی قادر الکلام کی خوبی ہے۔ مثلاً ذوق کا یہ شعر

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ ؎ ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

یہ شعر اپنی جگہ اچھا ہے مگر ایک معنے رس سخن سنج نے فرمایا کہ اگر ذوق دوسرے مصرع کو یوں کہتے کہ "کس فن میں نہیں طاق مجھے کیا نہیں آتا" تو بندش چست ہوجاتی۔ اور استفہام زیادہ لطف پیدا کرتا۔

یہ مثال بیان کرنے سے مدعا یہ ہے کہ شاعروں کا کلام تو اصلاح پذیر ہوسکتا ہے۔ مگر اللہ کے کلام کو اللہ تعالےٰ ہی نے وہ دوسری وجہ بھی بیان کرکے اعتراض کی گنجائش باقی نہ رکھی — گا یا بعض جگہ دوزخیوں سے مخاطب ہوکر کہا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو قیامت میں تم کو معلوم ہوجائے

مِمَّا تَعۡمَلُوۡنَ مگر بلاغت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسے موقع پر مخاطبت ان کی طرف نہ ہو۔ بلکہ دوستوں سے مخاطبت کر کے یہ مضمون ادا کیا جائے کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں قیامت میں ان کو معلوم ہو جائے گا۔ چنانچہ مِمَّا یَعۡمَلُوۡنَ کی قراءت خود اللہ تعالےٰ ہی نے فرمادی۔ اس میں عزت مخاطبت سے بھی محرومیت ہے۔ داغ کا شعر ملاحظہ ہو ؎

دیکھا مجھے تو ہو کے خفا غیر سے کہا ؎ اس بزم میں ہر ایک کو آنا نہ چاہئے

شاعر نے یہ مضمون ادا کیا ہے کہ اگر مخاطبت ہمیں سے ہوئی تو لذت کلام اور عزت مخاطبت تو نصیب ہوتی۔ وہ بھی غیر کے حصے میں گئی اور ہم کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ ہم سے مخاطبت ہی رہے اسالیب بیان کے معمولی تغیرات کے اختلاف سے جو ندرت پیدا ہوتی ہے ان سے وہی لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں جن کو معانی وبیان میں نظر حاصل ہے۔

۶۲ اختلافات کی قسموں کے بیان کے بعد یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان اختلافات کو کیوں جائز رکھا گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ نزول قرآن کے وقت اہل عرب میں سب سے بڑا ہنر اور فن فصاحت وبلاغت اور بیان اور خطابات میں کلام تھا۔ اہل کمال اپنے کمالات کو چھپا چھپا کر رکھتے تھے اور خاص خاص مجموں، جلسوں یا میلوں میں بڑے بڑے فصحا کے مجالس میں اپنے کمالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور کعبۃ اللہ ہی اس کا سب سے بڑا اکھاڑہ تھا۔ جب عرب میں اسلام پھیلا۔ اور فصحائے عرب ملک کے مختلف حصوں سے قرآن مجید سیکھنے کے لئے آئے تو حضور اکرمؐ نے ان ہی کے کمالات کو ان پر واضح کر کے فرمایا کہ تمہارے پاس تو فلاں لفظ املے سے ادا کرنا فصیح مانا گیا ہے تو ان فصحا نے ان کا اقرار کیا کہ بے شک ایسا ہی ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے اجازت دی کہ تم اسی طرح ادا کرو اللہ تعالےٰ اس کی اجازت دیتا ہے۔ بعضوں کے پاس قَدۡ جَاءَكُمۡ میں دال کا جیم میں ادغام فصیح مانا جاتا۔ ان کو اسی طرح اجازت دی۔ اس سے وہ فصحا بھی اپنی جگہ قائل ہو گئے کہ کلام کتنا معجز ہے نیز ان کو بھی سہولت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ حضور نے صحابہ کو مختلف طریقے سے پڑھایا۔ بخاری کی ایک مشہور حدیث حضرت عمر رضی اللہ سے منقول ہے کہ:۔

"میں نے رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ہشام بن حکیم کو دیکھا کہ سورہ فرقان نماز میں ایسے طریقے سے پڑھ رہے ہیں جس طریقہ سے رسول اللہ نے مجھے نہیں پڑھایا تھا۔ مجھے غصہ آیا اور میں نے چاہا کہ نماز ہی میں لڑ پڑوں۔ مگر میں نے تحمل کیا جب نماز سے فراغت

ہوئی تو میں نے ان کے گلے میں چادر ڈال دی اور پوچھا کہ پڑھنے کا یہ طریقہ تم نے کس سے سیکھا۔ انہوں نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو مجھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے طریقے سے سکھلایا ہے۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلعم کے پاس لایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ سورۂ فرقان اور ہی طریقے سے پڑھتے ہیں جو آپ نے ہمیں نہیں بتایا۔ آپؐ نے فرمایا ہشام کو چھوڑ دو۔ اور ہشام سے فرمایا اچھا پڑھو تو سہی۔ پس انہوں نے اسی طرح پڑھا جیسا میں نے ان سے (نماز میں) سُنا تھا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا کہ یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر مجھ سے فرمایا اے عمر! تم پڑھو تو میں نے اسی طریقہ سے پڑھا جو آپؐ نے مجھے تعلیم فرمائی تھی سُن کر آپؐ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ بے شک قرآن شریف سات طریقے پر نازل ہوا ہے۔ جس طریقہ سے کسی کو آسان معلوم ہو وہ طریقہ اختیار کرے"۔

ایک اور واقعہ حضرت ابی بن کعب کا ایسا ہی ہے۔ ابی فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک شخص نے مسجد میں آکر سورہ نحل اس کے خلاف پڑھی جس طرح میں پڑھتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ سُورت تجھے کس نے پڑھائی ہے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے بھی سورۂ نحل پڑھی۔ اور ہم دونوں کے خلاف تیسری طرح پڑھی میں نے اس سے بھی پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا۔ جس سے میرے دل میں شک پیدا ہوا۔ اور میں ان دونوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے ایک سے سُن کر فرمایا اَحْسَنْتَ (تو نے اچھی طرح پڑھا) دوسرے سے سُن کر فرمایا ھٰکَذَا اُنْزِلَتْ (یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے) پھر میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اُعِیْذُکَ بِاللّٰہِ یَا اُبَیُّ۔ حضرت ابی فرماتے ہیں کہ میرا سینہ یقین سے بھر گیا۔

اس طرح امت کے لئے وسعت و آسانی بھی پیدا ہو گئی۔ فصحا کے کمالات بھی جمع ہو گئے تحقیق کے تمام مراتب بھی ختم ہو گئے اور تحفظ صوت النبی کا پورا پورا انتظام بھی ہو گیا۔

۶۳ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر امت کی سہولت اور دین کی وسعت تھی۔ اس لئے جب جبرئیل علیہ السلام نے آکر عرض کیا کہ حق تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی

امت قرآن مجید کو ایک ہی حرف پر پڑھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالےٰ سے عافیت اور مدد کی درخواست کرتا ہوں کیوں کہ میری امت اس پر عمل نہ کر سکے گی۔ چنانچہ آپؐ بار بار دعا فرماتے رہے حتیٰ کہ سات حروف تک کی اجازت مل گئی۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ قراءت متواترہ کے انکار سے انکار قرآن لازم آتا ہے اس سے بچنا چاہئے۔

سلسلہ تصانیف کتب قراءت

و۶۴ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ماہرینِ فن قراءت و تجوید نے اس فن کی جو کتابیں تصنیف کیں ان کا منشاء سماعی علم کو مدد پہونچانا تھا تاکہ کمزور حافظے والوں کو غلطیوں سے بچنے کا موقعہ حاصل ہے صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس کی ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ ان لوگوں کو اکثر تحقیق سے انتہائی شغف تھا۔ طلباء کئی کئی اساتذہ سے حاصل کرتے جس سے اس قدر پختگی آجاتی کہ کتابت کی ضرورت نہ رہتی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو نہایت قوی حافظے دیئے تھے۔ تالیفات کا سلسلہ تیسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔

تیسری صدی میں سات کتابیں لکھی گئیں:۔

(۱) کتاب القراءت	از ابو عبید قاسم ابن سلام
(۲) کتاب القراءت	از ابو حاتم سہل بن محمد
(۳) کتاب القراءت	از قاضی اسمٰعیل ابو اسحاق
(۴) کتاب القراءت	از ثعلب ابو العباس
(۵) کتاب الشواذ	یہ بھی ثعلب ابو العباس ہی کی تصنیف ہے۔
(۶) کتاب القراءت	از احمد ابن جبیر
(۷) آداب القراءت	از عبد اللہ بن مسلم نحوی بغدادی

و۶۵ چوتھی صدی ہجری میں ۲۵ کتابیں لکھی گئیں ان سب میں زیادہ مشہور کتاب السبعہ ابوبکر ابن مجاہد کی مقبول تالیف ہے۔ جس میں صرف قراءت سبعہ کا بیان ہے۔ امام نافع کو سب سے پہلے ظاہر کئے ہیں

(۲) الجامع	از طبری ابو جعفر محمد بن جریر ابن کثیر

(۳) کتاب القراءات ازداجونی ابوبکر محمد بن احمد بن عمر بن احمد بن سلیمان

(۴) تذکرہ فی الحجۃ السبعہ ازابوالحسن طاہر بن احمد نحوی بغدادی المتوفی ۳۷۶ھ

یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں کے کتب خانے واقع بانکی پور میں موجود ہے جس پر لکھا ہے کہ مصنف نے ابوبکر محمد بن السراج سے اور پھر ابراہیم بن اہل سے پڑھا۔ اس نسخے پر بہت سے شاگردوں نے پڑھ کر دستخط کر دی ہے۔ ان میں سے خاص یہ ہیں (۱) تاج الدین ابوالیمن۔ زید بن الحسن الکندی جو ۵۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۱۳ھ میں انتقال کیا۔ تاج الدین سے ختم کرنے والی ایک جماعت نے جامع مسجد دمشق میں ۵۸۹ھ میں ختم کیا اس میں ۱۵ اشخاص تھے۔ مثلاً قاضی ذکی الدین صدر الشام (۲) وجیہہ الدین ابوالفرح (۳) محمد بن احمد الشاطبی متوفی ۶۱۳ھ

(۵) ارشاد فی العشرہ دس قراءتوں میں۔ اور،

(۶) مُعَدَّل یہ دونوں تصانیف عبدالمنعم بن عبداللہ بن غلبون بن مبارک حلبی کی ہیں۔ صاحب موصوف استادِ فن اور مقری تھے ابوسہل وراق کے شاگرد ہیں ۳۸۹ھ میں وفات پائی انکے شاگرد ابومحمد مکی ابن ابی طالب قاری و مقری تھے۔ ان کی کتاب التبصرۃ فی القراءۃ العشرہ بھی مستند تصانیف میں ہے اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ مدرسہ نظامیہ واقع حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کی ابتدا میں ابومحمد مکی نے لکھا ہے کہ میں نے قراءت ۳۷۸ھ میں استاد سے پڑھنی شروع کی اور ۳۸۵ھ میں ختم کیا۔ اس کے بعد کتاب کی تالیف ۳۹۲ھ میں ختم کی اس وقت طباعت کا انتظام نہیں تھا اس لئے قلمی نسخے بہت جلد پھیل جاتے تھے جو نسخہ مدرسہ نظامیہ حیدر آباد میں ہے اس کو محمد بن ابراہیم کاتب نے ۷۵۳ھ میں لکھا۔ اس نادر نسخے میں ابتداءً عشرہ کے اماموں کے نام۔ ان کے راویوں کے نام۔ ان کے اسناد۔ پھر استعاذہ۔ اور بسم اللہ۔ پھر ہائے کنایہ۔ مد و قصر۔ ہمزتین فی کلمۃ و کلمتین نقل و حرکت۔ مذاہب القراء فی الوقف و معنے الروم والاشمام۔ اظہار و ادغام۔ وقف علی الہمزہ ادغام ہل و بل۔ فتح و امالہ۔ وقف علی الرائے متطرفہ۔ ترقیق و تغلیظ لام۔ تکبیرات پر عنوان قائم کئے ہیں۔ کاش یہ کتاب حیدر آباد سے طبع کرائی جاتی۔

وٓ ۶۶ پانچویں صدی میں ۵۰ سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ اکثر محققانہ اور معتبر متن ہیں۔ ان میں سے نصف کے قریب اندلس کے علماء نے لکھیں۔

(۱) المنتہیٰ فی العشر ازخزاعی ابوالفضل محمد ابن جعفر۔ آپ نے ابواحمد سامری

مطوعی۔ شذائی وغیرہ بزرگوں سے قراءتیں پڑھیں ۴۰۵ھ میں وفات پائی

(۲) الهادی فی السبعہ (سات قراءتوں کے بیان میں) از ابو عبداللہ محمد ابن سفیان قیروانی۔ آپ نے ابن غلبون وغیرہ سے قراءتیں پڑھیں مہدوی جیسے مجتہد آپ کے شاگرد ہیں ۴۱۵ھ میں مدینہ میں وفات پائی جنت البقیع میں دفن ہیں۔

(۳) المجتبیٰ فی السبعہ (سات قراءتوں میں) از ابو القاسم عبدالجبار ابن احمد بن عمر طرسوسی۔ آپ نے ابو احمد سامری ابو بکر اذخوی ابن نفیس سے قراءتیں پڑھیں ۴۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) الروضہ فی العشرہ از ابو عمر احمد ابن عبداللہ بن طالب طلمنکی قرطبی اندلسی ابن غلبون کے شاگرد ہیں۔ ۴۲۹ھ میں قرطبہ میں وفات پائی

(۵) الهدایہ فی السبعہ اور (۶) التیسیر دشافی } دونوں ابو العباس احمد ابن عباس مہدوی کی تصانیف ہیں۔ یہ ابو الحسن قنطری اور ابو عبداللہ قیروانی کے شاگرد ہیں۔ حدیث وفقہ میں فاضل۔ تفسیر و قراءت و ادب عربی میں امام تھے۔ ذہبی کے قول پر ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔ مگر اس صدی کے سب سے زیادہ مایہ ناز اور سب سے زیادہ مقبول کتاب التیسیر ہے جس کو حافظ ابو عمرو عثمان ابن سعید دانی اندلسی نے قراءت سبعہ میں لکھی۔ چوں کہ آپ کے بعد تمام روئے زمین پر آپ ہی کی سند سے قراءتیں پڑھائی جاتی ہیں۔ لہذا ہم آپ کے مختصر حالات درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

راس المقرئین علامہ عثمان دانی اندلسی

۶۷ حافظ ابو عمرو عثمان ابن سعید دانی ۳۷۱ھ میں اندلس کے قصبہ دانیہ میں پیدا ہوئے۔ جو ایک عرصہ تک علماء کا مرکز رہا ہے۔ آپ نے پہلے اپنے ملک میں علم حاصل کیا۔ ۳۹۶ھ میں تکمیل علم کی غرض سے مشرق کا سفر کیا۔ چار ماہ قیراون میں۔ ایک سال مصر میں۔ ایک سال مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں۔

اور کسی قدر دیگر مقامات پر قیام کیا۔ امام ابوالقاسم عبدالعزیز فارسی۔ شیخ القراء ابوالفتح امام ابوالحسن اور امام ابوالحسن خاقانی سے قراءتیں پڑھیں۔ حدیث و قراءت کی تکمیل کے بعد ۳۹۹ھ میں اندلس واپس پہونچے۔ آپ کو علوم میں جامعیت حاصل تھی۔ حافظ ہونے کے علاوہ وہ ایک عظیم الشان محقق تھے۔ بعض شیوخ کہتے ہیں کہ حفظ و تحقیق میں نہ اس وقت کوئی ان کے برابر تھا اور نہ بعد میں ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ:-

"جو کچھ دیکھا اس کو لکھ لیا۔ جو لکھا وہ یاد ہوگیا۔ اور جو یاد ہوگیا اس کو کبھی نہ بھولا۔"

علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ اتقان و تحقیق کے لحاظ سے قراءت کی آپ پر انتہا ہوتی ہے بعد کے قراء آپ کے پیرو و مقلد ہیں اور آپ کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں۔ مختلف علوم میں ایک سو بیس کتابیں لکھیں۔ شوال ۴۴۴ھ میں اپنے وطن دانیہ میں وفات پائی۔

۶۸ دوسری مشہور کتابیں جو اس صدی میں (پانچویں صدی میں) لکھی گئیں ان میں سے:-

(۸) العنوان (سبعہ کی بہترین کتابوں میں ہے)
(۹) الاکتفا
یہ دونوں کتابیں ابوطاہر اسمٰعیل بن خلف بن سعید بن عمران انصاری کی تالیفات ہیں۔ آپ کی وفات مصر میں ۴۵۵ھ میں ہوئی۔

(۱۰) الجامع فی العشرہ — از ابوالحسین نصر بن عبدالعزیز ابن احمد فارسی جن کی وفات ۴۶۱ھ میں ہوئی۔

(۱۱) کامل — از ابوالقاسم یوسف بن علی بن جبارہ بن محمد بن عقیل ہذلی نزیل نیشاپور۔ تین سو پینسٹھ شیوخ سے پڑھا۔ ۴۶۵ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

(۱۲) الکافی — سبعہ میں مشہور متن ہے ابوعبداللہ محمد بن شریح رعینی اندلسی اشبیلی ۴۷۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۳) النبذ النامیہ فی الثمان — از ابوالحسین یحییٰ بن ابراہیم بن بیاز مرسی اندلسی جن کی وفات مرسیہ میں سو سال کی عمر میں ۴۹۶ھ میں ہوئی۔

(۱۴) المستنیر فی العشرہ — ۱۵۶ روایات و طرق ہیں۔ ہر اختلاف کو متصل سند کے ساتھ آئمہ تک پہونچایا ہے۔ از ابوطاہر احمد بن علی بن عبیداللہ بن عمر بن بغدادی۔ ۴۹۶ھ میں وفات پائی۔ ان کے

علاوہ اور بھی کتابیں اس صدی میں تصنیف ہوئیں۔

و ۶۹ چھٹی صدی میں تیس کتابیں لکھی گئیں۔ بعض زندہ جاوید متون علمائے بغداد اور اندلس کی یادگار ہیں۔

(۱) تلخیص العبارت — از ابو علی قیروانی۔ نزیل اسکندریہ جن کی وفات اسکندریہ میں ۵۱۴ھ میں ہوئی۔

(۲) الاقناع
(۳) الغایہ — یہ دونوں سبعہ کی اعلیٰ پایہ کی کتابیں ہیں۔ یہ ابو جعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف بن باذش انصاری غرناطی نحوی کی تالیفات ہیں۔ ۵۴۰ھ میں آپ نے غرناطہ میں وفات پائی

(۴) حرز الامانی ووجہ التہانی — یہ یادگار قصیدہ، جو قصیدہ لامیہ کے نام سے مشہور ہے ۱۱۷۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں التیسیر کو اضافہ جات کے ساتھ نہایت خوبی سے نظم کیا ہے۔ چونکہ یہ نظم بہت مقبول ہوئی اس لئے مصنف کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں۔

حافظ علامۃ الشاطبی اندلسی

و ۷۰ قاسم نام۔ ابو القاسم کنیت ابن خلف بن احمد الرعینی الشاطبی۔ ملک اندلس کے قصبہ شاطبیہ میں ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ نابینا تھے۔ مگر حرکات اندھوں کے سے نہ تھے۔ حافظہ غیر معمولی قوی تھا۔ آپ نے قراءت ابو الحسن علی بن ہذیل سے۔ انہوں نے ابو داؤد سلیمان بن خلف سے۔ انہوں نے علامہ ابو عمرو دانی مصنف التیسیر سے پڑھی تھیں۔ ان کے علاوہ آپ نے عبداللہ محمد بن العاص النفری سے بھی قراءت پڑھیں۔ اس پر اتفاق ہے کہ اپنے زمانے کے بڑے پایہ کے امام اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ قرآن و حدیث کے حافظ تھے۔ آپ کے حافظے سے لوگ مسلم و بخاری کے نسخوں کی تصحیح کرتے تھے اس کے علاوہ آپ نحو کے استاد اور تعبیر کے علم میں ماہر تھے۔ جب علوم سے فارغ ہو کر ۵۷۲ھ میں مصر پہونچے تو قاہرہ کے مدرسہ فاضلیہ کے شیخ القراءت مقرر ہوئے۔ آپ سے اتنی مخلوق نے پڑھا کہ جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ فضول کلام سے پرہیز کرتے تھے۔ طلباء کو پڑھاتے وقت وضو و طہارت اور بڑے ادب و انکسار اور خضوع و خشوع سے بیٹھتے تھے۔ قرآن اور قرآنی علوم کو چھوڑ کر دیگر علوم میں غور و فکر سے منع فرماتے تھے۔ قرطبی سے منقول ہے کہ جب آپ

قصیدے کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس کو ساتھ لے کر بیت اللہ کے گرد بارہ ہزار طواف کئے اور جب دُعا کے مقام پر پہونچتے تو نظم کی مقبولیت کی دعا کرتے۔ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور حضور نے قصیدہ کی مقبولیت کے لئے دعا فرمائی۔ اس قصیدہ کے علاوہ ایک قصیدہ رائیہ ہے جو مصحفِ عثمانی کے رسم الخط کے بیان میں ہے۔ اس کے دو سو اٹھانوے اشعار ہیں۔ ایک اور قصیدہ ناظمۃ الزھو ہے جس میں آیات اور ان کا اختلاف بیان کیا ہے یعنے یہ کہ فلاں جگہ آیت ہے یا مختلف فیہ ہے۔ اس کے دو سو ستانوے اشعار ہیں۔ چوتھا قصیدہ دالیہ ہے اس کے پانچسو اشعار ہیں۔ اس میں آپ نے ابن عبد البر کی تمہید کا خلاصہ کیا ہے جو بارہ جلدوں میں تھی۔

(ب) ترپن سال کی عمر میں ۲۸ جمادی الثانی ۵۹۰ھ کو بروز یکشنبہ قاہرہ (مصر) میں وفات پائی مقطم پہاڑ کے پاس دفن ہوئے۔ اب بھی مرجع خلائق ہیں۔

(ج) آپ کی نظم شاطبیہ کو عدیم المثال مقبولیت حاصل ہوئی۔ بہت سے اماموں نے قراءت کے بیان میں قصیدے لکھے لیکن کسی کو شاطبیہ کی سی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ عربی ادب کے اعتبار سے یہ بہت بلند پایہ کتاب ہے۔ متاخرین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ شاطبیہ کے بغیر قراءت سبعہ پر کامل عبور حاصل نہیں ہو سکتا۔ بعض اعتبار سے یہ کتاب دقیق بھی ہے آپ نے وہ لغات کا استعمال کئے ہیں جو عام طور سے فن کی کتابوں میں نہیں آتے ایسی خاص اصطلاحات اور رموز سے کام لیا ہے جن سے واقفیت کے بغیر کتاب چیستان معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایک دو دو شعروں میں کئی کئی مذہب بیان کرتے ہیں۔ ایک مذہب کو بیان کر کے متبادل مذہب کو قاری کے فہم پر چھوڑ دیا ہے۔ ان دشواریوں کے باوجود مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ پچاس کے قریب شروح وحاشیے۔ نکات وتکملے اس پر لکھے گئے۔

(د) مذکورہ بالا تصنیفات کے علاوہ ایک تالیف احتجاج القراء بھی ہے جو حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ کی ہے۔

ابو المظفر محمد بن طیفور السجاوندی

(۱۷) چھٹی صدی میں ابو المظفر (یا ابو عبد اللہ) محمد بن طیفور السجاوندی کی شخصیت بڑی اہم ہے۔ آپ غزنین کے باشندے تھے ۵۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا آپ کی تصنیف الوقف والابتدا نہایت مقبول کتاب ہے۔ صاحب موصوف نے معنے کے اعتبار سے وقف لازم کے لئے (م) کی علامت، وقف مطلق

کے لئے (ط) وقف جائز کے لئے (ج) نہ ٹھہرنے کی علامت (لا) وغیرہ میں وقوف کو تقسیم کرکے پورے قرآن شریف میں علامتیں لگا دیں۔ قرائے مابعد میں اکثر نے اسی کو اختیار کیا۔ وقوف سجاوندی بہت مقبول ہوئے۔ اس کے قلمی نسخے تمام ممالک اسلامی میں پہونچ گئے۔ علامہ الجزری نے بھی ان ہی کو اختیار کیا۔ علی الحسینی کوہ کیلوی نے اپنی کتاب "حلیۃ القاری" میں جو انہوں نے تانا شاہ کے زمانے میں لکھی ان ہی وقوف کو شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی بھی اسی کو قابل وثوق مانتے ہیں۔ وقوف سجاوندی کے کئی قلمی نسخے (کم از کم تین) اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہیں ایک خوش خط نسخہ جو شیخ القراء محمد غوث شرف الدولہ شرف الملک کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے مدراس کی مسلم لائبریری میں موجود ہے۔

۷۲ ساتویں صدی میں قراءت پر تیس کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے پندرہ کے قریب شاطبیہ کے شروح وحواشی ہیں:۔

(۱) الجامع الاکبر والبحر الازخر جس میں بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ ابوالقاسم عیسیٰ بن عبد العزیز لخمی اسکندری کی تصنیف ہے۔ آپ کا انتقال ۶۲۹ھ میں اندلس میں ہوا۔

(۲) ھدایۃ المرتاب
(۳) افصاح
(۴) اقوی العدد
(۵) نثر الدرر
(۶) مراتب الاصول

ایسی دس کتابیں علی بن محمد بن عبد الصمد السخاوی مصری نزیل دمشق نے لکھیں۔ یہ بڑے جید قاری اور شاطبی کے شاگرد تھے ان کا ذکر فقرہ ۷۳ میں ملاحظہ ہو۔

(۷) ابراز المعانی (شاطبیہ کی نفیس شرح)
(۸) مفردہ
(۹) شاطبیہ کی شرح کبیر

یہ تینوں کتابیں ابوالقاسم عبد الرحمن بن اسمعیل بن ابراہیم عرف ابوشامہ کی تصنیف ہے۔ یہ جید عالم۔ خوش گو قاری اور صاحب مرتبت تھے۔ پیدائش ۵۹۹ھ۔ وفات ۶۶۵ھ ہے۔

ابوالحسن علی السخاوی المصری

۷۳ پیدائش ۵۵۹ھ۔ علامہ شاطبی کے مایہ ناز شاگرد۔ پورا نام ابوالحسن علی بن محمد بن عبد الصمد السخاوی المصری ہے آپ نے ایک عرصہ تک قاہرہ میں علامہ شاطبی سے استفادہ کیا اور قصیدہ لامیہ خود صاحب تصنیف سے پڑھا۔

جس قلمی نسخے پر السخاوی نے پڑھا تھا خوش قسمتی سے وہ نسخہ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد۔ دکن میں موجود ہے۔ اس میں السخاوی اس اجازت کا ذکر کرتے ہیں جو قصیدہ ختم کرنے کے بعد استاد محترم سے حاصل کی۔ قاہرہ سے السخاوی دمشق چلے گئے۔ وہاں سے بہت شاگردوں کو قراءات سبعہ اور شاطبیہ کا درس دیا۔ السخاوی نے شاطبیہ کی جو شرح لکھی ہے اس کا ذکر فقرہ ۳۲ میں ہو چکا ہے — ابن خلکان اپنی آنکھوں دیکھا منظر یوں بیان کرتے ہیں

"میں نے دمشق میں لوگوں کا اژدھام دیکھا کہ السخاوی کے اطراف قراءات سننے کے اشتیاق میں جمع تھے۔ جہاں تک حاضرین کی آواز سنائی دیتی وہ خاموشی سے سنتے اور سنکر پیچھے ہٹ جاتے پیچھے کے لوگ سامنے آجاتے جو محرر سننا چاہتا اس کی باری ایک عرصہ کے بعد آتی۔"

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دمشق کے لوگ کس ذوق اور شوق سے قراءات سنتے اور سیکھتے تھے

و۷۴ السخاوی نے جس نسخے سے خود پڑھا تھا اسی نسخے سے اپنے بہت سے شاگردوں کو بھی پڑھایا۔ ان میں سے دو کے نام درج ذیل ہیں:۔

(الف) ابراہیم بن محمد بن العماد۔

(ب) شہاب الدین ابو العباس احمد بن نجم الدین کو درس دیکر ۲۵ صفر ۶۴۳ھ کو اجازت دی۔

(ج) ابراہیم بن محمد پہلے شاگرد نے عثمان بن نورالدین کو درس دے کر اجازت دی ہے۔

(د) دوسرے شاگرد شہاب الدین ابو العباس احمد سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ان میں سے ایک صاحب کا نام نسخہ پر علی بن جابر بن علی الہاشمی پڑھا جاتا ہے۔ یہ درس ۷۰۰ھ میں ختم ہوا۔

(ھ) شہاب الدین ابو العباس احمد سے جن دوسرے اصحاب نے پڑھا ان میں شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ہیں۔ یہ مشہور مورخ الذہبی ہیں جن کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی

(و) ایک اور حلقہ درس ۲۲ رجب ۷۰۲ھ کو ختم ہوا جس میں القاسم بن محمد اور داؤد بن یحییٰ بن داؤد الجریدی الدمشقی ہیں۔

(ز) ایک اور حلقہ درس ۷۰۶ھ میں ختم ہوا جس میں شیخ کمال الدین علی بن شجاع شریک تھے۔

و۷۵ السخاوی کا یہ قابل قدر نسخہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا اور جس سے اتنے شاگردوں نے پڑھا نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے۔ اسی ایک کتاب سے السخاوی اور انکے شاگرد اور شاگردوں کے تلامذہ نے استفادہ کیا۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اجازت لینے والے اور دینے والے کس قدر اہتمام سے اس نسخے پر لکھدیا کرتے تھے۔

۷۶ آٹھویں صدی میں پچاس سے زیادہ کتابیں قراءت پر لکھی گئیں۔ ان میں سے ۲۵ شاطبیہ کے متعلق ہیں۔

(۱) عقد آللآلی فی السبع العوالی ایک بلند پایہ قصیدہ ہے جو شاطبیہ کے وزن و قافیہ پر ہے یہ اور دیگر آٹھ کتابیں ابو حیان شیخ النحاۃ والمحدثین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان غرناطی اندلسی کی تصنیف ہے ۶۵۴ھ میں غرناطہ کے قصبہ مشخارش میں پیدا ہوئے۔ پانچ سو شیوخ سے علم حاصل کیا۔ ۹۱ سال کی عمر پاکر ۷۴۵ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔

(۷) تا (۱۴) علامہ جعبری برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن عمر بن ابراہیم بن خلیل نے سات کتابیں قراءت پر تصنیف کیں جو یہ تھیں:

(۱) شاطبیہ کی بہترین شرح جو ۶۹۱ھ میں لکھی گئی۔

(۲) احکام الھمزہ

(۳) الشرعۃ فی السبعہ

(۴) نزھت البررہ فی العشرہ

(۵) نھج الاباثہ فی الثلاثہ

(۶) خلاصۃ الابحاث

(۷) رسالہ شواذ

۷۳۲ھ میں بلدہ خلیل میں وفات ہوئی۔

(۱۵) سراج القاری بھی اس صدی میں لکھی گئی جو ابوالقاسم علی بن عثمان بن محمد بن احمد بن الحسن القاصح العذری البغدادی کی شرح شاطبی ہے ان کی وفات ۸۰۱ھ میں ہوئی۔ یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی مصر سے شائع ہو کر عالم اسلام میں اب بھی پڑھائی جاتی ہے۔

۷۷ نویں صدی میں تیس سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ اس صدی میں بغداد اور اندلس سے اس فن میں تالیف و تصنیف کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اندلس کی تو حکومت ہی ختم ہو گئی۔ اور مسلمانوں کو نکال پھینکا گیا۔ مگر شام و مصر میں کام ہوا۔ اس صدی کی سب سے بڑی شخصیت علامہ الجزری کی

جن کا ذکر ذیل کے فقرہ میں درج ہے۔

عماد المقرئین ابو الخیر شمس الدین محمد الجزری الدمشقی

(۷۸) ابو الخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد الجزری الدمشقی۔ ولادت ۷۵۱ھ

بمقام دمشق، پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم متداولہ سیکھے۔ پھر قرات سبعہ فرداً فرداً پڑھ کر ۷۶۸ھ میں جمع پڑھی۔ شعر و سخن سے فطری ذوق تھا۔ اس ملکہ سے قرآن و حدیث کی خدمت کی۔ فن تجوید کے اصول و قواعد کو اشعار میں منضبط کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں الھدایہ فی تتمۃ العشرہ لکھی۔ زبان و ادب کا مذاق نہایت پاکیزہ و بلند تھا۔ تقی الدین احمد المقریزی درر العقود الفریدہ میں لکھتے ہیں:۔

"آپ نہایت جمیل و شکیل۔ فصیح و بلیغ انسان تھے نظم و نثر و خطبات آپکی یادگار ہیں"

ابن حجر عسقلانی نے کہا:۔

"آپ صاحب ثروت اور بڑے فصیح و بلیغ تھے"

حافظہ بہت قوی پایا تھا۔ جو چیز ایک مرتبہ یاد کرلی وہ گویا کتاب میں محفوظ ہو گئی۔ حافظے کا یہ حال تھا کہ ایک لاکھ حدیثیں سندوں کے ساتھ یاد تھیں۔ فہم و ذکا سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔

(ب) اٹھارہ سال کی عمر میں حج کیا پھر ۷۶۹ھ میں مصر گئے۔ وہاں کے شیوخ سے عشرہ۔ اثناعشرہ و ثلاثہ عشرہ قراءتیں پڑھیں۔ ان قراءت کو متعدد بار دہرایا۔ ۷۸۵ھ میں تمام شیوخ نے مجاز کر دیا پہلے دمشق پھر قاہرہ اور اسکندریہ کے شیوخ سے حدیث و فقہ کی تکمیل کی ۷۹۳ھ میں شام کے قاضی مقرر ہوئے۔ پانچ سال کے بعد مصری حکومت سے بگاڑ ہونے کی وجہ ترکی چلے گئے ۷۹۸ھ سے ۸۰۵ھ تک سلطان بایزید کے پاس رہے۔ ۸۰۷ھ میں خراسان چلے گئے اور پھر شیراز میں مقیم ہو گئے۔ ایک مدرسہ دار القراء قائم کیا جس میں تجوید و قرآن کی تعلیم ہوتی تھی۔ ۸۲۳ھ میں مکہ معظمہ پہنچے دو سال وہاں قیام کیا پھر شیراز جاکر تاحیات وہیں قیام پذیر رہے۔

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی ؛ گھر میرا نہ دلی نہ صفاہان نہ سمرقند

بروز جمعہ ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ ۸۲ سال کی عمر میں شیراز میں انتقال ہوا۔ اپنے مدرسہ دار القرآن میں سپرد خاک کئے گئے۔ جنازے کے ساتھ اتنا ہجوم تھا کہ کندھا دینا تو ایک طرف جنازے کو چھو لینے والوں کو بوسہ دینے لوگ ٹوٹ پڑتے تھے۔

(ج) ستہ سال سے زیادہ ۶ صدی تک تجوید و قراءت کی خدمت کی۔ اس فن میں بارہ کتابیں

لکھیں جن میں سے مشہور یہ ہیں :-

(۱) اصول قراءت

(۲) الدرة علی الشاطبیه

(۳) طیبه فی العشرة

(۴) النشر کبیر فی العشرة (دو جلدوں میں)

(۵) التقریب النشر

(۶) مقدمه تجوید — وغیرہ

علامہ الشاطبی کے بعد فن قرات میں علامہ الجزری کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔

(د) اخلاق و عادات میں آپ ملنسار و شیریں گفتار اور خدا ترس تھے۔ جب بات کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ آپ کے ہر فقرے سے فصاحت و بلاغت ٹپکتی تھی۔ مزاج میں تواضع و انکساری تھی۔ لوگوں کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش آتے۔ اللہ تعالٰی نے دولت دنیا سے بھی وافر حصہ دیا تھا۔ اہلِ حجاز کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ بہت احسان کرتے تھے۔

(و) علامۃ الجزری ریاضت و عبادت میں محنت شاقہ برداشت کرتے۔ علم کے ساتھ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ بڑے عابد اور نہایت مرتاض بزرگ تھے۔ زندگی کے مشاغل ثلاثہ میں تیسرا مشغلہ عبادت و ریاضت ہی تھا جو سفر و حضر میں کبھی نہ چھوٹتا تھا۔ انضباط اوقات کا بڑا خیال تھا۔

شبانہ روز کے مشاغل (۱) قراءت کی تعلیم و درس حدیث (۲) تصنیف و تالیف (۳) عبادت و یاد الٰہی میں ذرا فرق نہ آنے دیا۔ تمام عمر ان امور پر بڑی پابندی سے عمل پیرا رہے۔ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے۔ دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزے اس کے علاوہ تھے جو کبھی قضا نہیں ہوئے۔ سفر میں تک بھی شب بیداری و تہجد گزاری میں کبھی فرق نہ آیا۔ انہی فضل و کمال زہد و ورع کی بناء پر مرجع خلائق بن گئے۔ جہاں رہے طالبانِ قراءت و حدیث دور دور سے استفادہ کے لئے آتے تھے۔ جہاں جاتے شائقین کا ٹھٹھ لگ جاتا۔ قاہرہ و یمن میں لوگ ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور حصول سند میں لوگ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ خلفاء سلاطین کی گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ جس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا اس نے تاحیات نہ چھوڑا۔ بایزید بن عثمان۔ امیر تیمور۔ پیر محمد حاکم شیراز ان تینوں نے نکلنے نہ دیا۔

(ب) اولاد میں تین لڑکیاں اور پانچ لڑکے تھے (۱) ابوالفتح محمد الجزری (۲) ابوبکر محمد (۳) ابوالخیر محمد یہ تینوں بڑے نامور محدث - قاری و فقیہہ تھے - لڑکیوں میں فاطمہ (۲) عائشہ (۳) سلمیٰ یہ جلیل القدر محدثہ اور فن قراءت کی ماہر تھیں - (طاشں کبریٰ کا بیان اس کی تصدیق کرتا ہے)

ف ۸۰ نویں صدی کی دوسری قابلِ ذکر تصانیف یہ ہیں :-

(۱) فوائد مظفریہ — از کمال الدین احمد متوفی بعد از ۸۰۶ھ

(۲) شاطبیہ کا تین قراءت میں تکملہ شہاب الدین احمد بن محمد بن سعید یمنی متوفی بعد از ۸۲۰ھ

(۳) مسند القراءات — از اسمٰعیل بن اسحاق - ازدی متوفی ۸۲۰ھ

(۴) قراءات ثلاثہ
(۵) قراءات زائدہ علی العشیر — دونوں منظوم از شہاب الدین احمد بن حسین آملی مقدسی متوفی ۸۴۴ھ

(۶) ایضاح الرموز — چودہ قراءتوں میں شمس الدین خلیل بن القباقبی المتوفی ۸۴۹ھ

ف ۸۱ دسویں صدی میں مصر کے علماء نے پندرہ کتابیں لکھیں - اس صدی کی مشہور شخصیت علامہ جلال الدین سیوطی کی ہے جن کا ذکر ذیل میں درج ہے -

علامہ جلال الدین سیوطی مصری

ف ۸۲ جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی شافعی - قاہری - مصری یکم رجب ۸۴۹ھ (مطابق ۳ اکتوبر ۱۴۶۵ء) کو قاہرہ میں پیدا ہوئے - حافظ ابن حجر عسقلانی کی مجلس میں حاضر ہوئے - ۵ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوا - سیوطی کی تعلیم ابن ہمام کے سایۂ عاطفت میں ہوئی - پھر مصر کے دیگر علماء سے استفادہ کیا - علامہ تقی الدین شمنی سے خاص تعلق تھا - شرف الدین مناوی سے بھی فیض حاصل کیا - حج کے لئے ۸۶۹ھ میں سفر کیا - واپسی کے بعد شاہ مصر نے سفارت کا کام سپرد کیا ۸۷۰ھ میں محمود خلجی کو (جو ۸۳۹ھ سے ۸۷۳ھ تک مالوے کا بڑا صاحبِ اقتدار بادشاہ رہا ہے) شاہ مصر نے خلعت بذریعہ علامہ جلال الدین بھجوائی تھی - واپسی کے بعد ۸۷۱ھ میں علامہ مفتی مقرر ہوئے - ۸۷۲ھ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا - اس سے پہلے ۸۶۶ھ سے تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا - تصانیف کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے - ۹۰۲ھ میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے - دنیوی وجاہت کے اعتبار سے بلند مقام رکھتے تھے - شاہانِ وقت سے ربط رہا - ۹۰۶ھ میں مدرسے سے علٰحدہ ہو گئے - ۹۰۹ھ میں مدرسہ کی صدارت دوبارہ پیش کی گئی مگر قبول نہ کیا - اس کے بعد گوشہ نشینی ہی رہی - مگر تصنیف و تالیف کا

کام جاری رہا۔ سیوطی شاعر بھی تھے۔ بہت سے علوم میں تبحر تھا مثلاً (۱) قراءت (۲) تفسیر (۳) حدیث (۴) فقہ (۵) نحو (۶) معانی (۷) بیان (۸) بدیع (۹) تاریخ۔ سیوطی نے قراءت پر مستند کتابیں لکھیں

(۱) شاطبیہ کی شرح

(۲) الدر النثیر فی قراءت ابن کثیر

(۳) اتقان فی علوم القرآن

(۴) الدر المنثور

آپ کے مواعظ کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ان کی تصانیف کے ذریعہ سلف کا بہت سا ذخیرہ ہم تک پہونچا ہے۔ تفسیر جلالین آپ کی اور آپ کے استاد شیخ جلال الدین محلی کی مشترکہ کوشش کا نتیجہ ہے

(ب) ۱۹ رجمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ قاہرہ میں باب قراقہ کے باہر دفن ہوئے

۸۳ دسویں صدی کی دوسری تصانیف یہ ہیں۔

(۱) لطائف الاشارات بفنون القراءت بے حد نافع اور مبسوط کتاب ہے۔ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد ابی بکر قسطلانی مصری کی تصنیف ہے۔ پیدائش ۸۵۲ھ۔ وفات ۹۲۳ھ

(۲) الدقائق المحکمۂ مقدمہ جزریہ کی شرح (۵) ابن القاصح کی قرۃ العین کا خلاصہ یہ دونوں کتابیں ابو یحییٰ ذکریا ابن محمد خزاجی انصاری ازہری قاہری کی ہیں۔ ۹۲۶ھ میں انتقال ہوا۔ آپ ایک واسطے سے علامۃ الجزری کے شاگرد ہیں اس وقت روئے زمین پر قراءت اور صحاح ستہ آپ ہی کی سند سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

ملا علی قاری ہروی

۸۴ گیارہویں صدی کی عظیم المرتبت شخصیت ملا علی قاری کی ہے۔

نام۔ نور الدین علی بن محمد سلطان الہروی الحنفی۔ ہرات میں پیدا ہوئے۔ آگرہ آکر میر کلاں سے علوم سیکھے پھر تکمیل علم کے شوق میں سفر کر کے مکہ معظمہ پہونچے۔ وہاں ابن حجر مکی۔ ابو الحسن البکری۔ سید ذکریا الحسینی اور شیخ احمد مصری سے (جو قاضی ذکریا انصاری کے شاگرد تھے) علوم سیکھے بعد ازاں مصر گئے۔ عالم و فاضل استاد زمانہ۔ محقق یگانہ۔ منفرد العصر۔ مشہور فی الدہر ہوئے۔ ان کی تصانیف ان کی وسعت علمی و محقق فرد ہونے کی شاہد ہیں۔ فن قراءت میں ان کی تصانیف

میں شرح شاطبی اور منح الفکریہ وغیرہ بڑی اچھی کتابیں ہیں۔ شرح شاطبی تو ہندوستان میں بھی چھپ چکی ہے ۱۰۱۴ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ جنت المعلٰی میں دفن ہوئے۔ مصر میں حضرت کی یہ مقبولیت تھی کہ بعد وفات چار ہزار مسلمانوں نے غائبانہ نماز جامع ازہر میں پڑھی۔

ف ۸۵ بارھویں صدی میں دو معتبر اور محققانہ کتابیں تصنیف ہوئیں۔

(۱) اتحاف فضلاء البشر فی القراٰت اربعۃ عشر — اس میں چودہ قراءتیں نہایت تحقیق کے ساتھ درج ہیں۔ یہ تصنیف احمد بن دمیاطی عرف البناء کی ہے۔ محرم ۱۱۱۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے یہ کتاب مصر اور ہندوستان میں بہت مقبول ہے۔

(۲) غیث النفع — نشر کے بعد ایسی محققانہ بدیع الترتیب کتاب جو اختصار میں نادر ہے نہیں لکھی گئی۔ ہندوستان و مصر کے جملہ قرائے سبعہ کا انحصار اسی نادر کتاب پر ہے۔ سید علی النوری الصفاقسی کی تصنیف ہے۔ آپ شیخ شحاذہ یمنی کے شاگرد ہیں۔ ۱۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ کسی عشرہ کے قاری کے پاس یہ دو کتابیں ہوں تو پھر وہ دوسری کتابوں سے مستغنی ہو جاتا ہے

ف ۸۶ ۔ تیرھویں صدی میں وجوہ المسفرہ اور دوسری دو کتابیں علامہ محمد بن احمد شمس متولی کی تصنیف ہیں وجوہ المسفرہ میں متممین للعشر کے تین اماموں کے اختلافات کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔ اگر اتحاف نہ بھی ملے تو غیث النفع اور وجوہ المسفرہ سے قراءت عشرہ پڑھی جا سکتی ہیں شمس متولی مصر میں شیخ القراء تھے ۱۳۱۳ھ میں انتقال ہوا۔

ف ۸۷ چودھویں صدی میں شیخ القراء علی بن محمد عرف ضباع بڑے پایہ کے محقق ہیں۔ جامع ازہر کے شیخ التجوید والقراءات رہے۔ کبر سنی کی وجہ سے حال ہی میں علیحدہ ہوئے ہیں ان کی بدولت مصر میں قراءت کی متعدد قدیم کتابیں طبع ہو گئیں۔ آپ نے طیبۃ النشر کی شرح بھی تصنیف کی ہے جو قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

ف ۸۸ ۔ غرض عربی میں قراءت و تجوید پر ڈھائی سو کتابیں بغداد۔ دمشق۔ مدینہ منورہ۔ مصر اور اندلس کے علماء کی محنت اور تحقیق سے تصنیف و تالیف ہوئیں۔ ان میں سے ہر کتاب کا مصنف اپنے زمانے میں آفتاب کی طرح تاباں تھا۔ ہر ایک نے عرصۂ دراز تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔

بے انتہا خلق خدا فیض یاب ہوتی رہی۔ ان مصنفین کے علاوہ مقریین کی تعداد بھی بے انتہا تھی۔ جنہوں نے اپنی عمریں صرف تجوید و قراءت کے پھیلانے میں صرف کر دیں۔ تمام ممالک اسلامی میں مسلمانوں نے سلسلہ متواترہ۔ مشہورہ۔ مسلسلہ۔ متصلہ سے قرآن سیکھنے سکھلانے میں جو جد و جہد صرف کی اور شغف ظاہر کیا ان کا صحیح اندازہ ہو جانے سے اس کی اہمیت سمجھ میں آجاتی ہے۔ ائمہ قراءت اور ان کے راویوں کی مرکزی شخصیتیں ان کے بعد پانچویں صدی میں علامہ سلیمان دانی۔ چھٹی صدی میں ابوالقاسم محمد بن فیرہ شاطبی۔ ان کے بعد عبد الصمد سخاوی کی شخصیت و مقبولیت۔ ان کے بعد ساتویں صدی میں علامہ ابو شامہ۔ آٹھویں صدی میں علامہ جعبری کی شخصیت۔ نویں صدی میں علامۃ الجزری کی مرکزی حیثیت پھر ابو یحییٰ زکریا الانصاری کی شخصیت۔ پھر علامہ جلال الدین سیوطی پھر ملا علی قاری کا وجود باجود پھر سید علی النوری الصفاقسی کی کتاب غیث النفع پھر شمس متولی کی وجوہ المفسرہ یہ سب پیش نظر رکھنے کی چیزیں ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اب تک جن سلسلوں سے قرات عشرہ اس ہیچمدان تک پہونچیں ان کے منجملہ مثالاً حضرت عاصم کی قراءت کا ایک سلسلہ درج ذیل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

عثمان بن عفان ۔ عبد اللہ بن مسعود ۔ علی بن ابی طالب ۔ ابی بن کعب ۔ زید بن ثابت

ابو مریم زر بن حبیش ۔ سعد بن ایاس ۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن حبیب سلمی

الاسدی

الشیبانی

امام عاصم کوفی (وفات ۱۲۷ھ)

ابوبکر شعبہ

یحیی بن آدم

شعیب ابن ایوب الصریفینی

حفص بن سلیمان

علی بن محمد عبد اللہ بن الصباح

ابو العباس احمد بن سہل الاشنانی

یوسف بن یعقوب الواسطی | ابوالحسن علی بن محمد الہاشمی

اسحاق ابراہیم البغدادی

ابوالحسن عبدالباقی | ابوالحسن الطاہر بن غلبون المقری

ابوالفتح فارس الحمصی

ابوعمرو بن سعید بن عثمان الدانی (وفات ۴۴۴ھ)

ابوداؤد سلیمان بن نجاح اندلسی

ابوالحسن علی بن ہذیل البلنسی

ابوالقاسم علی بن عثمان الرعینی الشاطبی ولادت ۵۳۸ھ وفات ۵۹۰ھ

الشاطبی

علی بن شجاع العباسی

عبدالخالق الصائغ

عبدالرحمن بن احمد البغدادی

ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد الجزری وفات ۸۳۳ھ

محمد بن علی النویری۔

شیخ الاسلام ابویحیٰی زکریا الانصاری

ناصر بن طبلاوی

شحادۃ الیمنی

سیف الدین عطاء اللہ الفضالی ۱۰۲۰ھ

سلطان بن احمد المزاحی

سالسی مؤنیتہ التونسی

ابواسحاق ابراہیم الجمل

|

محمد البنانی

|

ابو محمد حمودہ بن محمد بن ادریس الشریف الحسینی ۱۱۶۹ھ

|

محمد المشاط

|

محمد بن الرائس

|

محمد الشاذلی الصرام

|

حبیب محمد بن حمودہ الدراجی

|

سید محمد احمد التونسی ۱۳۲۴ھ

|

قاری محمد ابراہیم

|

میر روشن علی حیدرآبادی

|

مرزا بسم اللہ بیگ

۸۹ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتک ساڑھے تیرہ سو برس کی اشاعت قراءت و تجوید کے واقعات وحالات آپ کے سامنے مختصر طور پر پیش کر دیئے تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ:-

(۱) قرآن مجید کا صحیح پڑھنا اور پڑھانا۔ حروف کی صحیح ادائی۔ حروف و حرکات و مدود کی مدت کی پابندی تحفظ صوت النبی یہ سب چیزیں کیا اہمیت رکھتی ہیں۔

(۲) تجوید کا سیکھنا اور سکھانا علوم دین اور امور دینیہ میں بہت بڑا اور اعلیٰ مقام رکھتاہے۔ نیز اس کا سیکھنا دوسرے علوم کے مقابلہ میں خاص فوقیت رکھتاہے۔

(۳) مستند اساد سے تجوید سیکھنا۔ جس نے متواترہ۔ مشہورہ۔ مسلسلہ و متصلہ طریقے سے استاد در استاد مشافہتہً حاصل کیا ہو لازمی ہے۔

(۴) ہم نے اوپر قراءت کے سلسلہ کی سند اس لئے بتادی کہ اس کی اہمیت واضح ہوجائے ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ یہ معلوم کرنے کا نہیں ہے کہ قرآن متواترہ۔ مشہورہ۔ مسلسلہ۔ متصلہ طریقے سے ہم تک پہونچا بھی ہے یا نہیں جب قرآن کا مدار نقل پر ہے تو نقل صحت اور سند کے ساتھ پہنچنا چاہئے۔

(۵) امام کسائی کا وہ قول بھی کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ کلام الٰہی کا حصر تحریری الفاظ یا رسم الخط سے نہیں کیا جاسکتا اور اس کو مشافہتہً ہی حاصل کرنا ضروری ہے۔

(۶) تعلیم و تعلم و تصانیف کا لمبا سلسلہ بتاتا ہے کہ ہمارے سیکھنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کر دی گئی ہیں۔ ہمارے لئے زیادہ جد وجہد یا سفر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور نہ سفر کی وہ صعوبتیں ہیں۔ اب تو بس ارادہ شرط ہے۔

(۷) ہر اسلامی ملک میں بلکہ روئے زمین کے ہر حصے پر مستند قاری و مقری پہونچتے رہے۔ کوئی حصہ ان سے چھوٹا نہیں۔ ہم سیکھنے کا ارادہ کریں تو کوئی دشواری حائل نہ ہوگی۔

(۸) کوئی علم یا فن صرف کتابوں میں رہ کر زندہ نہیں رہتا بلکہ جاننے والوں کے سینے میں محفوظ ہو کر زندہ رہتا ہے اگر وہاں سے نکل جائے تو پھر مردہ ہو جاتا ہے۔ تجوید و قراءت یا صوت النبی اب تک سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آرہی ہے۔ اس زمانے کے لوگوں کے سینوں کو کشادہ ہو کر اس کو لینا چاہئے اور آنے والی نسلوں کو پہچانا چاہئے۔ گزشتہ اور آئندہ کی درمیان کی کڑی آپ ہیں اگر ایک اہم کام ساڑھے تیرہ سو برس سے ہوتا آئے اور وہ ہماری غفلت سے آگے نہ بڑھ سکے۔ یا دوسروں کے ذریعہ سے بڑھے اور اس میں ہمارا حصہ نہ ہو تو یہ ہماری حرماں نصیبی ہے چمن محمدی بہر حال سرسبز و شاداب رہے گا۔ لیکن اس کی سیرابی میں اگر ہمارا حصہ نہ ہو تو یہ مقام افسوس ہوگا۔ لہذا ہمارا آپ کا اور اس زمانے کے تمام مسلمانوں کا اولین فریضہ قرآن مجید کو صحیح طریقہ سے حاصل کرنا اور آنے والے لوگوں تک پہونچانا ہے۔ اگر ہم نے کوشش کر کے خود حاصل کیا۔ مگر آخری کڑی بن کر رہ گئے دوسروں تک نہ پہونچایا تو بھی بُری بات ہے۔ امانت کی بے قدری ہے۔ نعمت کی حق ناشناسی ہے ع

ما امینم این متاع مصطفٰےؐ است

اس ذمہ داری سے قاصر رہنا حضور اکرمؐ کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شاہد کو غائب تک پہونچانے کی پابندی عائد کر دی ہے

دیئے سے دیا روشن ہوتا ہے۔ آپ بھی شمع نبوی آگے بڑھائیے اسی میں سعادت ہے۔ اسی میں برکت ہے۔ اسی میں نجات اخروی ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

قرآن مجید مع حواشی سبعہ

ف ۹۰ قرآن مجید پر سبعہ یا عشرہ کا حاشیہ اس وقت درج کیا جاتا ہے جب کوئی قاری ایک روایت سے ختم کر کے سبعہ کے اصول و فروع سے

واقف ہو جاتا ہے۔ اور قراءت سبعہ یا عشرہ سیکھ چکتا ہے۔ اب بھی عمل درآمد یہی ہے۔ اس لئے جب کسی قاری کا قرآن شریف اس قسم کے حواشی کے ساتھ دیکھنے میں آئے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قاری ہفت قراءت ہے۔ اور اس نے یہ حاشیہ اپنی سہولت قراءت کی خاطر لکھا ہو گا۔

یہ بات اس لئے بیان کر دی گئی ہے کہ میں نے پچاس سے زیادہ ایسے نسخوں کے حوالے دیئے ہیں۔ مختلف ادوار کے ایسے قرآن شریف جا بجا ملتے ہیں جن پر سبعہ کے حواشی درج ہیں جن صاحب کے پاس قرآن مجید کا ایسا نسخہ پایا جائے ان کے متعلق تو ایسا کوئی قیاس نہیں کیا جا سکتا مگر جن صاحب نے اپنی قلم سے حواشی لکھے ہیں ان کے متعلق یہ قیاس تو حق بجانب ہو گا کہ وہ سبعہ کے قاری تھے۔ اگر کسی دور میں ایسے قرآن مجید کی طباعت بھی کی گئی ہو تو یہ اس امر کا ثبوت ہو گا کہ اس حلقے کے عوام میں قراءت سبعہ کے جاننے والوں کی کثرت کی وجہ سے ان کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے یہ طباعت ہوئی ہو گی۔ چنانچہ قراءت سبعہ کے حاشیہ والے قرآن شریف کا تین مرتبہ لکھنؤ سے طبع ہونا اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ اس علاقے میں سبعہ کے جاننے والے قراء کثرت سے تھے۔ اس لئے اس کی مانگ تھی۔ اور مطبع والوں نے ان کی ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے طباعت کی جراءت کی۔

اسی طرح میور پریس دہلی سے قرآن شریف کے اسی قسم کے ایک نسخہ کا دوبارہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد طبع ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ دہلی اور اطراف میں بھی ایسے قرآن شریف کی مانگ تھی۔

اسی طرح ساڈھوڑے ضلع انبالہ سے سبعہ کے حاشیہ والا قرآن شریف طبع ہوا۔

اور ایک مرتبہ شہر مدراس سے بھی ایسا ہی قرآن مجید طبع ہوا۔ اور ان سب مقامات پر سبعہ کا اچھا خاصہ چرچا تھا۔

۹۱ غرض سبعہ کے حواشی کے قرآن مجید کا پایا جانا ایک اہم نشانی ہے۔ اس لئے سبعہ کے حاشئے والے جتنے قرآن شریف ملتے گئے میں نے ان کا ذکر کر دیا ہے۔ اسی طرح عربی۔ فارسی۔ اور تجوید و قراءت کے رسالوں کا ہندوستان میں طبع ہونا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ عوام کا رجحان تجوید سیکھنے کی جانب ہے۔ ورنہ استادان تجوید کیوں یہ کتابیں طبع کرانے کی زحمت گوارا کرتے۔

ہندوستان میں تجوید و قراءت کی اشاعت و استادانِ فن کی جدوجہد کا صحیح اندازہ لگانے

کے لئے ناظرین کرام ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھیں۔

و۹۲ ۔ اتنا اور عرض کر دوں کہ میں نے جو مشاہیر قرائے ہند کے حالات لکھے ہیں ان میں بہت سے اصطلاحی الفاظ آئیں گے جن کے سمجھنے کے لئے یہ ابتدائی خلاصہ ضروری تھا اس لئے درج کیا گیا۔ تاکہ تجوید سے ناواقف بھی بے بہرہ نہ رہے اور مجوّدین کرام سے جن کے لئے یہ حصہ جاننا غیر ضروری ہے ان سے معافی کا خواستگار ہوں تاہم ان کے بچوں کے لئے جاننے کا اچھا ذریعہ بن سکے گا۔

باب چہارم

خلاصہ مشاہیر خدام قراءت کلام اللہ مع تصانیف بیرون ہند

اوّل صدی ہجری	حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **صحابہ مہاجر** سیدنا ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ طلحہؓ۔ سعدؓ عبداللہ ابن مسعودؓ۔ حذیفہؓ۔ ابوموسیٰ اشعریؓ سالمؓ۔ ابوہریرہؓ۔ عبداللہ ابن عمرؓ۔ عبداللہ ابن عباسؓ۔ ابن زبیرؓ۔ عمرو بن العاصؓ۔ معاویہؓ عبداللہ بن السائبؓ۔ عبادہ بن صامتؓ ابوخزیمہؓ۔ ابوربیعہؓ عائشہ صدیقہؓ۔ حفصہؓ۔ ام سلمہؓ **صحابہ انصار** سیدنا ابی بن کعبؓ۔ معاذ بن جبلؓ ابودرداؓ۔ زیدؓ۔ ابوذرؓ۔ مجمع بن جاریہؓ انس بن مالکؓ۔ ابوایوب انصاریؓ ابوجعفرؓ۔ الاعرجؓ۔ شیبہؓ۔ مسلمؓ۔ ابورجؓ المخزومیؓ۔ مجاہدؓ۔ درباسؓ۔ خلانؓ۔ ابوالعالیہؓ	

ابوالاسودؒ۔ المغیرہؒ۔ السلمیؒ۔ الاسدیؒ۔
شیبانیؒ۔ ابن ابی لیلیٰؒ۔ الریاحیؒ

امام	واسطے	راوی
نافع مدنیؒ		قالونؒ۔ ورشؒ
ابن کثیر مکیؒ	القسط۔ وہب۔ القواس	بزیؒ۔ قنبلؒ
ابوعمرو بصریؒ	الیزیدی	دوریؒ۔ سوسیؒ
ابن عامر شامیؒ	الزہاری۔ التیمی	ہشامؒ۔ ابن ذکوانؒ
عاصمؒ		ابوبکر شعبہؒ۔ حفص بن سلیمانؒ
حمزہؒ	سلیم	خلفؒ۔ خلادؒ
کسائیؒ		ابوالحارث لیثؒ۔ دوری علیؒ
ابوجعفرؒ		ابن وردانؒ۔ ابن جمازؒ
یعقوبؒ		رویسؒ۔ روحؒ
خلفؒ		اسحاقؒ۔ ادریسؒ

ابونشیطؒ۔ الاشعثؒ۔ الازرقؒ۔
الربعیؒ۔ ابن مجاہدؒ
ابوالزعراءؒ۔ ابوعمرانؒ
الحلوانیؒ۔ الاخفشؒ
یحییٰ ابن آدمؒ۔ النشمیلیؒ
ادریسؒ۔ ابن شاذانؒ
ابن یحییٰؒ۔ النصیبیؒ۔ الحلوانیؒ
ابن جعفرؒ۔ التمارؒ۔ ابن وہبؒ
الطوسیؒ۔ المطوعیؒ

تیسری صدی	(۱) ابوعبید قاسم ابن اسلام	کتاب القراءت (۲۵ قرآنوں میں)
	(۲) ابوحاتم سہل ابن محمد بن عثمان سجستانی نحوی بصری	کتاب القراءت (وفات ۲۴۸ھ)
	(۳) قاضی اسمٰعیل ابو اسحاق بن اسحاق بن اسمٰعیل (۱۷۹ھ - ۲۸۲ھ)	شاگرد قالون (۱) کتاب القراءت (۲) احکام القرآن (۳) معانی القرآن
	(۴) ثعلب ابوالعباس احمد بن یحییٰ شیبانی کوفی (۲۰۰ھ - ۲۹۱ھ)	(۱) کتاب القراءت (۲) کتاب الشواذ
	(۵) احمد بن جبیر بن محمد کوفی نزیل انطاکیہ متوفی ۲۵۸ھ	(۱) کتاب القراءت
	(۶) عبداللہ ابن مسلم نحوی بغدادی متوفی ۲۷۶ھ	(۱) آداب القراءت
چوتھی صدی	(۱) طبری ابوجعفر محمد ابن جریر ابن کثیر ۲۲۴ھ مورخ گزرے ہیں۔ ۳۱۰ھ	(۱) الجامع
	(۲) داجونی ابوبکر محمد بن احمد بن عمر بن سلیمان وفات ۳۲۴ھ	کتاب القراءت
	(۳) ابوبکر ابن مجاہد	کتاب السبعہ
	(۴) عبدالواحد	(۱) البیان
	(۵) نقاش	(۱) کتاب السبعہ (۲) معجم کبیر (۳) معجم اوسط (۴) معجم صغیر
	(۶) شذائی ابوبکر احمد بن نصر عبدالمنعم (وفات ۳۷۰ھ)	کتاب القراءت (ابن بویان - داجونی ابن شنبوذ سے سیکھا۔
	(۷) ابوعلی الحسن بن احمد بن عبدالغفار بن محمد بن سلیمان بن ابان	الفارسی - آپ شاگرد تھے - ابوبکر محمد السراج کے بھی ابراہیم بن السہل کے - کتاب الحجہ فی القراءت سبعہ تین جلدوں میں (مشہور نحوی تھے) یہ کتاب خدابخش کی لائبریری میں

(۸) ابوبکر احمد بن حسین ابن مہران وفات ۳۸۱ھ	(۱) الغایہ فی العشرہ (۲) شامل (ابن بویان۔ ابوبکر بن مقسم بکار استاذوں سے پڑھا)
(۹) دارقطنی ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بغدادی ولادت ۳۰۶ھ وفات ۳۸۵ھ	کتاب القراءات
(۱۰) ابوالطیب عبدالمنعم بن عبیداللہ بن غلبون بن مبارک حلبی ثم المصری وفات ۳۸۹ھ	(۱) ارشاد فی العشرہ (۲) معدّل معلم قراۃ (ابوسہل وراق کے شاگرد)
(۱۱) ابوالحسن طاہر ابن امام ابوطیب عبدالمنعم	(۱) تذکرہ فی الثمان (یعقوب کا اضافہ کیا)
(۱۲) ابوالفتاح	منشاء القراءات (آٹھویں ابوجعفر)
(۱۳) ابن السراج شمس الدین محمد ابن اسدی مصری۔ متوفی ۳۱۶ھ	احتجاج القراء
(۱۴) ابن خالویہ حسین بن عبداللہ نحوی متوفی ۳۷۰ھ	(۱) کتاب القراءات (۲) شرح کتاب السبعہ ابن مجاہد
(۱۵) ابوعلی حسن بن احمد فارسی متوفی ۳۷۷ھ	ابن مجاہد کی کتاب السبعہ کی شرح تین جلدوں میں۔
(۱۶) ابوالحسن طاہر بن احمد نحوی بغدادی المتوفی ۳۸۰ھ	تذکرہ فی سبعہ
(۱۷) عبداللہ بن محمد اسدی نحوی وفات ۳۹۲ھ	المفصح
(۱۸) ابوالفتح عثمان بن جنی نحوی شاگرد الفارسی ولادت ۳۳۰ھ متوفی ۳۹۲ھ	المحتسب شرح الشواذ (ابن مجاہد کی) یہ قلمی کتاب خدابخش خاں کی لائبریری میں موجود ہے۔
(۱۹) ابوعثمان سعید بن محمد معروف بہ ابن حداد قیروانی مقتول ۳۰۰ھ	توضیح المشکل

پانچویں صدی

(۱) خزاعی ابوالفضل محمد بن جعفر متوفی ۴۰۸ھ	(۱) المنتہی فی العشر (ابو احمد سامری مطوعی شنذائی سے سیکھا)
(۲) ابو عبداللہ محمد بن سفیان قیروانی مالکی نزیل مکہ۔ متوفی ۴۱۵ھ	(۱) الہادی فی سبعہ (ابن غلبون کے شاگرد مہدوی کے استاد)
(۳) ابوالقاسم عبدالجبار ابن احمد ابن عمر طرسوسی نزیل مصر۔ متوفی ۴۲۰ھ	المجتبیٰ (ابو احمد سامری۔ ابوبکر اذفوی ابن نفیس کے شاگرد ہیں۔
(۴) ابو عمر احمد ابن عبداللہ بن طالب طلمنکی قرطبی اندلسی متوفی ۴۲۹ھ	الروضہ فی العشرہ (ابن غلبون کے شاگرد)
(۵) احمد بن ابی العباس مہدوی وفات ۴۳۰ھ	(۱) الہدایہ فی السبعہ (۲) التیسیر (ابوالحسن قنطری ابو عبداللہ قیروانی کے شاگرد)
(۶) ابو محمد مکی ابن ابی طالب قیروانی ثم الاندلسی قرطبہ میں وفات ۴۳۷ھ	(۱) تبصرہ فی السبعہ (۲) تذکرہ (۳) شرح ابن الفارسی (۴) کتاب الادغام (۵) کشف (۶) موجز (۷) یاءات مشددہ
(۷) ابوعلی الحسن محمد ابن ابراہیم مالکی بغدادی نزیل مصر وفات ۴۳۸ھ	(۱) الروضہ فی العشرہ (۲) قراۃ اعمش
(۸) ابونصر بن مسرور بن عبدالوہاب بغدادی۔ متوفی ۴۴۲ھ	(۱) المغید فی العشرہ
(۹) حافظ ابو عمرو عثمان ابن سعید ابن عثمان ابن سعید اموی وانی اندلسی ۳۷۱ھ وفات ۴۴۴ھ	(۱) جامع البیان (چار جلدوں میں) خدابخش خان کی لائبریری میں قلمی نسخہ موجود ہے (۲) تمہید (۳) مفردہ یعقوب (۴) الایجاز (۵) الموضح فی الفتح والامالہ (۶) المحتوی فی الشواذ (۷) المقنع فی الرسم (۸) التیسیر سات نسخے (۹) طبقات القراء (۱۰) کتاب التہذیب (خدابخش خاں کی لائبریری میں موجود ہے)

(۱۰) ابوالفتح عبدالواحد حسین بن شیطا بغدادی متوفی سنہ ۴۴۵ھ	تذکار فی العشر
(۱۱) ابوعلی الحسن ابن علی بن ابراہیم بن یزداذ بن ہرمز ہوازی نزیل دمشق متوفی سنہ ۴۴۶ھ نوٹ (۳) اور (۵) خدابخش خاں کی لائبریری میں موجود ہیں۔	(۱) ابوجیزنی الثمان (۲) مفردات السبعہ (۳) الایضاح الرموز و مفتاح النور (۵) الموجز (۶) النیر الجلی فی قراءت زید ابن علی (۷) جامع المشہور (۸) قراءت حسن (۹) قراءت ابن محیصن (۱۰) الاقناع فی الشواذ
(۱۲) ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن حسن بن سعید، خزرجی قرطبی اندلسی۔ متوفی سنہ ۴۴۶ھ	القاصد
(۱۳) ابونصر منصور بن عراقی	کتاب الاشارہ
(۱۴) ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن علی بن فارس بغدادی خیاط سنہ ۴۵۰ھ	(۱) الجامع فی العشرہ (جو خدابخش کی لائبریری میں موجود ہے) (۲) قراءت اعمش
(۱۵) ابوطاہر اسمعیل بن خلف بن سعید بن عمران انصاری۔ مصر میں وفات سنہ ۴۵۵ھ	(۱) العنوان سبعہ کی بہترین کتاب (۲) الاکتفاء (۳) شرح کتاب السبعہ مصنفہ ابن فارسی کا خلاصہ
(۱۶) ابوالحسین نصر بن عبدالعزیز بن احمد فارسی مصر میں متوفی سنہ ۴۶۱ھ	الجامع فی العشر
(۱۷) ابوعمر یوسف ابن عبداللہ ابن محمد ابن عبداللہ بن عاصم نمری مالکی قرطبی اندلسی ولادت سنہ ۳۶۸ھ وفات سنہ ۴۶۳ھ	(۱) مدخل فی القراءت (۲) الاکتفا
(۱۸) ابوالقاسم یوسف بن علی بن جبارہ بن محمد بن عقیل ہذلی نزیل نیشاپور وفات سنہ ۴۶۵ھ	کامل (۵۰ قراء توں میں) (۳۶۵) شیوخ سے پڑھا۔

	(۱۹) ابوعبداللہ شریح بن احمد بن محمد بن شریح رعینی اندلسی اشبیلی۔ اشبیلیہ میں وفات سنہ ۴۷۶ھ	الکافی سبعہ میں مشہور متن ہے۔
	(۲۰) ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد بن محمد بن علی بن محمد طبری شافعی نزیل مکہ سنہ ۴۷۸ھ	(۱) تلخیص فی الثمان (۲) السوق العروس
	(۲۱) ابواسمٰعیل موسیٰ بن حسین	الروضہ
	(۲۲) ابوالحسن علی بن عبدالغنی حصری سنہ ۴۸۸ھ	قصیدہ حصریہ (نافع کی قراءت میں)
	(۲۳) ابوالحسین یحییٰ بن ابراہیم بن بیازمری اندلسی سنہ ۳۹۴ھ - ۴۹۶ھ	النبذ النامیہ فی الثمان
	(۲۴) ابوطاہر احمد بن علی بن عبیداللہ بن عمر بن سوار بغدادی سنہ ۴۹۶ھ	المستنیر فی العشرہ اس کا قلمی نسخہ خدابخش خاں کی لائبریری میں موجود ہے۔
چھٹی صدی	(۱) ابومنصور محمد بن احمد بن علی الخیاط بغدادی سنہ ۴۹۹ھ	
	(۱) ابوعلی الحسن بن خلف بن عبداللہ بن بلیمہ ہواری قیروانی نزیل اسکندریہ متوفیٰ سنہ ۵۱۴ھ	تلخیص العبارات
	(۲) ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن ابی بکر عتیق بن خلف بن الفحام صقلی۔ اسکندریہ میں وفات سنہ ۵۱۶ھ	(۱) التجرید فی السبعہ (۲) مفردہ یعقوب
	(۳) ابوالعز محمد بن حسین بن بندار قلانسی واسطی واسط میں وفات سنہ ۵۲۱ھ	(۱) ارشاد المبتدی (۲) کفایہ کبریٰ
	(۴) ابومنصور محمد بن عبدالملک بن حسن ابن خیرون عطار بغدادی حصری وفات سنہ ۵۳۹ھ	(۱) المفتاح (۲) الموضح
	(۵) ابوجعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف بن باذش انصاری غرناطی اندلسی نحوی وفات سنہ ۵۴۰ھ	(۱) الغایہ (۲) الاقناع

(۶) ابو محمد عبداللہ بن علی بن احمد بن عبداللہ بغدادی سبط الخیاط۔ وفات ۵۴۱ھ	(۱) تبصرہ (۲) ارادۃ الطالب عشرہ میں (۳) کفایہ فی الست (۴) ایجاز (۵) المبہج فی الثمان
(۷) ابو الکرم مبارک بن حسن ابن احمد بن علی بن فتحان شہزوری بغدادی وفات ۵۵۰ھ	المصباح الزاہر فی العشرۃ المتواترۃ
(۸) ابو عبداللہ محمد بن طیفور السجاوندی وفات ۵۶۰ھ	وقوف سجاوندی
(۹) ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم حضرمی یمنی ۵۶۰ھ	المقیدیہ ابو معشر طبری کی تلخیص کا خلاصہ
(۱۰) ابو العلاء حسن بن احمد ہمدانی ۵۶۹ھ	غایۃ الاختصار فی العشرہ (۲) مفردہ لیعقوب، الجزالامانی ووجہ التہانی (۱۱۷۳ اشعار میں)
(۱۱) ابو القاسم محمد بن فیرہ بن ابی القاسم خلف ابن احمد رعینی الشاطبی اندلسی ۵۳۸ھ ۵۹۰ھ	
(۱۲) حسین بن محمد بن راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ	احتجاج القراء
(۱۳) حسین بن محمد دیاس بکری ادیب متوفی ۵۲۲ھ	الشمس المنیرہ فی السبعہ
(۱۴) ابو عبداللہ محمد بن سلیمان مالقی متوفی ۵۲۵ھ	تعلیل
(۱۵) نور الدین جامع ابو الحسن علی بن الحسین بن علی باقولی متوفی ۵۴۳ھ	کشف
(۱۶) ابو جعفر احمد بن علی متوفی ۵۴۲ھ	الحیط
(۱۷) ابو محمد بن محمد بن عبداللہ اشبیلی قلیعی متوفی ۵۵۳ھ	الایماء

	(۱۸) ابو العلا، محمد بن ابی المحاسن بن ابی الفتح کرمانی متوفی ۵۶۳ھ	المفاتیح
	(۱۹) ابو عبد اللہ محمد بن احمد مغافری اندلسی متوفی ۵۹۱ھ	قصیدہ فی السبعہ بلا رموز
	(۲۰) ابو الفتح مبارک بن احمد بن رزاق واسطی بن صداد مقری متوفی ۵۹۶ھ	خیرہ فی العشر
	(۲۱) علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن جوزی ۵۹۷ھ	تذکرہ
	(۲۲) حرجی بن یونس غافقی متوفی ۶۰۰ھ	قصیدہ حصریہ کی شرح
ساتویں صدی	(۱) ابو القاسم عیسٰی بن عبد العزیز لخمی اسکندری اندلس میں وفات ۶۲۹ھ	الجامع الاکبر والبحر الازخر (اتنا ذخیرہ کسی نے جمع نہیں کیا تھا۔
	(۲) ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد المجید صغرائی اسکندری، اسکندریہ میں وفات ۶۳۶ھ	اعلان فی السبعہ (التیسیر وشاطبیہ کی ہم مرتبہ کتاب ہے)
	(۳) علم الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الصمد سخاوی مصری نزیل دمشق شافعی ۶۴۳ھ نوٹ:۔ شاطبیہ کی شرح خدا بخش خاں کی لائبریری میں موجود ہے۔	(۱) شاطبیہ کی پہلی شرح (۲) جمال القرا (۳) اقوی العدد (۴) الطود الراسخ (۵) نثر الدرر (۶) منہاج التوقیف (۷) مراتب الاصول (۸) وسیلہ شرح عقیلہ (۹) ہدایت المرتاب (۱۰) افصاح مفردہ یعقوب
	(۴) ابو محمد عبد الباری بن عبد الرحمٰن بن عبد الکریم صعیدی اسکندری متوفی ۶۵۰ھ	
	(۵) شعلہ کمال الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد موصلی حنبلی ۶۵۶ھ	(۱) الشمعہ المضیہ فی السبعہ (۲) کنز المعانی شرح شاطبیہ
	(۶) علم الدین ابو محمد قاسم بن احمد بن موفق بن لورقی اندلسی نزیل دمشق سیف المناظر ۶۶۱ھ	(۱) المفید (شرح شاطبیہ)

(٧) ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن عثمان مقدسی دمشقی شامعی عرف ابو شامہ ۵۹۹ھ - ۶۶۵ھ	(١) ابراز المعانی (شرح شاطبیہ نفیس ہے) (٢) مفردہ اور بہت سی کتابیں
(٨) جمال الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن مالک نحوی جیانی اندلسی نزیل دمشق (صرف نحو میں قصیدہ الفیہ یادگار ہے) وفات ۶۷۲ھ	(١) حرز المعانی عرف قصیدہ دالیہ
(٩) ابوالعباس احمد بن علی اندلسی متوفی ۶۴۰ھ	شرح شاطبیہ
(١٠) مجیب الدین ابوعبداللہ محمد بن محمود بن نجار بغدادی ۶۴۳ھ	″
(١١) منتخب الدین حسین ابن ابی العزیز رشید ہمدانی اسکندری ۶۴۳ھ	″
(١٢) ابوعبداللہ محمد بن حسن بن محمد فارسی متوفی ۶۷۲ھ	″
(١٣) عماد الدین ابوالحسن علی بن یعقوب بن شجاع بن زہران موصلی ۶۸۲ھ	″
(١٤) تقی الدین یعقوب بن بدران جرائدی متوفی ۶۸۸ھ	″
(١٥) عبدالظاہر بن نشوان رومی متوفی ۶۹۹ھ	عنوان کی شرح
(١٦) ابن ابومکارم احمد بن محمد متوفی ۶۵۳ھ	(١) المبہرہ فی العشرہ (٢) المجہرہ فی العشرہ منظوم
(١٧) موفق الدین ابوالعباس احمد بن یوسف کواشی موصلی ۶۸٠ھ	(١) المواقیت فی القراءات

آٹھویں صدی	(۱) علامہ جعبری برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن عمر بن ابراہیم بن خلیل (ابو شامہ کے شیخ۔ علامہ الجزری کے شیخ الشیخ) وفات ۷۳۲ھ	(۱) کنز المعانی بہترین شاطبیہ ۶۹۱ھ میں (۲) احکام الہمزہ۔ لہشام وحمزہ (۳) الشرعة فی السبعہ (۴) نزہتہ البراہ فی العشرہ (۵) نہج الابانہ منظوم تین قراءتوں میں (۶) خلاصہ الابحاث فی شرح نہج الابانہ (۷) رسالہ شواذ (۸) رسالہ النحل الناع فی حل المشکل الواضح (تین نسخے خدا بخش خاں لائبریری میں ہیں۔)
	(۲) شرف الدین ابو القاسم ہبۃ اللہ ابن عبد الرحیم بارزی حموی شافعی (امام ابو المعالی کے شیخ اور الجزری کے شیخ الشیخ) حماۃ میں وفات ۷۳۸ھ	(۱) شرح شاطبیہ (۲) الشرعہ فی السبع
	(۳) نجم الدین ابو محمد عبد اللہ بن المومن بن وجیہ واسطی ۷۴۰ھ	(۱) کفایہ منظوم (۲) الکنز (۳) المختار
	(۴) ابو الحسن علی بن محمد بن بی سعد دیوانی واسطی ۷۴۳ھ	(۱) روضتہ التقدیر فی الخلف بین الارشاد والتیسیر (۲) جمع الاصول فی المشہور والمنقول
	(۵) ابو حیان شیخ النحاۃ والمحدثین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان غرناطی اندلسی ۶۵۴ھ ہجری پیدائش شمار ش پانچسو شیوخ سے پڑھا۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۷۴۵ھ میں قاہرہ میں وفات	(۱) قراءات سبعہ و یعقوب کے آٹھ قصیدے۔ النافع۔ الاثیر۔ المورد والقمر۔ المزن الہام۔ الروض الباسم۔ الرمزہ۔ تقریب النائی۔ غایت المطلوب۔ عقد اللآلی فی السبع العوالی۔
	(۶) سیف الدین ابو بکر عبد اللہ۔ ابد غدی بن عبد اللہ شمسی قاہری مصری وفات ۷۶۵ھ	(۱) بستان ثلاثہ فی العشرہ (۲) شرح جعبری علی الشاطبی

(۷) ابو محمد عبدالواحد بن محمد بن علی باہلی اندلسی متوفی ۷۰۵ھ	دانی کی تیسری شرح
(۸) علاء الدین علی بن احمد متوفی ۷۰۶ھ	شرح شاطبیہ لکھی
(۹) ابن الطیب یوسف بن ابی بکر میت الاباری متوفی ۷۲۵ھ	〃
(۱۰) شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن عبدالولی بن جبارہ مقدسی ۷۲۸ھ	〃
(۱۱) ابن ام قاسم بدرالدین حسن بن القاسم مرادی مصری متوفی ۷۴۹ھ	〃
(۱۲) شہاب الدین احمد بن یوسف حلبی متوفی ۷۵۶ھ	〃
(۱۳) الشریف عبداللہ بن محمد حسین متوفی ۷۷۶ھ	〃
(۱۴) تقی الدین عبدالرحمٰن بن احمد واسطی متوفی ۷۸۱ھ	〃
(۱۵) ابوالحسن علی بن عمر بن ابراہیم کنانی قیجاتی اندلسی متوفی ۷۲۳ھ	التکملہ المفیدہ
(۱۶) فخر الدین احمد بن علی بن احمد معروف ابن فصیح ہمدانی متوفی ۷۵۵ھ	تکملہ النظیرہ
(۱۷) عبدالصمد تبریزی متوفی ۷۶۵ھ	شاطبی کا اختصار
(۱۸) امین الدین عبدالوہاب بن احمد بن وہبان دمشقی۔ حنفی ۷۶۸ھ	(۱) الدرالجلائیہ۔ شاطبیہ کا خلاصہ ہے (۲) عمدۃ الخلف (خلف کی دسویں قراءت) (۳) لذۃ السمع فی السبعہ
(۱۹) ابوجعفر احمد بن حسن مالقی نحوی متوفی ۷۲۸ھ	
(۲۰) ابوعبداللہ محمد بن محمد بن علی بن ہمام متوفی ۷۴۵	علم الاہتدا
(۲۱) ابوعبداللہ محمد بن سلیمان مقدسی بکری شامی ۷۸۱ھ	النجوم الظاہر فی السبعہ

	(۲۲) طاہر بن عرب شاہ بن احمد اصبہانی متوفی ۷۸۶ھ	(۱) قصیدہ طاہریہ فی العشریہ (۲) قصیدہ اختلاف آیات
	(۲۳) زین الدین مریحا ابن محمد طلی متوفی ۷۸۸ھ	(۱) نہایت الجمع فی السبعہ (۲) احکام السبعہ
	(۲۴) نور الدین ابو البقا علی بن عثمان بن محمد بن احمد بن الحسن القاصح عذری بغدادی ۸۰۱ھ	(۱) سراج القاری (۲) مصطلح الاشارات (۳) العلویہ فی السبعہ (۴) شرح العلویہ (۵) قرۃ العین فی الفتح والامالہ وبین اللفظین۔
نویں صدی	(۱) ابو الخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف الجزری دمشقی ثم الشیرازی شافعی پیدائش (دمشق) ۷۵۱ھ وفات (شیراز) ۸۳۳ھ	(۱) اصول القراءت (۲) علی التیسیر (۳) الدرہ علی شاطبیہ (۴) الطیبہ فی القراءت منظوم (۵) غایۃ المبہرہ فی الزیادہ علی العشرہ (۶) قراءت شاذ منظوم (۷) النشر فی العشر (۸) تقریب نشر کا خلاصہ (۹) مقدمہ جزریہ تجوید میں (۱۰) الدہندا فی الوقف والابتدا (۱۱) طبقات القراء صغریٰ (۱۲) طبقات القراء کبریٰ۔
	(۲) کمال الدین احمد متوفی بعد ۸۰۶ھ	فوائد منظفریہ
	(۳) شہاب الدین احمد بن محمد بن سعید یمنی شرعی متوفی ۸۲۰ھ	شاطبیہ پر تکملہ
	(۴) اسمعیل بن اسحٰق ازدی متوفی ۸۲ھ	مسند القراءت
	(۵) محمد بن محمد بن عرفہ ورغمی تیونسی مالکی متوفی ۸۲۳ھ	قراءت یعقوب منظوم
	(۶) مولانا شمس الدین محمد بن حمزہ فناری متوفی ۸۳۴ھ	جعبری کی شرح شاطبی پر حاشیہ
	(۷) شہاب الدین احمد بن حسین املی مقدسی متوفی ۸۴۴ھ	(۱) قراءت ثلاثہ (۲) قراءت زائد علی العشر دونوں منظوم

	(٨) شمس الدین محمد بن خلیل بن القباقبی متوفی ٨٤٩ھ	ایضاح الرموز چودہ قراءتوں میں
	(٩) برہان الدین ابراہیم بن محمد کرکی مقری شافعی ٨٥٣ھ	(١) الہ فی معرفت الوقف والامالہ (٢) نکات علی الشاطبیہ (٣) حل الرمز فی الوقف حمزہ وہشام علی الہمز
	(١٠) زین العابدین عبد الباسط بن احمد مکی متوفی ٨٥٣ھ	(١) غایۃ المطلوب فی قراءۃ ابی جعفر و خلف و یعقوب
	(١١) ابوبکر احمد (فرزند الجزری)	طیبہ کی شرح
	(١٢) زین عبد الدائم ازہری متوفی ٨٦٠ھ	〃
	(١٣) ابو القاسم محمد نویری مالکی متوفی ٨٧٥ھ	〃
	(١٤) برہان الدین ابو الحسن ابراہیم بن عمر بقاعی متوفی ٨٨٥ھ	(١) الضوابط والاشارات - نہایت عمدہ کتاب ہے (٢) کفایہ فی القراء
	(١٥) ابو عمر شمس الدین ابو العباس احمد بن اسمٰعیل کورانی متوفی ٨٩٣ھ	عبقری - جعبری - شرح شاطبیہ کی شرح
	(١٦) سراج الدین ابو حفص عمر بن قاسم بن محمد انصاری عرف نشار (علامہ قسطلانی کے شیخ)	(١) البدور الزاہرہ فی العشر المتواترہ (٢) المکرر فی السبعہ (٣) البدر المنیر شرح تیسیر (٤) القطر مصری کی قراءت ابو عمرو بصری۔
دسویں صدی	(١) جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی شافعی قاہری مصری پیدائش ٨٤٩ھ وفات ٩١١ھ (چار سو تصانیف)	(١) شاطبیہ کی شرح (٢) الدر النثیر فی القراءۃ ابن کثیر (٣) تفسیر اتقان (٤) الدر المنثور (٥) تفسیر جلالین۔
	(٢) شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی شافعی مصری ٨٥٢ھ - ٩٢٣ھ	(١) شاطبیہ کی شرح (٢) کنز فی وقف حمزہ وہشام علی الہمز (٣) لطائف الاشارات لفنون القراءات (مواہب لدنیہ - سیرت النبی - بخاری کی شرح)

صدی	نام	کتب
	(۳) زین الدین ابو یحییٰ زکریا الانصاری ابن محمد خزرجی انصاری ازہری قاہری وفات ۹۲۶ھ (ایک واسطے سے الجزری کے شاگرد)	(۱) ابن الناصح کی قرۃ العین کا خلاصہ (۲) الدقائق المحکمہ مقدمہ جزریہ کی شرح
	(۴) جمال الدین حسین بن علی الحصنی مصری ۹۶۴ھ	(۱) الغایہ شرح شاطبیہ (۲) الجوہرہ فی العشرہ (۳) العزہ شرح درہ (۴) کشف عن احکام ہمز فی الوقف (۵) کفایۃ المحر منظوم (۶) تحفۃ البررہ
	(۵) محمد عمری عددی متوفی قبل ۱۰۰۰ھ	(۱) قراءات ثلثہ (۲) شرح ذالک
گیارہویں صدی	(۱) ملا علی قاری ہروی حنفی نزیل مکہ متوفی ۱۰۱۴ھ	(۱) شرح ملا علی قاری (شرح شاطبیہ) (۲) منح الفکریہ، مقدمہ جزریہ
بارہویں صدی	(۱) احمد بن محمد دمیاطی عرف البناء متوفی ۱۱۱۷ھ	(۱) اتحاف فضلاء البشر فی القراءات اربعۃ عشر
	(۲) سید علی نوری الصفاقسی مصری متوفی ۱۱۱۷ھ (شاگرد شحاذۃ الیمنی)	(۱) غیث النفع (محققانہ بدیع الترتیب کتاب)
تیرہویں صدی	(۱) علامہ محمد بن احمد شمس متولی (خاتمہ قراء و المحققین) شیخ القراء مصر متوفی ۱۳۱۳ھ	(۱) وجوہ المسفرہ (۲) نظم احکام قولہ تعالیٰ آٰلٰئن (۳) الفوائد المعتبرہ
چودھویں صدی	(۱) علی بن محمد ضباع شیخ القراء جامع ازہر	(۱) ارشاد المرید (۲) البہجۃ المرضیہ (۳) فتح الکریم (۴) تقریب النفع (۵) صریح النص (۶) الفوائد المرتبہ علی الفوائد المہذبہ (۷) شرح طیبۃ النشر
	(۲) محمد بن علی بن خلف حسینی عرف حداد	(۱) السیوف الساحقہ (قراءات کو منزل من اللہ ثابت کیا ہے) (۲) الکواکب الدریہ
	(۳) ابوبکر خلف الحسینی	آیات البینات
	(۴) احمد امین الدین	البرہان القویم
	(۵) عبدالکریم اشمونی	منار الہدیٰ فی الوقف والابتدا

نوٹ:- نشان زدہ کتب خدا بخش لائبریری بانکی پور پٹنہ میں موجود ہیں۔

باب پنجم

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

ف ۹۶ ہندوستان میں مسلمان تین بحری اور تین بری راستوں سے داخل ہوئے۔ پہلا سمندری راستہ کراچی اور سندھ کا تھا دوسرا سمندری راستہ بھڑوچ وسورت سے تھا۔ تیسرا سمندری راستہ ملابار کے ساحل کی جانب تھا۔ ان تین بحری راستوں کے علاوہ تین بری راستے بھی تھے۔ پہلا راستہ ایران و بلوچستان ہوتا ہوا درہ بولان سے سندھ اور پنجاب کی طرف جاتا تھا۔ دوسرا راستہ درہ گومل سے ہوتا ہوا جنوبی پنجاب آتا تھا۔ تیسرا راستہ درۂ خیبر سے۔ شمالی پنجاب کے علاقے میں آتا تھا۔ ان تینوں بری و بحری راستوں سے مسلمان آئے۔ ابتداءً آنے والوں میں تاجر۔ درویش۔ صوفیا اور مشائخ تھے جو خاموشی سے آتے رہے۔ ان کے متعلق مورخین نے بھی زیادہ توجہ نہیں کی کہ اس زمانے کی تاریخ زیادہ تر بادشاہوں کے کارناموں اور جنگوں کی تاریخ تھی۔ البتہ جب بادشاہوں نے حملے شروع کئے تو تاریخوں میں اس کا ذکر ہونے لگا۔ اسلام کی نشرو اشاعت و تبلیغ اور اس کی تعلیمات کو دلوں میں اتارنے اور اس کے محاسن سے دلوں کو مسخر کرنے میں تجار، فقرا اور صوفیا کا بڑا حصہ تھا۔ جن کا تفصیلی ذکر آئندہ آئے گا۔

ف ۹۷ مولانا عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء نے "یادِ ایام" میں بھروچ علاقہ گجرات کے حالات قلم بند کئے ہیں اس میں صاحب موصوف نے تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ ۱۵ھ یعنے حضور اکرمؐ کی رحلت کے پانچ سال بعد بحرین وعمان کی حکومت پر عثمان بن العاص ثقفی گورنر مقرر ہوئے۔ انہوں نے گجرات کو بحری جہاز روانہ فرمائے۔ مقامی حکمرانوں نے مزاحمت کی جو مسلمان شہید ہوئے ان کو بھڑوچ کے اطراف میں دفن کیا۔

دوسری دفعہ حکم بن ابی العاصؓ بھڑوچ کو بحری جہاز روانہ کئے۔ جس کو عربی کتابوں میں بروج یا بروص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں تیل اور لاک

کی تجارت اس بندرگاہ سے ہونے کی وجہ سے اس کی بڑی اہمیت تھی۔ محمد بن قاسم کا حملہ سندھ پر ۹۳ھ میں ہوا۔ اس کے بعد پنجاب بھی اس کے قبضہ و تصرف میں آ گیا۔ خلیفہ المہدی باللہ عباسی کے زمانہ میں ۱۵۹ھ میں ربیع بن صبیح السعدی البصری تابعی نے بھڑوچ پر حملہ کیا۔ ۱۶۰ھ میں فوج باربد پہونچی (جس کو اب بھاڑبوج کہتے ہیں) فتوحات کے بعد ہیضہ کی وبا پھیلی۔ ربیع بن صبیح کا اسی وبا سے انتقال ہوا۔ وہ باربد میں دفن ہوئے۔ قبر اب بھی زیارت گاہِ عام ہے۔

۹۸ھ ساحل ملابار پر عربوں کی تجارت کا سلسلہ حضور اکرمؐ کی بعثت سے پہلے سے جاری تھا۔ بعثت کے بعد مسلمان تاجر اس ساحل پر اسلام کا بہترین نمونہ بن کر آئے ملابار کا بادشاہ زمورن کے لقب سے مشہور تھا۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ زمورن نے شق القمر کا معجزہ خود دیکھا تھا۔ اپنے دربار کے نجومیوں اور عالموں سے اس کی وجہ دریافت کی۔ جب مسلمان تاجروں سے حضور اکرمؐ کے بعثت کی اطلاع ملی تو وہ حضور اکرمؐ کی زیارت کے شوق میں روانہ ہوا۔ واپسی کے وقت ساحلی مقام "شہر" میں انتقال ہوا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ درویشوں کی ایک جماعت سیلون کو حضرت آدمؑ کے نقش پا کی زیارت کو جا رہی تھی۔ یہ اصحاب کوڈنگالور میں آکر ٹھہرے۔ زمورن نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔ ان سے اسلام کے متعلق تفصیلات دریافت کیں۔ اسلام کی صداقت سے متاثر ہو کر اس جماعت سے وعدہ لیا کہ واپسی میں بھی اس کے پاس ٹھہریں گے۔ اس عرصے میں اسلام کے بارے میں غور و فکر کرتا رہا۔ جب یہ جماعت واپس آئی تو زمورن نے مزید حالات دریافت کئے اور پوشیدہ طور پر مسلمان ہو گیا جب حج کے ارادے سے خفیہ طور سے روانہ ہوا تو روانگی سے قبل اپنے گورنروں کے نام احکام جاری کئے کہ حسب سابق کام انجام دیتے رہیں۔ اور اپنی جگہ اپنے بیٹے کو تخت نشین کرنا چاہا۔ مگر بیوی نے چھوٹے بچے کو دینے سے انکار کیا تو بہن کے پاس جا کر اس سے بچہ مانگا۔ اس نے دے دیا۔ غرض اس بچے کو تخت پر بٹھا کر خفیہ طور سے روانہ ہو گیا۔ زمورن خود کئی سال حجاز میں مقیم رہا۔ واپسی پر شراف بن ملک۔ ملک بن دینار۔ اور ملک حبیب کو اپنے ساتھ لیا۔ ابھی ساحل عرب کے کنارے جہاز چل رہا تھا کہ زمورن بیمار ہو گیا۔ جب علالت بڑھی اور اس کو اندیشہ ہوا کہ شاید زندگی وفا نہ کرے تو اس نے ملک بن دینار کو ایک تعارفی خط دیا کہ جب وہ ملابار پہونچیں تو اس کے جانشین کو وہ خط دیں۔ اس میں ملک بن دینار کو جاگیر اور زمین دینے کا حکم تھا۔

ملک بن دینار نے زمورن کو "شہر" میں اور بعض روایات کی بنا پر ظفار میں دفن کیا۔ یہ بادشاہ عرب میں سموری کے نام سے متعارف ہے۔ ملک دینار بحری سفر طے کر کے ملابار پہونچے۔ اور زمورن کا خط

اس کے جانشین کو دیا۔ مگر مرنے کی اطلاع نہ دی۔ اوس کے جانشین نے زمورن کا خط پہچان کر ملک بن دینار کو زمین اور جاگیر دی۔ اس طرح یہ خاندان ملابار میں آباد ہوا۔ ملک بن دینار کا یہ واقعہ ۸۰ ہجری کا بتایا جاتا ہے اور پہلی روایت کی بناء پر ۹۲ ہجری کا۔ ملک بن دینار کا خاندان مغربی سواحل سے لے کر ہندوستان کے جنوب و مشرقی سواحل یعنے مدراس تک تجارتی تعلقات رکھتا تھا۔ چنانچہ کولون جس کو مابر کہتے ہیں وہاں بھی ملک بن دینار کے خاندان کے بعض افراد جمع ہوئے [1]

ملک بن دینار کے بھتیجے ملک حبیب نے مساجد بنانی شروع کیں۔ ایک مسجد کوڈلم میں بنائی جو مدراس سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ بیوی کو وہیں چھوڑا۔ کولون۔ کالی کٹ اور متعدد مقامات پر مسجدیں تعمیر کیں۔ ملک بن دینار نے خود بھی ان مساجد کو دیکھا۔ ان میں نماز ادا کی اور دعا کی کہ اللہ تعالےٰ ان کو آباد کرے۔ کچھ عرصہ کوڈلم میں قیام کیا۔ ملک بن دینار کا بیٹا عبداللہ اور اس کا بیٹا اسمٰعیل یہ دونوں کوڈلم میں رہے۔ اسمٰعیل کی قبر کوڈلم میں ہے اس پر کتبہ بھی ہے جس پر اسمعیل بن عبداللہ بن ملک دینار کندہ ہے۔

۹۹ ملک بن دینار کے متعلق مشہور ہے کہ تبع تابعی تھے۔ صرف قرآن لے کر آئے۔ قرآن سنا کر اور اپنا نمونہ پیش کر کے مسلمان بناتے تھے۔ ان کے خاندان کے افراد بھی قرآن شریف پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ ملک بن دینار کی قبر کالی کٹ میں ہے۔ ایک محلہ بھی ان کے نام سے مشہور ہے۔ تحفۃ المجاہدین میں شیخ زین الدین بن عبدالعزیز معبری نے ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شیخ زین الدین علی عادل شاہ کے ہم عصر تھے جن کا زمانہ ۱۵۵۵ء سے ۱۵۸۰ء تک رہا۔ شیخ موصوف بڑے عالم اور مرد مجاہد تھے۔ جب پرتگالیوں نے ملابار کے ساحل پر مسلمانوں پر مظالم ڈھانا اور ان کو تباہ کرنا شروع کیا تو شیخ زین الدین نے یہ کتاب لکھ کر علی عادل شاہ سے اس کا انتساب کیا اور ان کو توجہ دلائی کہ ان کو مسلمانوں کی مدد کرنی چاہئے۔ مگر علی عادل شاہ کو باہمی نزاعات جو احمد نگر وغیرہ سے پیش آتے رہتے تھے اسکی فرصت نہ تھی۔ لہذا اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ اور پرتگالیوں کا اثر بڑھتا ہی چلا گیا۔ تحفۃ المجاہدین سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمان مغربی ساحل پر آباد ہونے کے بعد تجارت اور سمندری راستوں پر قابض ہونے کی وجہ سے بڑے خوش حال اور فارغ البال تھے۔ ملابار کا بادشاہ ان کے سمندری بیڑے سے کام لیتا تھا۔ اور پرتگالیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرتا تھا۔ مگر بعد میں ان مسلمانوں نے آپس میں مخاصمت اور دنیا

---

[1] تحفۃ المجاہدین از زین الدین

بھڑنا شروع کر دیا۔ شیخ زین الدین فرماتے ہیں کہ ان کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے ان کو سزا دینے کے لئے اللہ تعالےٰ نے پرتگالیوں کو ان پر مسلط کیا۔

ف ۱۰۰ کورٹلم میں تمیم انصاری رضہ صحابی کی قبر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت کی نعش ایک کشتی میں رکھی ہوئی ساحل پر پہونچی اور وہیں ساحل پر دفن کر دی گئی۔ ہندوستان میں صحابی کی یہی ایک قبر ہے جو قدیم ترین ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کے ساتھ سیلون، جزائر لنکادیپ اور مالدیپ میں بھی اسلام پھیلا۔ ابن بطوطہ نے ان بزرگوں کی قبریں گنوائی ہیں جو سیلون میں مدفون ہیں۔

ف ۱۰۱ محمد بن قاسم کا حملہ سندھ پر ۷۱۹ء م ۹۲ھ میں شروع ہوا۔ مگر اس سے پہلے درہ خیبر کے راستے سے درویش ہندوستان آتے رہے تھے جن کے خیالات کا اثر ہندوستان میں اس قدر ہوا کہ ہندوستان میں کئی فرقے جو خود کو موحد کہتے تھے پیدا ہو گئے۔ جن میں اسلامی تعلیمات کی جھلک دکھلائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر ٹیٹس (TITUS) لاہوری نے بارہ ایسے فرقے گنوائے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ بابا رتن بھی ایسے ہی ہندو تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ دو حج کئے۔ حضور اکرم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ابن حجر عسقلانی نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کا انتقال ۱۲۳۴ء م ۶۳۲ھ میں ہوا۔ بی بی پاکدامن کی قبور کے نام سے لاہور میں جن بی بیوں کی قبریں ہیں وہ پہلی صدی ہجری کی سات بی بیاں تھیں ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ حضرت علی رضہ کے خاندان سے تھیں۔ واقعات کربلا کے بعد ہندوستان کی جانب رُخ کیا۔ لاہور پہونچیں۔ ہندو شہزادہ ان کا حسن و جمال دیکھ کر ان پر فریفتہ ہو گیا۔ اور ان کا تعاقب کیا۔ کہتے ہیں ان بی بیوں نے دعا کی اور سب زمین میں سما گئیں۔ اس کے بعد یہ شہزادہ تارک الدنیا ہو کر ان کا مجاور بن گیا۔ بابا خاکی کے نام سے مشہور ہوا۔ محمود غزنوی نے ان بی بیوں کے قبور کے اطراف چار دیواری بنوادی۔ اکبر نے بھی اس میں اضافہ کیا [۱]

ف ۱۰۲ محمد بن قاسم کا حملہ ۷۱۹ء میں ہوا۔ پورا سندھ اور بعد ازاں پنجاب کا علاقہ ان کے قبضہ و تصرف میں آگیا محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد بھی اسلامی اثرات پنجاب میں باقی رہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں ملتان اور منصورہ کے لوگ مقامی زبان اور عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے ۳۷۵ھ میں جب بشاری ملتان پہونچا تو اس نے فارسی زبان کو کافی مقبول پایا۔ لکھتا ہے کہ یہاں کے مدارس نہایت اعلیٰ تھے۔ تعلیم کا انتظام بہت عمدہ تھا۔

---

[۱] حیات شاہ عبد الحق محدث دہلوی رح

و ۱۰۳ محمود غزنوی کے حملوں کے بعد علماء اور درویشوں کے گروپ پنجاب و دہلی کے نواح میں زیادہ آنے لگے۔ سید سالار مسعود غازی جو سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے بہت سی لڑائیوں میں محمود کے ساتھ رہے۔ انیس سال کی عمر میں ایک لڑائی میں ۴۲۳ھ م ۱۰۶۳ء میں آپ کی شہادت ہوئی۔ بہرائچ (یو۔پی) میں دفن ہیں۔ علی الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش ؒ بھی اسی زمانے کے صوفی تھے کشف المحجوب لکھی۔ قرآن مجید سے آپ کو خاص شغف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اسی کا اثر ہے کہ ان کی مزار پر اب تک کثرت سے قرآن خوانی ہوتی ہے ۴۵۳ھ م ۱۰۶۳ء میں لاہور میں انتقال ہوا۔ ان سے پہلے ان کے پیر بھائی شیخ حسن زنجانی لاہور میں تبلیغ فرماتے رہے۔ مگر جس روز داتا گنج بخش ؒ لاہور پہونچے اسی روز شیخ حسن زنجانی کا انتقال ہوا۔ یہ دونوں بزرگ قرآن کے معارف کے عالم اور علوم دینیہ کے پھیلانے والوں میں تھے۔ ان کے بعد صوفیائے کرام کا ایک بڑا گروہ ہندوستان آیا۔ وہ سب قرآن شریف کے علوم کے نہ صرف عالم تھے بلکہ ان پر عامل ہو کر قرآن میں فنائیت کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ قرآن شریف کی تلاوت۔ اس پر عمل۔ اوس کی اشاعت و تبلیغ ان کا دن رات کا شغلہ تھا۔ کوئی روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرتا۔ کوئی دو۔ کوئی رات رات بھر اسی مشغلہ میں رہتا غرض ایسے بزرگوں کی مثالیں کثرت سے آپ کو اس کتاب میں ملیں گی۔ جو علوم دینیہ کے بڑے جید علماء میں سے تھے انہوں نے خلق کی ہدایت و خدمت کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا وہ کسی انسان سے نفرت نہ کرتے بلکہ سب سے محبت کا برتاؤ کرتے۔ حضور اکرم ؐ نے فرمایا تھا

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ

تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں

اس فرمان کے تحت ان بزرگوں نے اپنی زندگی دوسروں کی نفع رسانی میں صرف کر دی۔ یہ صوفیائے کرام علوم دینی کے نہ صرف ماہر تھے بلکہ انہوں نے روزمرہ کی زندگی کو اسی قالب میں ڈھال لیا تھا ان میں سے اکثر نے تمام مشہور بلاد اسلامیہ کا سفر کیا تھا۔ جہاں ضرورت محسوس کرتے اپنا قیام طویل کر دیتے۔ شیخ حسن زنجانی ؒ ۳۹۰ھ میں۔ بابا ریحان ؒ ۴۰۰ھ بھروچ میں۔ شیخ علی الہجویری ؒ ۴۱۰ھ میں لاہور میں۔ خواجہ معین الدین چشتی ؒ ۵۶۱ھ میں اجمیر تشریف لائے۔ حضرت خواجہ صاحب ؒ کی صاحبزادی بی بی حافظ جمال ؒ تھیں۔ بڑی خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتی تھیں۔ حضرت خواجہ صاحب کے بعد ان کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ؒ (وفات ۶۳۳ھ) حضرت شیخ فرید گنج شکر ؒ (وفات ۶۶۹ھ) شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی راوی ہفت قرأت (وفات ۵۷۸ھ) محبوب الٰہی

حضرت نظام الدینؒ (وفات ۷۲۵ھ) ان کے خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ (وفات ۷۵۲ھ) ان کے خلیفہ خواجہ سید محمد گیسو درازؒ (وفات ۸۲۵ھ) سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ (وفات ۸۰۸ھ) حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشتؒ (وفات ۷۸۱ھ) بابا شرف الدین سہروردیؒ وفات ۶۸۷ھ) حضرت برہان الدین غریب (وفات ۷۳۸ھ) حضرت بوعلی قلندر - حیات قلندر - اور بہت سے بزرگ تھے جو باشندے کہیں کے تھے - خدمت کہیں کی - وفات کہیں پائی - ان بزرگوں کے ساتھ اُن کے مریدین و معتقدین کا بڑا گروہ ہوتا تھا - جو پہلے علوم حاصل کرتے - پھر خود کو مرشد کے رنگ میں ایسا رنگ لیتے کہ ان کا علم سرتاپا عمل اور اپنے مرشد کا نمونہ ہو جاتا - جو درحقیقت حضور اکرمؐ کے اتباع میں فنائیت کا درجہ حاصل کئے ہوئے تھے ان کا خموشی سے عمل کرنا ان کے مذہب کی تبلیغ تھی - بلا لحاظ مذہب و ملت سب کی خدمت محبت سے کرتے - اور لوگ بھی ان کے گرویدہ ہو جاتے - اس طرح انہوں نے دلوں میں جگہ پیدا کرلی ـــــ مثال کے طور پر بابا ریحانؒ کے واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

بابا ریحانؒ ماوراء النہر کے باشندے تھے - چالیس درویشوں کو لے کر گجرات ۶۰۰ھ میں آئے - بھروچ میں سکونت اختیار کی - لوگوں کی خدمت میں مشغول رہتے - ان کو علم سکھلاتے - ان کے اخلاق کی اصلاح فرماتے - کسی سے کوئی معاوضہ نہ لیتے - آہستہ آہستہ حاجت مندوں کا ہجوم بڑھنے لگا تو درباریوں نے بھیل راجہ سے جو اس وقت حکمران تھا شکایت کی کہ یہ فقیر اپنا اثر بڑھا رہا ہے اس کا وجود آپ کے لئے مضر ثابت ہوگا - چنانچہ بھیل راجہ نے ایک وفد دریافت حالات کے لئے مقرر کیا - جس کا صدر بھیل راجہ کا لڑکا کرن تھا - اس وفد نے بابا صاحب کے پاس جاکر ان کے حالات معلوم کئے - اس کے بعد ارکانِ وفد حضرت اور ان کے ساتھیوں سے ملے - ان پر حضرت کے اخلاق اور شخصیت کا اتنا اثر ہوا کہ راج کمار کرن تو وہیں ٹھہر گیا وفد کے دوسرے ارکان واپس آئے اور راجہ سے واقعات بیان کئے کہ بابا صاحب کی شخصیت بڑی زبردست ہے - بہر صورت حکومت کو خطرہ ہے ان کو نکال دینا ہی مناسب ہے - اس پر راجہ صاحب نے حکم دیا کہ بابا صاحب بھروچ سے نکل جائیں مگر بابا صاحب نے انکار کیا - آخر فوج بھیجی گئی - درویشوں سے لڑائی ہوئی طرفین کے لوگ مارے گئے بابا صاحب کے بھائی سید احمد اور دوسرے ساتھی سید نکی نقیب - سید حسین اور بہت سے ساتھی شہید ہوئے - مگر راجہ کی فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا - اس پر راجہ نے مرعوب ہو کر صلح کرلی - بابا صاحب کو رہنے کی اجازت دے دی - بابا صاحب نے پھر خدمت خلق شروع کردی - بھیل راجہ کی بیٹی رانی بھاگا بھی مسلمان ہوگئی اس کا نام زیب النساء رکھا گیا - کرن کا نام

ملک محمد رکھا گیا۔ یہ دونوں باباصاحب کے احاطے ہی میں مدفون ہیں۔ باباصاحب نے ۴۳۰ھ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں قرآنی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ اس عمارت پر کندہ ہے

هذہ العمارۃ القدیمۃ فی شهور ثلاثین واربع مائۃ

اس بابرکت عمارت میں اس وقت سے لے کر اب تک تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ درمیان میں یہ مدرسہ چندروز کے لئے جینیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ نواب مرتضیٰ خاں نے پھر مرمت کرائی اس کا سنہ مرمت مسجد قاضی سے نکلتا ہے۔ اس میں صندل کے موٹے موٹے ہشت پہلو ستون ہیں اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ ۱۰۶۱ھ مولانا محمد اسحاق نے مدرسہ دوبارہ جاری کیا۔ یہ صاحب بڑے عالم و فاضل اور بابرکت بزرگ تھے۔ آپ نے تحریم شرب الدخان پر ایک رسالہ لکھا جو بمبئی کے اسمٰعیل کالج کے کتب خانے میں موجود ہے۔ مولانا اسحاق صاحب نے چالیس سال اس مدرسے کی خدمت کر کے ۱۱۰۱ھ میں انتقال کیا۔ ان کے بعد ان کے فرزند مولانا محمد نے اس مدرسہ کو جاری رکھا۔ ان کا انتقال ۱۱۰۳ھ میں ہوا۔ اس کے بعد مولانا محمد اسحاق ثانی نے مدرسہ سنبھالا۔ اس کے بعد سید محمد خطیب نے اس مدرسہ کی خدمت کی [1]

---

[1] میں بھروچ دو مرتبہ گیا۔ پہلی بار ۱۹۵۲ء میں اور دوبارہ ۱۹۵۷ء میں۔ یہ واقعات جو میں نے تاریخ میں پڑھے تھے ان کی تصدیق قاضی نورالدین صاحب سے ہوئی جو بھروچ کے قدیم گھرانے شیرازیہ کی یادگار ہیں۔ آپ بھروچ کی تاریخ سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے ساتھ مجھے یہ سب آثار دیکھنے کا موقع ملا۔ جہاں بابا ریحان کے ساتھی جنگ میں شہید ہو کر دفن ہوئے تھے وہیں بابا ریحان کو دفن کیا گیا۔ یہ مقام بھروچ سے چار میل کے فاصلے پر ایک خوبصورت ٹیلے پر واقع ہے عماد الملک نے قبروں کو پختہ بنوا کر اپنے لئے ایک گنبد حضرت کی مزار سے نچلے حصے میں تعمیر کرایا تھا وہیں دفن ہوئے۔ باباصاحب کی ایک زندہ کرامت یہ ہے کہ جو کنواں حضرت کی قبر سے قریب ہے اس کا پانی نہایت شیریں وصحت بخش ہے۔ ورنہ عام طور سے بھروچ کی باؤلیوں میں کھارا پانی آتا ہے۔ اس کنویں کے پانی کی شہرت بہت عرصے سے ہے انگریزوں نے اس کنویں کا نام ہیروز ویل HEROES WELL رکھا تھا۔ اب بھی متمول حضرات اپنے پینے کے لئے اسی کنویں سے پانی منگواتے ہیں۔ گو حمل ونقل میں دشواری ہے۔ مگر بعض غریب عورتیں تھوڑے سے پیسے لے کر یہ کام کر دیتی ہیں۔ حضرت باباصاحب کے مزار اور بھروچ کے درمیان مخدوم کمال الدین قزوینی کی قبر ہے۔ آپ حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت مخدومؒ کی وفات ۸۸۲ھ میں ہوئی حضرت کا مدرسہ بھی مشہور تھا۔ قبر کے پاس ہی مدرسے کے کھنڈر موجود ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند پھر داماد اور پوتوں نے مدرسہ جاری رکھا۔ جن کا ذکر انفرادی حالات میں آئے گا۔

بابا ریحانؒ کا ذکر مولوی عبدالجبار آصفی نے بھی اپنی کتاب تذکرہ اولیائے دکن میں کیا ہے۔

و۱۰۴ اسی طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ محمد غوری کے حملے سے بیس سال پہلے اجمیر آکر بیٹھ گئے۔ اور خلق خدا کی ہدایت وخدمت شروع کر دی۔ اس وقت کے راجہ کے مظالم اور جوگی جے پال کے واقعات تو زبان زد خاص وعام ہیں۔ اسی طرح دکن میں ضیاء الدین صاحب گلبرگہ شریف تشریف لائے اور خلق خدا کی ہدایت کرنے لگے۔ راجہ نے ناراض ہو کر ان کا پیٹ چاک کر کے اس میں پتھر بھروا دیئے۔ اس طرح حضرت کی شہادت ہوئی۔ آپ کا مزار گلبرگہ شریف میں ہے۔ جہاں اب بھی لوگ جا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ غرض اکثر صوفیا نے اسی طرح ارشاد اور خلق خدا کی ہدایت واصلاح کا کام کیا ہے مگر ان کی خدمات کو نظر انداز کر کے بادشاہوں کے سر تبلیغ کا سہرا باندھنا واقعات کے خلاف ہے۔

گروہ صوفیا اور ان کی تعلیمی اساس

و۱۰۵ جو بیش بہا خدمات صوفیائے کرام نے انجام دیں اور ان سے جو دور رس اور دیرپا نتائج برآمد ہوئے اور لوگوں کے اخلاق واطوار و زندگی میں جو خوش گوار تبدیلی ہوئی اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ان کے طریقہ تعلیم اور اس کے چند مبادیات کا ذکر کر دیا جائے۔

عام حیوانات کے مقابلے میں' انسان ایک تعلیمی حقیقت ہے یعنے جن چیزوں کے علم سے وہ کورا اور عاری پیدا ہوتا ہے اسے سیکھ کر حاصل کر لیتا ہے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ جب علم آتا ہے اور علم کے منافع اس پر کھلتے ہیں تو علم کی خوبیوں کے ساتھ اس میں سرکشی اور طغیان کی خو بھی پیدا ہوتی ہے اور علم کے محاسن کے ساتھ یہ معائب بھی آجاتے ہیں چنانچہ جب سوجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے تو انسان باور کرنے لگتا ہے کہ اب میں خود سوچ سکتا ہوں حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہوں تو پھر کسی سے مشورہ لینے کی کیا ضرورت ہے کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغیٰ اللہ تعالےٰ نے خبردار کر دیا ہے کہ بلاشک انسان سرکش ہو جاتا ہے جب وہ اپنے آپ کو خود مکتفی دیکھتا ہے اس کا علاج یہ ہے اِنَّ اِلیٰ رَبِّکَ الرُّجْعیٰ کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس ہو یعنے خدا سے تعلق جوڑے اور اس کے علم کے تحت اپنا علم کر دے۔ یہ تعلق کیسے جوڑا جائے اور اس کے علم کے تحت اپنا علم کیسے ہو اسی کے لئے ہمارا تعلیمی نظام قائم کیا گیا۔ مدرسوں میں دماغوں کو بنایا جاتا ہے اور خانقاہوں میں قلب کی اصلاح کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ اسی انابت الی اللہ میں رنگ جانے والوں اور ہر طرف سے کٹ کر خدا ہی کے در پر جھکنے والوں کا اصطلاحی نام صوفیا اور ان کے علمی وعملی پروگرام کا نام تصوف ہے طلب اپنا

صلاحیتوں میں طبیعت کی مناسبتوں کے لحاظ سے ان بزرگوں میں سے کسی کو نمونہ بنا کر ان کی صحبت اور ان کی نگرانی میں زندگی کا کچھ حصّہ گزارتے تھے۔ علمی شکوک ذہنی شبہات کے گرد وغبار سے جو دماغ بھر جایا کرتے تھے اس کی صفائی و تزکیہ اس کی شست وشو ان ہی ہستیوں کی رفاقت وصحبت وجمعیت میں میسر آتی تھی۔ ان مثالوں کو دیکھ کر عقائد ومطمح نظر کی اصلاح۔ کردار کی استواری اور سیرت کا استحکام رفتہ رفتہ خود بخود لوگوں میں ان کی استعداد کے مطابق پیدا ہو جاتا تھا۔

وف ۱۰۶ عالم محسوسات کے علم حاصل کرنے کا ذریعہ حواس خمسہ ہیں آنکھ۔ کان۔ ناک۔ ذائقہ و لمس کے ذریعہ جو علم آتا ہے اس کو عقل کی روشنی میں جانچا جاتا ہے۔ عقل مقدمات کی ترتیب دے کر نتائج اخذ کرتی ہے اور تجربہ اس کو پختہ کر دیتا ہے لیکن عالم غیب ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے اس تک نہ ہمارے حواس کی رسائی ہے نہ ہماری عقل کی اس لئے عالم غیب کے متعلق قیاس آرائیاں ہوتی ہیں کیوں کہ قیاس کی اساس شک پر ہوتی ہے اس لئے کہ جو علم بھی قیاس کے ذریعہ آئے گا وہ مشکوک ہوگا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو اور ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو۔ اس کے برخلاف جو علم عالم الغیب والشہادہ کے پاس سے آئے گا وہ شک وشبہ سے خالی ہوگا۔ جو ایسا نہ ہوگا وہ ریبی علم ہوگا۔ اس لئے پیغمبر کی ضرورت ہوتی جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ اپنا علم بندوں تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ جو علم پیغمبروں کے ذریعہ سے ملتا ہے وہ ریب وشک سے پاک ہوتا ہے۔ باقی علوم ظنی ہوتے ہیں یقین محکم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کی بنیاد لاریبی علم پر ہو یعنے ایسا علم جس میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہ ہو آسمانی کتابوں میں سے صرف قرآن شریف ہی ایسا صحیفہ ہے جو اصلی حالت میں ہم تک پہونچا ہے اس لئے اسلام کے سوا جتنے مذاہب ہیں ان کی بنیاد "ریب" یا مخلوط علم پر ہے۔ اس لئے قرآن کے علاوہ دوسری تعلیمات یقین محکم پیدا نہیں کر سکتیں اور جب یقین محکم پیدا نہ ہو تو صلاح وتقوےٰ جو اس کے ثمرات ہیں حاصل نہیں ہو سکتے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے پاس سے آیا ہوا علم کسی نہ کسی صورت میں دنیا کے مختلف اقوام وامم کے پاس موجود ہے۔ مگر اس میں کھوٹ مل گیا ہے اس لئے ایسے علم سے یقین راسخ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ چیز صرف اسلام میں ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ خدا کی باتیں جو دیگر اقوام میں مشکوک ومشتبہ ہو گئی ہیں ان کی تصحیح کر کے قرآن نے قطعی اور یقینی علم دیا ہے۔

وف ۱۰۷ ہر صاحب شعور انسان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ صحیح علم حاصل کرے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ جب علم وعمل دونوں دوست ہو گئے تو انسان میں پندار کا فاسد مواد بھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس سے عُجب پیدا ہو جاتا ہے۔ علم آنے کے بعد دوسرا عارضہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کے تمام

شعبوں میں اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ چوں کہ انسانی علم محیط کلی نہیں ہے اس لئے حکمت کی تمام باتیں کھلتی نہیں ہیں تاوقتیکہ اللہ تعالٰے کے علم کے تحت اپنا علم نہ کر دیا جائے اس لئے عجب کو توڑنے اور خواہش نفسانی کو اللہ تعالٰے کے علم و منشاء کے تحت کر دینے کے لئے لاریب علم یعنے عمل بالقرآن کی ضرورت داعی ہو جاتی ہے صوفیا کے پاس پہلی منزل سلبی یا منفی ہے یعنے ان ہی دو چیزوں کو (عجب و خواہش نفسانی) قلب سے نکال دیا جائے ایجابی پہلو یہ ہے کہ مجاہدات سے یقین پیدا کیا جائے۔

وق ۱۰۸ صوفیا کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ تینوں باتیں، عجب و خواہش نفسانی کا نکل جانا۔ اور یقین کا پیدا ہو جانا قرآن کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہیں جس قدر تلاوت ممکن ہے کی جائے۔ قرآن کو حفظ کیا جائے۔ اس پر عمل کیا جائے۔ اس میں غور و فکر کی جائے۔ وصول حق کے لئے اس سے زیادہ مختصر اور قطعی راہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت نظام الدین سلطان المشائخ سے کسی نے دریافت کیا کہ قرآنی راہ سے وصول کی جو سعادت اس زندگی میں میسر آتی ہے وہ کیا ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ :۔

"سعادتے کہ حاصل آید آں بر سہ قسم است ۔ انوار است ۔ احوال است ۔ و ۔ آثار"

تلاوت سے انوار، احوال و آثار پیدا ہوتے ہیں۔ انوار و احوال کا تعلق تو خاص عالم ملکوت سے ہے اس لئے انوار و احوال سمجھنا تو مشکل ہے۔ البتہ آثار کا تعلق "جوارح" یعنے بدن و اعضائے بدن پر ہونے کی وجہ سے اس کا احساس دوسروں کو بھی ہوتا ہے

"بکائے ۔ حرکتے و جنبشے کہ ظاہر می شود و آں را آثار می گویند"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت جب گریہ طاری ہو جائے تو وہ دراصل باطنی انقلاب کا اثر ہے۔ چنانچہ امیر خسرو کو حضرت نے اسی سلوک بالقرآن پر لگا دیا تھا۔ وہ راتوں کو اٹھ کر تہجد میں سات پارے پڑھتے تھے۔

ایک اور حضرت نے پوچھا "ترک! حال مشغولیہا چیست"

جواب دیا کہ :۔ "مخدوما! چندگاہ ست کہ بوقت آخر شب گریہ مستولی می شود"

چند روز سے قرآن پڑھتے وقت آخر شب میں رونا آنے لگتا ہے۔ تو حضرت نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "الحمد للہ اند کے ظاہر شدن گرفت"

غرض سلوک بالقرآن کا یہ طریقہ حضرات چشتیہ میں پایا جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ ذکر و فکر کا ہے یعنے اللہ اللہ کا ذکر کیا جائے اور مراقبات کئے جائیں۔ استعداد و صلاحیت کے لحاظ سے پیر طریقت کبھی یہ اور کبھی وہ راستہ بتاتا ہے دونوں طریقوں میں جو فرق ہے اس کو سلطان المشائخ ہی کے الفاظ میں سنئے۔

مولانا فخرالدین زرادی نے سوال کیا کہ کلام اللہ میں مشغولی بہتر ہے یا ذکر میں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:-

"ذکر سے وصول جلد ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ہی خوف زوال بھی لگا رہتا ہے۔ تلاوت میں وصول دیر سے ہوتا ہے مگر زوال کا خوف نہیں ہے"

غرض سلطان المشائخ سلوک بالقرآن پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کو قرآن کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کے بس میں ہوتا تو ہر مرید پر حفظ قرآن لازم قرار دے دیتے لیکن ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے یہ کام آسان نہ تھا۔ تاہم آپ کی کوشش یہی تھی کہ جس سے جتنا ممکن ہو سلوک بالقرآن کے لئے قرآن زبانی یاد کرے۔ خیال تو کیجئے کہ حسن اعلائے سنجری جو شاعر ہونے کے علاوہ ایک بڑے فوجی افسر بھی تھے ———— اور فوجی خدمات کے سلسلہ میں دیوگیر (دولت آباد) آئے تھے جہاں اب ان کا مزار ہے ان کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ جب شرف بیعت سے سرفراز ہوئے تو حضرت نے حکم دیا کہ ذوق شعری کو کم کر کے قرآنی ذوق کو اپنے اوپر غالب کریں جب ان پر یہ ذوق غالب ہو گیا تو پھر ان ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سن رسیدہ مرید کو بھی آپ نے حفظ قرآن میں لگا دیا تھا۔ آپ اون سے دریافت فرماتے رہتے کہ "چہ قدر یاد کردہ" حسن کہتے ہیں کہ اس وقت تک ایک ثلث قرآن یاد ہو چکا تھا جواب دیا۔ "ثلثے یاد گرفتہ ام" ارشاد ہوا" دیگر ہا اندک اندک یاد گیرد و یاد گرفتہ پیشینہ را مکرر میکن" (فوائد الفواد صفحہ ۹۳)

یہ طریقہ سلوک بالقرآن حضرت شیخ المشائخ ہی کے ساتھ مختص نہ تھا بلکہ دوسرے صوفیائے چشت بھی اسی طریقہ سلوک کو اختیار فرماتے تھے۔

قاری مادھو جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی مسجد کے امام تھے ان کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ احمد نہروانی کو بھی اسی راستہ پر لگا کر حافظ قرآن بنا دیا تھا۔ چنانچہ جب شیخ احمد نہروانی نے خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے روبرو قرآن شریف سنایا تو وہ شیخ جن کے متعلق مشہور تھا کہ "شیخ الاسلام کم کسے را پسندیدے" انہوں نے شیخ الاسلام نہروانی کے متعلق فرمایا "اگر مشغولی احمد بسنجد مایہ دہ صوفی باشد" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زکریا ملتانی بھی سلوک بالقرآن

گو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

۱۰۹ بارہویں صدی میں سید نور اللہ بلگرامی نے بھی اپنی مقصد براری سلوک بالقرآن ہی سے کی تھی۔ سید نور اللہ بلگرام کے رہنے والے تھے۔ سید لطف اللہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ دماغی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اصلاح قلب کی فکر میں گھر سے نکلے۔ دہلی پہنچے۔ کسی پر نظر نہیں جمی۔ سلطان المشائخ کی مزار پر چلہ کیا۔ وہاں سے واپس آکر اپنے بڑے بھائی سید لطف اللہ کے مرید ہو گئے۔ استعداد بالغ تھی۔ رنگ جلد نکھرنے لگا۔ راتوں کو اکثر روتے۔ اور رکوع و سجود میں رات کاٹ دیا کرتے۔ مگر چند روز کے بعد کچھ رکاوٹ محسوس ہوئی تو مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ مرشد نے تدبیریں بتائیں۔ اشغال تلقین کئے ان سے بھی کام نہ بنا۔ پھر مرشد سے عرض کیا تو مرشد نے اب یہ علاج بتایا۔ "برو قرآن مجید حفظ کن" مرید نے تعمیل حکم میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔

مولانا آزاد لکھتے ہیں

"چند جزو از قرآن حفظ کردہ بود کہ عقدہ انحلال پذیرفت۔"

عمر گو زیادہ گزر چکی تھی لیکن چند جزو کے بعد کل اجزائے قرآن کے حفظ کی دُھن سوار ہوئی۔

"بست و پنج یاد کردہ بود۔"

۲۵ سیپارے یاد کئے تھے کہ موت آگئی۔ آخری وقت جب پوچھا گیا:۔

"تمنائے بہ خاطر دارید"

حسرت سے جواب دیا:۔

"ہمیں تمنا با خود دارم کہ پنج جزو از قرآن باقی ماند فرصت حفظ نہ یافتم۔"

نور اللہ صاحب کا انتقال ۱۱۳۰ھ میں ہوا۔ آپ کے متعلق یہ واقعہ بھی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ

"روزے نماز تراویح با جماعت می خواند۔"

قرآن شریف تراویح میں سن رہے تھے جب امام اس آیت پر پہونچا فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا (وہ کم ہنسیں گے اور زیادہ روئیں گے) "عین در نماز بے ہوش افتاد۔" ہوش آنے کے بعد بھی "تا چند روز از گریہ نیاسود"

غرض جو لوگ سلوک بالقرآن میں محفوظ ہو جاتے تھے ان کو اسی راہ سے تقرب حاصل ہو جاتا تھا۔

مسلمان بادشاہوں اور امراء کی علم دوستی اور علماء نوازی

ف ۱۱ ہندوستان میں جب مسلمان بادشاہوں کی حکمرانی شروع ہوئی تو علماء و فضلاء کا بڑا گروہ یا تو ان کے ساتھ آیا۔ یا بعد میں آتا رہا۔ ان مسلمان حکمرانوں کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ علوم و فنون کے بڑے قدردان تھے اور علماء کی منزلت شناس تھے اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ باہر کے علماء کی شہرت سنتے تو ان کو خطوط لکھ کر اور بڑی بڑی رقمیں بھیج کر بلاتے جب کوئی عالم آتا تو ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ ان کے ہر قسم کے ضروری انتظامات کرتے۔ بڑی بڑی منصبیں جاگیریں اور وظیفے عطا کئے جاتے تاکہ وہ اطمینان سے اپنی علمی اور تعلیمی کاموں میں مصروف رہ سکیں۔ مسجدیں، خانقاہیں اور دارالعلوم ان کے لئے تعمیر کئے جاتے۔ اس زمانہ میں تعلیم بھی مسجد کے صحنوں، خانقاہوں کے حجروں اور علماء کے مکانات میں اور کبھی مدارس و دارالعلوم میں ہوا کرتی بہت سے علماء شاہی امداد لینے سے انکار کر دیتے تھے کہ امداد قبول کر لینے کے بعد علم کی ترویج اور خدمت حسبۃً للہ نہیں رہتی۔ عام طور سے مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ شاہی مدرسوں میں تعلیم پانے سے جاہ و ثروت کے حصول کی تمنا پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب نظام الملک طوسی نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی اور یہ بات ماوراء النہر کے علماء کو معلوم ہوئی تو سب نے مجلس ماتم منعقد کی اور اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ اب علم علم کے لئے نہیں بلکہ جاہ و ثروت کے لئے سیکھا جائے گا (رسائل شبلی)

و ۱۱۱ ترک اور پٹھان بادشاہوں نے عالموں کو ایسا نوازا کہ تاریخ میں اس کی مثال دیگر اقوام میں ملنی مشکل ہے۔ محمد غوری کے سپہ سالار محمد بختیار خلجی نے جو بنگال و بہار کا فاتح تھا متعدد مقامات پر مدرسے تعمیر کرائے۔ ایک شہر رنگ پور کے نام سے آباد کیا جس میں کئی مدرسے تعمیر کرائے محمد غوری کے دوسرے سپہ سالار ناصر الدین قباچہ ملتان اور سندھ کا حکمران تھا۔ اس نے ملتان میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا۔ مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہری کو بلا کر اس کا صدر مقرر کیا۔ مولانائے موصوف اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے اسی مدرسہ میں نماز صبح ادا کر کے تدریس میں مشغول ہو جاتے (تاریخ فرشتہ)

سلطان بلبن کہا کرتا تھا کہ دربار التمش میں جو ہجوم علماء کا دیکھا تھا ویسا ہجوم کبھی کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ سید نور الدین مبارک غزنوی اسی کے دربار میں تھے جو بادشاہ کے بعض اطوار کو خلاف سنت قرار دے کر نکتہ چینی کرتے تھے دوسری طرف دہلی سے طوائفوں کو نکال دینے کے

مملاف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر ایسا کیا گیا تو آوارہ لوگ شرفاء کے گھروں میں کود پڑیں گے۔

ف ۱۱۲ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ہلاکو خاں نے بغداد کو تاراج کیا تو علماء نے ہندوستان کا رخ کیا۔ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے

"درعصر سلطان بلبن چندیں علمائے سرآمدہ بر سر افادت سبق می بردند"

بارہ علماء کے نام آپ نے گنوائے ہیں۔ جن میں سے چند یہ تھے (۱) مولانا برہان الدین بلخی (۲) مولانا برہان الدین بزاز (۳) مولانا نجم الدین دمشقی شاگرد مولانا فخر الدین رازی (۴) مولانا سراج سنجری (۵) مولانا شرف الدین ولواجی (۶) قاضی رفیع الدین گاندونی (۷) قاضی جلال الدین کاشانی (ب) قرآن مجید سے والہانہ لگاؤ کے عجیب عجیب نمونے ملتے ہیں۔ بلبنی عہد کے ایک امیر فخر الدین تھے جن کے یہاں بارہ ہزار وظیفہ خوار قرآن پاک پڑھنے کے لئے مقرر تھے۔ ہر روز ایک ہزار قرآن شریف ختم کرتے۔ یہ امیر ہر سال ایک ہزار غریب لڑکیوں کے لئے جہیز کا سامان بھی فراہم کرتے

ف ۱۱۳ سلطان علاء الدین خلجی کا عہد علمی اور تمدنی ترقی کے اعتبار سے تاریخ کا تابناک باب ہے۔ برنی کہتے ہیں کہ دہلی میں ایسے علماء و ماہرین فن موجود تھے کہ بخارا۔ سمرقند۔ بغداد۔ مصر۔ خوارزم دمشق۔ تبریز۔ رے اور روم میں ان کا ثانی نہ تھا۔ چنانچہ (۴۶) علماء کے نام برنی نے نام گنوائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔ (۱) قاضی فخر الدین ناقلہ (۲) قاضی شرف الدین سرباہی (۳) مولانا نصیر الدین غنی (۴) مولانا تاج الدین مقدم (۵) مولانا ظہیر الدین لنگ (۶) قاضی مغیث الدین (۷) مولانا رکن الدین سنامی (۸) مولانا تاج الدین۔

ف ۱۱۴ عہد تغلق میں گو عہد علائی کی سی رونق نہ تھی تاہم کثیر تعداد میں علماء موجود تھے۔ تیمور کے حملے نے دہلی کے علماء کی جماعت کو درہم برہم کر دیا۔ سکندر لودھی نے جو بڑا عالم اور علم دوست بادشاہ تھا اپنے عہد میں اجڑی ہوئی بزم کو سنوارنے کی کوشش کی۔ وظیفے گزران کر کے بڑے بڑے علماء کو بلاتا۔ اور ان کے لئے ہمہ اقسام کی سہولتیں بہم پہنچاتا۔ اس کے عہد میں دارالسلطنت آگرہ میں اچھا مجمع ہو گیا تھا۔

ف ۱۱۵ گجرات میں محمود بیگڑا اور اس کے بعد اس کے بیٹے مظفر شاہ نے علم کی بڑی قدر کی۔ ان کے عہد میں ایران، توران، روم و عرب کے فاضل آئے اور مشہور خوشنویس سیاوش اسی مظفر شاہ کے زمانے میں شیراز سے گجرات آیا تھا۔

ف ۱۱۶ دکن میں بہمنی بادشاہوں نے علم کی بڑی خدمت کی۔ حسن گنگو کے دربار میں علماء و فضلا

مجمع رہتا تھا۔ فیروز شاہ بہمنی خود بھی عالم تھا اور علماء کی بڑی سرپرستی کرتا تھا۔ خود علماء کی صحبت میں شریک ہوتا۔ اور حکم تھا کہ ایسے جلسوں میں آداب شاہی کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ محمود شاہ بہمنی کی داد و دہش کی شہرت سن کر دور دور سے علماء دکن پہونچتے تھے۔ حافظ شیرازی نے محمود شاہ کی دعوت پر دکن آنے کا قصد کیا تھا مگر جہاز کے سفر کی صعوبت کے خیال سے قصد سفر نہ کر سکے۔ مولانا شہید جو گجرات سے اسمٰعیل شاہ عادل کے دربار میں تشریف لائے تھے لاجواب شاعر تھے ان کا قصیدہ مدحیہ سن کر بادشاہ اس قدر خوش ہوا کہ حکم دیا کہ خزانے سے جس قدر سونا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ شاعر کی حرص نے زور کیا تو کہا کہ جب میں گجرات سے چلا تھا اس وقت تندرست و توانا تھا۔ سفر کی تکان وعلالت نے نحیف کر دیا ہے کچھ روز کی مہلت دیجئے۔ بادشاہ نے مسکرا کر کہا کہ وہ مثل نہیں سنی کہ:۔
"آفت ہاست در تاخیر وطالب را زیاں دارد" اچھا جاؤ دو دفعہ میں جتنا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ کہتے ہیں کہ پچیس ہزار اشرفیاں اٹھا سکے۔

ف ۱۱۷ محمود خلجی والی مالوہ کے عہد میں شادی آباد مانڈو علم و فضل کا مرکز تھا۔ تمام ملک گویا شیراز و سمرقند بن گیا تھا اس نے ایک مدرسہ اجین میں اور ایک سارنگ پور میں تعمیر کرایا اس کے جانشین غیاث الدین خلجی نے بھی مدرسوں کو فروغ دیا۔ اس کے زمانے میں حفظ و قرات کا اتنا چرچا تھا کہ محل شاہی میں ایک ہزار خادمات حافظ و قاری تھیں۔ تو پھر شاہی بیگمات اور امراء کے خاندانوں کا کیا حال ہوگا۔

ف ۱۱۸ سلطان غیاث الدین جو بنگالہ کا خود مختار حکمران تھا علم کا بڑا قدر دان تھا۔ مکہ معظمہ میں ۸۱۴ھ میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے تمام مصارف خود برداشت کرتا تھا۔ بعد ازاں چار مدرسے کھلوائے۔ سلطان سلیمان کرانی جب حکمران ہوا تو ڈیڑھ سو عالم اس کی صحبت میں رہتے تھے یہ بڑا صاحب دل اور پرہیزگار بادشاہ تھا۔

ف ۱۱۹ سلطان ابراہیم شرقی کے عہد حکومت میں (جو ۸۰۴ھ سے ۸۴۰ھ تک تھا) جون پور علمی شہرت میں دہلی اور بغداد کا نمونہ تھا۔ وہاں ایک عظیم الشان دار العلوم قائم تھا اور اس کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ قاضی شہاب الدین جونپور کی صدر مدرس تھے۔ یہ غزنین کے رہنے والے تھے۔ بادشاہ ان کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ وہ ایک دفعہ علیل ہوئے تو ان کی عیادت کو گیا اور سرہانے بیٹھ کر یہ دعا کی کہ لئے اللہ ایسے عالم بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ ان کی آفت مجھ پر آ جائے مگر یہ زندہ و سلامت رہیں۔ کہتے ہیں کہ قاضی صاحب اچھے ہو گئے اور اسی سال ۸۴۰ھ میں سلطان کا

انتقال ہوگیا۔ قاضی صاحب کو بادشاہ کی وفات کا سخت صدمہ ہوا۔ اور وہ بھی اسی سال چل بسے
سلطان محمود شرقی جو ابراہیم کا بیٹا تھا اس نے بھی علماء کی بڑی قدر و منزلت کی۔

ف ۱۲۰ سلطان زین العابدین فرمانروائے کشمیر کے زمانے میں جو ۸۲۴ھ سے ۸۷۷ھ تک رہا بڑے
بڑے نامور عالم و فاضل اس کے دربار میں جمع تھے۔ [1]

ف ۱۲۱ اس کے بعد مغلیہ دور تو علماء و فضلاء و شعراء کی قدردانی میں ضرب المثل ہوگیا تھا۔ مغلیہ خاندان کے جملہ بادشاہ۔ شہزادے و شہزادیاں اکثر حافظ و قاری اور تقریباً سب شاعر ادیب اور خوشنویس تھے۔ عالموں، شاعروں اور خطاطوں کی بڑی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اکبر کے دربار میں بڑے بڑے علماء جمع تھے۔ باہر سے آنے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اس کے دربار کے امراء عبدالرحیم خان خاناں اور ان کا لڑکا منعم خانخاناں ایسے فیاض و قدردان تھے کہ عرفی کو ایک ایک قصیدے پر ایک ایک لاکھ روپیہ دیا کرتے۔ اکبر کے بعد جہانگیر نے اور پھر شاہجہاں نے پھر عالمگیر نے علماء و فضلا کی توقیر و تعظیم میں کسر اٹھا نہ رکھی۔

اوپر مجملاً جو حالات بیان کئے گئے ہیں اس سے مدعا یہ ہے کہ بادشاہوں کی فیاضی اور قدردانی کے پس منظر سے تعلیمی تنظیم و اشاعت کا اندازہ ہوسکے نیز یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ ہندی چمن علم کی آب یاری باہر کی نہروں سے کس طرح ہوئی۔

طرز تعلیم

ف ۱۲۲ اس زمانے کا طریقہ تعلیم بھی ایسا تھا کہ زیادہ صرفہ نہ ہوتا تھا محلہ کی ہر مسجد مدرسہ تھی۔ ہر خانقاہ ایک تربیت گاہ تھی۔ ہر عالم ایک استاد تھا وہ اپنے آقائے نامدار کے حکم کی پابندی میں خود تحصیل علم کرتا اور دوسروں کو تعلیم دیتا تھا یا دامے درمے مدد کرتا تھا۔ اور اس سلسلے کو مہد سے لے کر لحد تک جاری رکھنا اپنی سعادت سمجھتا۔ ان درس گاہوں اور خانقاہوں سے اعلیٰ کردار کے بڑے بڑے آدمی نکلتے تھے۔

ف ۱۲۳ ان درس گاہوں میں تعلیم کا مدار قرآن پر تھا۔ اوس کی قراءت و تجوید۔ تفسیر۔ حدیث فقہ۔ کلام۔ صرف و نحو۔ معانی و بیان یہ سب قرآن مجید کے متعلقہ علوم گنے جاتے تھے۔ صحت سے قرآن شریف کا پڑھنا تعلیم کا ایسا لازمی جزء تھا اس کے اظہار کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ لیکن آج کتنے لوگ یہ جانتے ہیں کہ اورنگ زیب حافظ و قاری سبعہ قرات تھے۔ یا ابوالحسن تانا شاہ جو

---

[1] آثار خیر از محمد سعید مارہروی اکبر آبادی۔

نفاست مزاج وعیش و عشرت میں مشہور تھا اس نے باہر سے جید قاری بلا کر ان سے سبعہ قرأت سیکھی تھی۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ شاہ محمد سعید مجددی نے اورنگ زیب کو سبعہ قرأت سکھائی ہیں اس کی سبعہ کی جدار بھی موجود ہے۔ نیز علی الحسینی الکوہ کیلوی نے تاناشاہ کے ذوق کی تکمیل کے لئے سبعہ قرأت کے اختلافات پر حلیتہ القاری کے نام سے ایک کتاب فارسی میں ۱۰۹۶ء میں تالیف کی تھی۔ ناصرالدین محمود کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ بڑا رحم دل۔ نیک مزاج۔ زاہد۔ متقی اور پرہیزگار بادشاہ تھا مگر کتنے لوگ واقف ہیں کہ وہ اچھا قاری۔ بڑا اچھا خطاط۔ اور رسم الخط قرآنی کا ماہر تھا۔ وہ فرصت کے اوقات میں تلاوت کرتا۔ اور سال میں دو قرآن مجید لکھ کر فروخت کرتا اور اسکی آمدنی سے قوت بسری کرتا۔

مورخین ایک واقعہ اس کی مروت اور خوش خلقی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ بیٹھا قرآن مجید لکھ رہا تھا۔ ایک درباری امیر کسی کام سے آگیا اس کو اندر بلالیا جو لکھ رہا تھا اس کو ایک طرف رکھ دیا اور امیر سے گفتگو شروع کی۔ اثنائے گفتگو میں درباری کی نگاہ اس کتابت پر پڑی جہاں دو فیہ ایک کے بعد ایک لکھے ہوئے تھے (ملاحظہ ہو سورہ توبہ آیت ۱۰۸) درباری یہ سمجھا کہ کتابت کی غلطی سے ایک لفظ دوبار لکھدیا گیا ہے عرض کیا کہ اگر گستاخی نہ سمجھی جائے تو ایک فیہ سہو کتابت سے زائد لکھ دی گئی ہے۔ بادشاہ نے اس پر حلقہ بنالیا اس درباری کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں اس کو درست کرلوں گا اس کے بعد دوسری باتیں ہوئیں اور درباری رخصت ہوگیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حلقہ مٹا دیا ایک ذہین ملازم نے جو یہ گفتگو سن رہا تھا عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضور نے درست کئے بغیر حلقہ مٹا دیا۔ بادشاہ نے ہنس کر کہا کہ میں نے جو لکھا تھا وہی درست تھا۔ مگر میں نے اس درباری کی دل شکنی کرنی نہیں چاہی اگر میں اسے قائل کرتا تو وہ شرمندہ اور پریشان ہوکر اپنا مدعا کہے بغیر چلا جاتا۔ اس لئے اس کی خاطر سے میں نے حلقہ بنالیا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ نے جو بات کہی وہ سنہری حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے "غبار دل دور کرنے کی بہ نسبت کاغذ کے نقوش مٹانا بہت آسان ہے"[1]

اشاعت کے ذرائع ۱۲۴ ہندوستان کے بادشاہوں اور امیروں کی علم دوستی اور عالم نوازی کی بدولت بلاد اسلامیہ اور ہندوستان میں قریب کا رابطہ تھا۔ پہلے تو عالم ہی آتے جاتے رہتے۔ پھر تصانیف بہت تیزی سے پھیل جاتی تھیں ایک کثیر جماعت کا جن کو نساخ کہتے تھے

---

[1] تاریخ محمد قاسم فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۷۸۔ اردو مطبوعات دارالتراجم حیدرآباد۔ دکن

کام ہی یہ تھا کہ کتابیں تیزی سے نقل کر کے فروخت کرتے۔ تصانیف کے علاوہ نوادر بھی بہت عجلت سے ہندوستان پہونچ جاتے تھے چنانچہ مشہور خوش نویس یاقوت مستعصمی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے ہندوستان میں موجود ہیں۔ یار محمد بن خداداد سمرقندی نے جو ماوراء النہر کے ایک مستند استاد تجوید و قرات تھے۔ شہزادہ عبید اللہ بہادر خاں کے لئے ۹۲۵ھ میں ایک رسالہ قواعد القرآن کے نام سے لکھا۔ جس کی نقل ابراہیم لودھی کے دربار میں پہونچ گئی اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ دو نسخے حیدرآباد سنٹرل لائبریری میں ہیں۔ ایک عثمانیہ یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے۔ ایک مدراس کے جامعہ کے قلمی کتب خانہ میں ہے۔ ایک خدابخش لائبریری پٹنہ میں ہے۔ چار قلمی نسخے سعیدیہ لائبریری ٹونک میں ہیں، سات قلمی نسخے اسٹیٹ لائبریری رام پور میں ہیں۔ ایک نسخہ مظاہر العلوم کے کتب خانے میں ہے۔ یہ سب نسخے میں نے دیکھے ہیں۔ اس زمانے کے قراء اس کتاب سے ایسے متاثر ہوئے کہ اکثر نے قواعد القرآن کے حوالے دیئے ہیں۔ اسی طرح علامہ شمس الدین الجزری کا انتقال ۸۳۳ھ میں شیراز میں ہوا۔ ۸۳۵ھ میں ان کے فرزند ابوبکر محمد نے اس قرآن کی نقل جس پر علامۃ الجزری نے اپنے ہاتھ سے سبعہ قراءت کا حاشیہ لکھا تھا اصفہانی سے کرا کر احمد شاہ اول بہمنی کے دربار میں بھیجی۔ یہ قرآن شریف شاہی کتب خانہ میں رہا وہاں سے والاجاہی کتب خانے مدراس میں منتقل ہوا۔ مولانا بحر العلوم و مولانا محمد غوث نے اس کو بڑی حفاظت سے رکھا۔ محمد غوث کے دوسرے فرزند مولانا محمد صبغۃ اللہ نے اس کے حواشی کو قائم رکھتے ہوئے اس پر ایک حاشیہ رسم الخط کا اضافہ کر کے طبع کرایا۔ اس میں بحر العلوم کے حوالے جابجا ہیں اس طبع شدہ قرآن مجید کے نسخے جو بہت کم یاب ہیں اب بھی اس خاندان میں پائے جاتے ہیں۔ شیخ القراء حضرت میر روشن علی صاحب مرحوم کے پاس ایک مجروح نسخہ تھا جس کو میں نے دیکھا اس کے بعد جب میں مدراس گیا تو تلاش سے کتب خانہ محمدیہ میں تین نسخے دکھائی دیئے۔ اسی علامۃ الجزری کی تحبیر التیسیر کا قلمی نسخہ جو ۹۰۳ھ میں لکھا گیا سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی پہونچ گیا اب یہ نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک علم سے شغف نہ ہو۔ باہم گہرا ارتباط نہ ہو اور قلمی نسخے بڑی بڑی قیمتیں دیکر خریدے نہ جائیں اس وقت تک اس طویل فاصلوں سے کتابیں پہونچنا ممکن نہیں۔ اس فن میں شغف و والہانہ شیفتگی کی یہ چند مثالیں بیان کر دی گئیں تاکہ تاریخ کے اس رخ سے واقفیت نہ رکھنے والے یہ تصور نہ کریں کہ مسلمانوں نے اس بارہ میں غفلت سے کام لیا۔

قاریوں کے اقسام

ف ۱۲۵ قاریان کرام تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صحت سے قرآن کی تلاوت کرتے اور نماز درست کرنے کے لئے کسی استاد سے تجوید سیکھ کر اپنا کام چلاتے ہیں۔ ایسے قاری کوئی شہرت حاصل نہیں کرتے۔ بسا اوقات ان کے ہم عصر بھی ان کے قاری ہونے سے واقف نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں ایسے علماء و فضلاء یا مشائخین جو کسی اور علم یا فن کی ترویج کو اپنا خاص موضوع بناتے ہیں ان کو بھی عام طور پر لوگ نہ قاری کی حیثیت سے جانتے ہیں اور نہ اس حیثیت سے ان کا ذکر کرتے ہیں اس وجہ سے بعد کی نسلیں ان کو قاری کی حیثیت سے یاد نہیں کرتیں۔ مثال کے طور پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو لیجئے۔ آپ تجوید وقراءت جانتے تھے ایک سال تک مکہ معظمہ میں قیام کا شرف رہا۔ اس زمانے میں وہاں کے قراء سے تجوید وقراءت حاصل کی۔ مگر سوانح نگاروں نے آپ کے محدث ہونے اور حدیث کی سند پر اتنا زور دیا کہ آپ کی سوانح حیات کی کتابوں میں آپ کے قاری ہونے کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اگر شاہ صاحب ایک جگہ حجۃ اللہ البالغہ میں اور دوسری جگہ فوز الکبیر کی تمہید میں اس کا ذکر نہ کر دیتے کہ میں نے تجوید وقراءت سنداً اساتذہ سے حاصل کی ہے تو ہمارے لئے اس کا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا۔

ف ۱۲۶ دوسرے قسم کے قاری وہ ہیں جو تجوید وقراءت کی تعلیم کسی مستند جاننے والے سے شافہتہ حاصل کرتے ہیں اور پھر اس کی اشاعت میں عمر کا کچھ حصہ صرف کرتے ہیں ان کو مقری کہتے ہیں۔ یہ اصحاب قاری کی حیثیت سے تھوڑی بہت شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض قراء نے قاری کی تعریف یوں بھی کی ہے کہ ایک روایت کے یا دو اور تین روایتوں کے سنداً شافہتہ حاصل کرنے والے کو قاری کہتے ہیں اور سبعہ قراءت کو سنداً بعد شافہتہ لینے والے کو مقری کہتے ہیں۔

ف ۱۲۷ تیسری قسم کے قاری وہ ہوتے ہیں جو بڑی محنت وتحقیق سے یہ علم حاصل کرتے ہیں سنداً اور شافہتہ پڑھنے پر اتنا زور دیتے ہیں کہ متعدد اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کئی کئی بار سناتے ہیں۔ جب خود کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ کمال حاصل کر لیا تو پھر عمر کا بڑا حصہ پڑھنے اور پڑھانے میں صرف کرتے ہیں۔ اپنے زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً کتابیں یا رسالے، تالیف کرتے رہتے ہیں تاکہ دوسرے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ ایسے قاری شیخ القراء کہلاتے ہیں۔ اگر وہ خوش الحان بھی ہوں تو پھر مرجع عامۃ الخلائق ہو جاتے ہیں۔ عرصے تک ان کا نام زندہ رہتا ہے ان کا ذکر تذکروں اور تاریخوں میں آ جاتا ہے۔ چنانچہ ہم تک سلف کے جو نام پہنچے ہیں وہ اسی قسم کے یعنی تیسری قسم کے مقریان کرام و مصنفین عظام کے نام ہیں۔ جن کی شہرت اس قدر ہوئی

کہ مورخین وتذکرہ نویس ان کا ذکر نظر انداز نہ کر سکے۔ ورنہ بہت سے قاریانِ کرام تو محض گمنامی ہی ر
رہے۔ اگر کسی قاری کا نام تاریخ میں آجاتا ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس نے اپنے زمانے میں نصف
کے لئے تجوید و قراءت کا ماحول بنا دیا ہوگا بیشمار صحیح پڑھنے والے پیدا کردئے ہوں گے کسی صدی
دور میں ایسے دو قاری بھی مل جائیں تو ان کی تعلیم و تسلسل میں شبہ نہیں رہتا۔ ہندوستان کے
میں ہم جن ناموں کو تاریخ سے پیش کریں گے وہ صرف وہی ہوں گے جن کا سنداً پڑھنا تاریخ
ثابت ہوگیا ہو۔

و۱۲۸ بلادِ اسلامیہ کے قاریان ومقریان ومصنفین کی جو فہرست باب دوم وسوم میں دیگ
ہے وہ یہ بات واضح کردینے کے لئے کافی ہے کہ تجوید و قراءت کا علم وفن تواتر و تسلسل کے سا
شائقین پھیلانے کا ذوق بلاد عرب۔ مصر و اندلس میں نہایت جوش وخروش وقوت سے وسیع
پیمانے پر جاری رہا اب آئیے دیکھیں کہ ہندوستان میں قاریان ومقریان کی تعداد کیا رہی اور کس
طرح تسلسل وتواتر برقرار رکھا گیا۔

و۱۲۹ ہم نے اس سے پہلے بھی یہ بات واضح کردی ہے کہ تجوید و قراءت استاد سے سن کر مشا
حاصل کی جاتی ہے۔ استاد کی ادائی کے مطابق اپنی ادائی بنانا۔ مخارج وصفات شد ومد۔ تفخی
ترقیق۔ فتح و امالہ کا لحاظ ایسا کرنا جیسا استاد کرتا ہے۔ نیز جس کی تصدیق قواعد منضبطہ سے بھی ہو
یہ ملکہ خاصی مشق کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ انگریزی میں اس علم کو (PHONETICS) یا علم الاص
کہتے ہیں۔ انگلستان میں یہ علم سترھویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے۔ اس کے باوجود بھی کسی دو
زبان کا آدمی یہ دعوے نہیں کرسکتا کہ وہ انگریزی بولنے میں بالکل اہلِ زبان کی نقل کرنے میں کامیا
ہوسکتا ہے۔ مگر یہ خصوصیت قرآن ہی کو حاصل ہے ہندوستان میں اس کے اچھے پڑھنے وال
ایسا پڑھتے ہیں کہ بلادِ اسلامیہ سے آنے والے قراء تصدیق کرتے ہیں کہ بے شک یہ اچھے قاری ہیں۔
چنانچہ ان ہی اوراق میں ایسی متعدد مثالیں ملیں گی کہ عرب کے جید قراء نے ہندوستان کے قرا
مہارت فنی پر اظہار تعجب کیا ہے۔

و۱۳۰ ہندوستان میں تجوید و قراءت علماء وصوفیاء کرام کی بدولت پھیلی ان علماء کا تعلق
اکثر کسی نہ کسی خانوادۂ صوفیاء سے رہا ہے۔ صوفیاء کی ہستیاں جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے وہ بابرکت
ہستیاں تھیں جن کا علم وعمل سرتاپا قرآن ہوتا تھا ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مسلم ؎ قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

وہ قرآن میں فنائیت کا درجہ حاصل کرلیتے تھے ورنہ اس کے بغیر کیسے ممکن تھا کہ وہ ایک ایک دن میں دو دو۔ تین تین۔ چار چار قرآن ختم کرلیتے تھے۔ قرآن سے ان کے اسی شغف اور جہد فی القرآن کا نتیجہ تھا کہ ان کے اطراف و جوانب میں وہی ماحول بن جاتا۔ اور وہ ماحول مبتدیوں کو اسی رنگ میں ممد و معاون ثابت ہوتا۔ اکثر صوفیاء کی خانقاہیں نہ صرف مدارس بلکہ یونیورسیٹیوں کا کام دیتی تھیں جہاں نہ صرف علم سکھایا جاتا تھا بلکہ تزکیہ اور اخوت انسانی کی عملی تربیت دی جاتی تھی اور سیرت بنائی جاتی تھی اور اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کی جاتی تھی پھر خاص طلباء کو جن کی صلاحیتیں اچھی ہوتی تھیں دور دراز مقامات پر بھیجا جاتا تھا تاکہ وہاں جاکر وہی ماحول پیدا کردیں اور ویسے ہی درس گاہیں اور خانقاہیں بنائیں۔

۱۳۱۰ مذکورہ صدر حالات کی بناء پر قراء کے حالات بیان کرنے میں ہم کو سہولت اس میں ہے کہ ہم ان کو مختلف ادوار میں تقسیم کردیں تاکہ ہر دور کے مسائی جمیلہ واضح طور پر سامنے آسکیں اور ساتھ ہی دور کی مرکزی شخصیت کے تعین میں آسانی ہو کہ کس دور میں کس نے اپنے ماحول میں قراءت کو مرتبہ کمال پر پہونچا دیا تھا۔ ایسے ادوار میں سے ہر دور کسی خاص شخصیت پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ آپ ادوار کو ایک دوسرے میں مدغم پائیں گے۔ اس کتاب میں بہ لحاظ سہولت چودہ ادوار میں تقسیم عمل میں آئی ہے۔ ہر دور کی خصوصیات اور مرکزی شخصیتوں کا ذکر کردیا گیا ہے ادوار کے نام ہر دور کے ایسے صوفیاء کے نام پر رکھے گئے ہیں جنہوں نے تجوید و قراءت کی تعلیم واشاعت کا کام کیا۔ اس تقسیم کا تصوف کے ادوار سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تقسیم ہندوستان کے مختلف علاقوں میں فن تجوید قراءت کی تعلیم و ترویج واشاعت کے ادوار کی تقسیم ہے۔ آپ تصوف و قراءت کے ادوار کا تقابل کریں تو دیکھیں گے کہ قراءت کی ابتداء و عروج کی تاریخیں تصوف کے ادوار کی تاریخوں سے مختلف ہوں گی۔

چہاردہ ادوار قرائے ہند

(باب ششم) ۱۱ پہلے سات ادوار

نمبر شمار	دور	علاقہ	زمانہ	مرکزی شخصیتیں
۱	دورِ سہروردیہ	پنجاب و نواحِ دہلی	سنہ ۶۱۲ھ سے سنہ ۷۳۵ھ تک	حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی راوی ہفت قراءت
۲	دورِ چشتیہ	اجمیر ۔ دہلی وسط ہند	سنہ ۵۷۵ھ سے سنہ ۹۰۰ھ تک	(۱) خواجہ معین الدین چشتیؒ (۲) خواجہ بختیار کاکیؒ (۳) شیخ فرید گنج شکرؒ (۴) خواجہ نظام الدینؒ
۳	دورِ بلخیہ	بہار و بنگال	سنہ ۷۵۰ھ سے سنہ ۸۹۱ھ تک	(۱) مظفر شمس بلخی (۲) حسین شمس بلخی
۴	دورِ بخاریہ	گجرات	سنہ ۸۰۰ھ سے سنہ ۱۱۵۰ھ تک	(۱) قطب عالم (۲) شاہ عالم
۵	دورِ قادریہ	اتر پردیش و برہان پور	سنہ ۹۰۰ھ سے سنہ ۱۲۹۶ھ تک	(۱) علی متقی (۲) امیر نظام الدین کاکوروی (۳) شیخ عیسٰی جند اللہ
۶	دورِ عیدروسیہ	گجرات و دکن	سنہ ۹۲۵ھ سے سنہ ۱۱۰۰ھ تک	(۱) سید شیخ عبد اللہ (۲) محمد عرب
۷	دورِ مجددیہ	پنجاب اتر پردیش گجرات	سنہ ۱۱۰۰ھ سے سنہ ۱۲۰۰ھ تک	(۱) مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

چہاردہ ادوار قرائے ہند

باب ہفتم (دوسرے سات ادوار)

نمبر	دور	علاقہ	زمانہ	مرکزی شخصیتیں
۸	دور منوفیہ	اترپردیش و دہلی	سنہ ۱۰۵۰ھ سے سنہ ۱۲۵۰ھ تک	حضرت عبدالخالق منوفی
۹	دور عنایت اللہی	بالاپور۔ برار اورنگ آباد	سنہ ۱۰۶۰ھ سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک	شاہ عنایت اللہ بالاپوری
۱۰	دور امام المدرسین	بیجاپور۔ ویلور بیدر مدراس	سنہ ۱۰۸۰ھ سے سنہ ۱۳۴۵ھ تک	مولانا محمد حسین (۲) مولانا محمد غوث
۱۱	دور شجاعیہ	دکن	سنہ ۱۲۰۰ھ سے سنہ ۱۳۰۰ھ تک	شاہ شجاع الدین برہان پوری
۱۲	دور ولی اللہی	دہلی و نواح	سنہ ۱۱۵۰ھ سے سنہ ۱۲۵۰ھ تک	شاہ ولی اللہ دہلوی
۱۳	دور رحمانیہ	اترپردیش بنگال و بہار	سنہ ۱۲۵۰ھ سے سنہ ۱۳۷۵ھ تک	(۱) قاری عبدالرحمٰن انصاری محدث پانی پتی (۲) قاری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادی
۱۴	دور تونسیہ	دکن	سنہ ۱۳۱۰ھ سے سنہ ۱۳۷۵ھ تک	سید محمد التونسی (۲) عبدالحق مہاجر مکی

باب ششم

دورِ اول، دورِ سہروردیہ

زمانہ از ۶۱۴ھ تا ۷۳۵ھ

مرکزی شخصیت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی

۱۳۲ ۔ ۶۱۴ھ میں مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی سے اس دور کا آغاز ہوتا ہے اور ۷۳۵ھ تک جاری رہتا ہے۔ اس دور کے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ابتدا ہی سے کمالِ فن کا ظہور ہو جاتا ہے مرکزی شخصیت بھی حضرت مخدوم صاحب جیسی عظیم المرتبت ہستی تھی۔ آپ کے والد کا نام وجیہ الدین ابن کمال الدین والدہ کا نام بی بی راستی بنت حسام الدین ترمذی۔ آپ ۵۷۸ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر تک ملتان میں تعلیم حاصل کی پھر بغرض تحصیلِ علم خراساں تشریف لے گئے۔ اسی عمر میں حافظ و قاری ہوئے۔ اور درس ہفت قراءت سیکھیں۔ اس کے بعد خوارزم بلخ۔ بغداد اور مدینہ منورہ کی شہرہ آفاق درس گاہوں میں رہ کر سند فضیلت حاصل کی۔ پانچ سال مدینہ منورہ میں رہکر حدیث سیکھی و سکھائی۔ غرض بلادِ اسلامیہ کے مشہور مدارس میں رہ کر معقولات و منقولات کی تکمیل کی۔ جب پورا تبحر ہو گیا تو آپ مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ وہاں سے بیت المقدس پہونچ کر انبیائے کرام کے مزارات کی زیارت کی۔ ساتھ ہی ساتھ بڑے بڑے بزرگان دین اور کاملین کی صحبتوں سے فیض یاب ہوتے رہے۔ اس عمر میں آپ کی زندگی نہایت متقیانہ تھی جب آپ بغداد پہونچے تو جید عالم۔ خوش آواز مقری۔ خوش بیان مفسر و متبحر محدث تھے۔ اس وقت شیخ شہاب الدین سہروردی رح کی شہرت و مقبولیت عام تھی۔ جب آپ ان کی خدمت میں پہونچے تو فرمایا "سفید باز آگیا۔ اس کے بعد مرید کر کے تھوڑے ہی عرصے میں خلافت عطا فرمائی۔ ۶۱۴ھ میں

آپ ملتان واپس آ گئے۔ یہاں مقام کرنے کے بعد رفتہ رفتہ عظیم الشان مدرسہ۔ رفیع المنزلت خانقاہ۔ وسیع و عریض لنگر خانہ۔ پرشکوہ مجلس خانہ۔ عالی شان مساجد تعمیر کرائیں۔ چند ہی روز میں ملتان کے مدرسہ عالیہ نے ہندوستان کی مرکزی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کر لی جس میں علوم منقول و معقول کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے لائق و فاضل وحید العصر معلم و اساتذہ اس میں قرات و حفظ قرآن۔ تفسیر و حدیث ادب و انشاء فلسفہ و منطق، ریاضی و ہیئت کی تعلیم دیتے تھے خود مخدوم صاحب صدر مدرسہ تھے۔ نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ عراق و حجاز و شام تک کے طلباء اس مدرسے میں زیر تعلیم تھے۔ طلباء کی وہ کثرت تھی کہ ہم عصر مدارس میں کہیں نہ تھی خصوصیت یہ تھی کہ کئی ہزار طلباء کو نہ صرف دونوں وقت کھانا ملتا تھا بلکہ کتابیں اور تمام سامان نوشت و خواند بھی دیا جاتا تھا۔ ان کے قیام کے لئے یہ کثرت اقامت خانے اور سینکڑوں حجرے بنے ہوئے تھے۔ اس جامعہ اسلامیہ نے بڑے بڑے علماء و فضلا پیدا کئے۔ ملتان کی شہرت کو فلک الافلاک تک پہونچا دیا۔ آج تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ ایک پوری یونیورسٹی کے تمام کلی و جزی مصارف کی کفیل ایک ہستی ہو سکتی تھی۔

۱۳۳ تعلیم کے ساتھ آپ طلباء کی تربیت۔ اصلاح اخلاق اور سیرت سازی کی طرف بھی توجہ فرماتے تھے۔ طلباء کے علاوہ ایک بڑی جماعت سالکین کی بھی خانقاہ میں رہتی تھی۔ جو ذکر و شغل و مجاہدات میں مصروف رہتی ان کی تربیت ہو جانیکے بعد ان کو خلافت دے کر جس مقام پر ضرورت ہوتی بھیج دیتے۔ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں وعظ فرماتے جس کو سننے کے لئے دور دور سے لوگ آتے وعظ میں ایسا اثر ہوتا کہ لوگ چیخیں مار مار کر روتے۔

۱۳۴ دولت و جائیداد کے کاروبار۔ مدارس و خانقاہ کے انتظامات ہدایت و ارشاد کی ذمہ داریوں اور مشغولیت کے باوجود آپ کی عبادت و اطاعت کی یہ حالت تھی کہ عشاء کے بعد شب میں دو رکعت قیام میں کبھی ایک اور کبھی دو قرآن مجید ختم کر دیتے۔ تہجد کی نماز کے بعد ہمیشہ تلاوت کے لئے بیٹھ جاتے۔ اور صبح کی نماز کے وقت قرآن ختم کر کے اٹھتے۔ رمضان میں آپ نے ایک مرتبہ عشاء کے بعد فرمایا کہ:۔

"میرا دوست وہ ہے جو تمام رات میں دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں ایک قرآن پڑھے جو میں خود برسوں پڑھتا رہا ہوں"

یہ فرما کر آپ خود بھی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور دو رکعتوں میں نہ صرف دو قرآن ختم کئے بلکہ

چار سی پارے اور پڑھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ قرا، وحفاظ سے بھری رہتی تھی اور آپ ان کو اس طرح ترغیب دلا کر طاعت کے لئے آمادہ کرتے رہتے تھے لہ

و ۱۳۵ حضرت کی وفات ۶۶۶ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کے سات فرزند تھے سب علم فضل سے آراستہ تھے۔ سب میں زیادہ قابل ذکر فرزند صدر الدین عارف تھے جو اچھے قاری وحافظ تھے۔ سالہا سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے آپ کی ایک کرامت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جس کو قرآن شریف پڑھاتے وہ جلد حافظ ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کا ہفت سالہ بچہ کئی کئی پارے حفظ کر لیتا تھا۔ حضرت صدر الدین عارف کا انتقال ۶۸۴ھ میں ہوا۔ آپ کے مریدین میں مولانا علاء الدین بڑے محقق وفاضل اور جید قاری تھے۔ دن رات میں دو بار قرآن شریف ختم کرتے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے داماد شیخ فخر الدین عراقی بھی حافظ وقاری تھے۔ ہمدان کے لوگ آپ کی خوش گلو کے شیفتہ تھے۔ ملتان میں ایک عرصہ گزار کر حج کو تشریف لے گئے۔ ۶۸۷ھ میں وہیں انتقال ہوا۔

و ۱۳۶ شیخ رکن الدین ابو الفتح حضرت زکریا ملتانی کے پوتے اور صدر الدین عارف کے فرزند تھے۔ دادا سے تربیت پائی تھی۔ حافظہ نہایت قوی تھا۔ حفظ وقراءت کی جلد ہی تکمیل کر لی۔ ان کی والدہ بی بی راستی جو حضرت صدر الدین عارف کی بیوی تھیں وہ بھی حافظہ وقاریہ تھیں۔ روزانہ ایک قرآن ختم کرتی تھیں۔ ان کا انتقال ۶۹۵ھ میں ہوا۔ حضرت رکن الدین عرصہ تک روزانہ ایک قرآن ختم کرتے رہے۔ دادا کی خانقاہ ومدرسہ والد کے بعد آپ ہی چلاتے رہے مدرسہ اسی آب وتاب سے چلتا رہا۔ ترکستان۔ ماوراء النہر۔ خراسان۔ ایران۔ عراق ودمشق وحجاز کے طلباء برابر آتے رہے۔ ۷۳۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

و ۱۳۷ بابا شرف الدینؒ اور بابا شہاب الدینؒ بھی سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تھے جنہوں نے دکن میں علم وفضل کی شمعیں روشن کیں۔

(ب) شیخ جلال الدین سہروردیؒ بھی جید حافظ وقاری تھے۔ ملتان ودہلی ٹھہرتے ہوئے بدایوں وہاں سے نکل کر پنڈوہ علاقہ بنگال میں سکونت اختیار کی۔ ۶۴۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

لہ ہفتاد اولیا از شاد مراد سہروردی۔ حضرت بہاء الدین زکریا کے ارشادات بہت ہیں ان میں سے ایک یہ ہے "انسان ایک جسم رکھتا ہے۔ ایک روح اور پھر ایمان۔ بدن کی سلامتی قلت طعام میں ہے۔ روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی درود بھیجنے میں"

۱۳۸ و قاضی حمید الدین ناگوری بھی اچھے حافظ وقاری تھے ۔ دو رکعت نفل تہجد میں اکثر ایک قرآن مجید ختم فرماتے ۔ خواجہ بختیار کاکی کے استاد تھے ۔ وفات ۶۴۳ھ میں واقع ہوئی

اس دور کی خصوصیات

۱۳۹ و دولت وامارت کے ساتھ احسان وتصوف کا ذوق اور اس میں کمال کسی اور دور میں ایسا نمایاں نظر نہیں آتا ۔ جیسا اس دور میں تھا ۔

(۲) بہت بڑے پیمانے پر مختلف ممالک کے طلباء نے علوم قرآنی ۔ تفسیر ۔ حدیث ۔ و ۔ فقہ وعلوم عقلی سے بہرہ حاصل کیا ۔

(۳) تبلیغ وخدمت خلق کا کام بہت تیزی سے ہوا ۔

(۴) اس دارالعلوم کے طلباء دور دور تک خدمت خلق کے لئے نکل گئے

(۵) عوام الناس میں خدا طلبی کا بڑا ذوق وشوق پیدا ہوا ۔ ملتان میں یہ حالت بتائی جاتی تھی کہ گھروں کی بیویاں تو ایک طرف کنیزیں وخادمائیں تک چکی پیستے وقت ذکر الہٰی کرتی رہتی تھیں ۔ ہر طرف سے اللہ اللہ اور قرآن کی صدائیں آتی تھیں ۔

(۶) حضرت کی خانقاہ حفاظ وقراء سے بھری رہتی تھی ۔ ان میں شب بیداری اور تلاوت سے شغف پیدا کرنے کے لئے حضرت بڑے موثر طریقے استعمال کرتے تھے ۔

(۷) حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے انسانی زندگی کا مکمل پروگرام دیا ہے ۔ کہ ہر انسان کو پہلے علم سیکھنا چاہئے ۔ اس کے ساتھ سیاحت وسفر سے کاملین کی خدمت کرنی چاہئے ۔ متاہلانہ زندگی اور اولاد کی تربیت کے ساتھ ساتھ خلق خدا کی خدمت کرنی چاہئے ۔ پھر طلباء کو تیار کرکے ان سے کام لینا چاہئے ۔ ایسی زندگی ہر مسلمان کے لئے شمع ہدایت ہے ۔ آپ دن کو امور انتظامی میں مشغول رہتے اور پھر رات میں عبادت وتلاوت کرتے ۔

۱۴۰۔ اس ضمن میں قابلِ ذکر مریدین و خلفاء سلسلہ کے اسماء درج ذیل ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ وفات ۶۳۰ھ

- قاضی حمید الدین ناگوری — حافظ و قاری — وفات ۶۴۳ھ
- شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی — قاری ہفت قراءت — وفات ۶۶۶ھ
  - فرزند: شیخ صدر الدین عارف
    - فرزند: شیخ رکن الدین ابوالفتح
    - خلیفہ: مولانا علاء الدین
  - داماد: شیخ فخر الدین عراقی
  - خلیفہ: شیخ جلال الدین
- شیخ جلال الدین تبریزی — حافظ و قاری — وفات ۶۴۲ھ
- دیگر خلفاء
  - (۱) شیخ فرید الدین عطارؒ
  - (۲) شیخ سعدی شیرازیؒ
  - (۳) بابا شرف الدینؒ
  - (۴) بابا شہاب الدینؒ

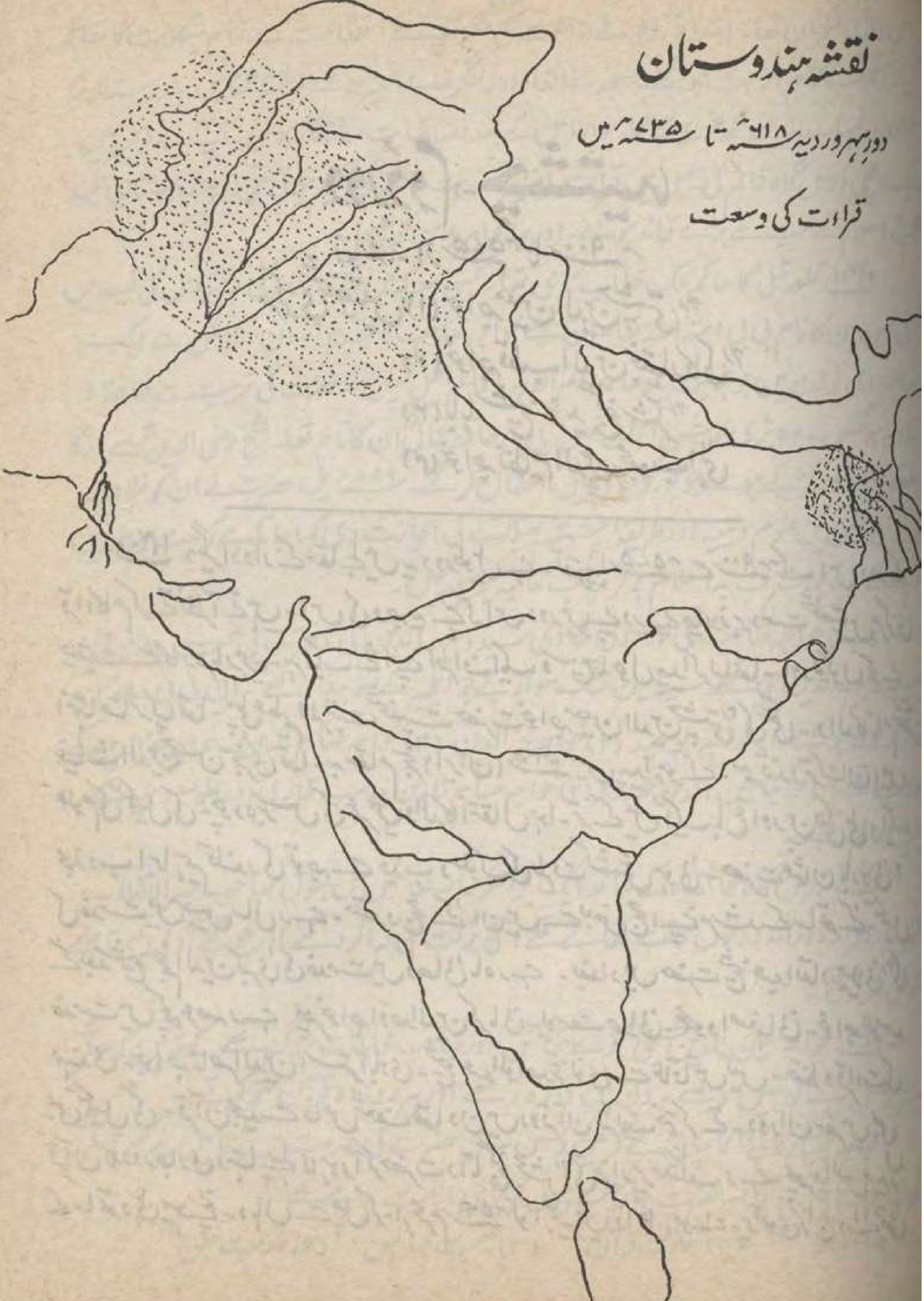

نقشہ ہندوستان

دورِ سہروردیہ ۶۱۸ھ تا ۷۳۵ھ میں

قرأت کی وسعت

دورِ دوم :- چشتیہ

زمانہ :- از ۵۷۵ھ تا ۹۰۰ھ

مرکزی شخصیتیں (۱) خواجہ معین الدین چشتی رح

(۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح

(۳) بابا شیخ فرید گنج شکر رح

(۴) خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی

ف ۱۴۰ دیگر ادوار کے مقابلے میں یہ دور طویل ہے۔ تقریباً ۵۷۵ھ سے ۹۰۰ھ تک اس دور کے قراء کام کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں پے در پے چار زبردست شخصیتیں مرکزی حیثیت سے کارفرما رہیں۔ ہر ایک نے اپنے اطراف ایک وسیع ماحول پیدا کر لیا تھا۔ اور لوگوں کو بے انتہا متاثر کیا تھا۔ پہلی عظیم المرتبت شخصیت حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کی تھی۔ والد کا نام خواجہ غیاث الدین حسن سنجری تھا۔ بہ مقام سنجر (ایران) ۵۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سمرقند (ترکستان) میں علوم کی تکمیل کی۔ چودہ برس کی عمر میں والد کا انتقال ہوا۔ ترکے میں ایک باغ اور پن چکی ملی۔ ایک مجذوب ابراہیم قلندر کی توجہ سے جذب و سلوک کی طرف کشش ہوئی۔ حضرت عثمان ہارونی رح کی خدمت میں بیس سال رہے۔ متعدد حج کئے ان میں سے بعض حج اپنے مرشد کے ساتھ کئے۔ تکمیل کے بعد شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں ڈھائی ماہ رہے۔ بغداد میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے پھر خواجہ اوحد الدین کرمانی۔ یوسف ہمدانی۔ محمود اصفہانی۔ خواجہ ابو سعید مہندی۔ خواجہ ناصر الدین استرآبادی۔ شیخ عبد الواحد غزنوی سے ملاقاتیں کیں۔ حفظ و قراءت کی بھی تکمیل کی۔ قرآن مجید سے خاص شغف تھا دن میں دو قرآن شریف ختم کرتے۔ دوران سفر میں بھی قرآن کا دور جاری رہتا پہلے لاہور آکر حضرت داتا گنج بخش رح کی مزار پر معتکف رہے۔ پھر چالیس مریدوں کے ساتھ دہلی پہنچے۔ وہاں سے چل کر ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر میں داخل ہوئے۔ پرتھوی راج (رائے پتھورا)

اس وقت حکمران تھا۔ ابتداءً راجہ نے مزاحمت کی مگر آپ نے استقامت سے تمام مشکلات کا مقابلہ کیا۔ آخر سب کام درست ہو گئے۔ مسجد۔ خانقاہ اور لنگر خانے تعمیر ہوئے۔ ۵۸۶ھ میں ہندوستان پر سلطان شہاب الدین محمد غوری کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد فضا نہایت سازگار ہو گئی۔ آپؒ نے اجمیر میں ایک اچھی درس گاہ قائم کی۔ جس میں قرأت تفسیر۔ حدیث و فقہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ ہندوستان میں آپؒ اسلام کے سب سے بڑے قائد ہوئے۔ اور جا بجا مریدین کو بھیجا۔

و۱۴۱ قلعہ ٹلی کا حاکم ملک خطاب نامی تھا۔ کسی معرکہ میں ایک راجہ کی دختر اس کی قید میں آئی تھیں ان کا نام بی بی امتہ اللہ تھا۔ ان سے خواجہ صاحب کا عقد ہوا۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادی تولد ہوئیں جو نہایت پارسا۔ صائم الدہر و قائم اللیل تھیں۔ حضرت کی تربیت سے حافظ و قاریہ ہو گئیں۔ وہ بڑی خوش الحان تھیں بی بی حافظ جمالؒ ان کا نام تھا۔ شیخ رضی الدینؒ سے انکا عقد ہوا۔ دو لڑکے ہوئے جو خورد سالی میں انتقال کر گئے۔ ۵۹۹ھ میں حضرت نے ان کو خلافت دے کر خواتین میں علوم دینیہ اور طریقۂ چشتیہ پھیلانے کی اجازت دی کہا جاتا ہے کہ بہت سی عورتیں آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو کر مراتب عالیہ پر پہونچیں۔

(ب) خواجہ صاحبؒ کی دوسری شادی سید وجیہہ الدین کی دختر بی بی عصمت سے ہوئی۔ سید وجیہہ الدین چچا تھے سید حسین خنگ سوار کے جو اجمیر کے صوبیدار تھے۔ ان بی بی سے تین فرزند تولد ہوئے (۱) خواجہ ابو سعید (۲) خواجہ فخر الدین (۳) خواجہ حسام الدین۔ خواجہ فخر الدین کے دو بیٹے تھے (۱) خواجہ معین الدین خورد و (۲) خواجہ حسام الدین یہ سب قاری اور علوم دینیہ کے جید عالم تھے۔

و۱۴۲ درس گاہ خانقاہ کے ساتھ ایک بڑا لنگر خانہ تھا جس میں بقول صاحب سیر الاقطاب کئی ہزار افراد روزانہ دونوں وقت کھاتے تھے اتنی برکت تھی کہ اگر دگنے اور چوگنے آدمی بھی آجاتے تو کمی نہ پڑتی۔

و۱۴۳ خواجہ معین الدین چشتیؒ بڑے جفاکش اور صاحب مجاہدات بزرگ تھے کہتے ہیں کہ حضرت ستر برس شب کو نہیں سوئے۔ دن میں روزہ رکھتے اور ہر روز دو قرآن ختم کرتے۔

خواجہ بختیار کاکیؒ کا بیان ہے کہ میں دس سال حضرت کی خدمت میں رہا میں نے کبھی حضرت کو خفا ہوتے نہیں دیکھا۔ حضرت چار چیزوں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

(۱) نماز (۲) تلاوت قرآن (۳) صحبت صالحین (۴) خدمت خلق

چنانچہ حضرت کے اقوال نمونتاً پیش ہیں۔ فرمایا :۔

(۱) "بندے کو نماز میں قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ بات اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے کہ نماز مسلمان کی معراج ہے۔ نماز ایک راز ہے جس کو بندہ اپنے پروردگار سے عرض کرتا ہے۔ پس جس قدر اطمینان و حضوریٔ قلب و مشغولی نماز میں ہوتی ہے اسی قدر قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔"

(۲) فرمایا :۔ "جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کو چار چیزیں ملتی ہیں

(الف) اس کے نامۂ اعمال میں دو ثواب لکھے جاتے ہیں۔

(ب) دس برائیاں دور ہوتی ہیں۔

(ج) آنکھ کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔

(د) وہ آنکھ کبھی دنیا کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتی۔"

(۳) فرمایا ۔ "سورہ فاتحہ تمام بیماریوں کے لئے دوا ہے۔ جب کوئی بیمار کسی دوا سے اچھا نہیں ہوتا تو صبح کے فرض اور سنتوں کے درمیان بسم اللہ کے ساتھ اکتالیس بار سورہ فاتحہ پڑھ کر مریض پر دم کرے مگر صدق دل سے۔ انشاء اللہ شفائے کلی حاصل ہو گی۔"

(۴) یہ سورۂ فاتحہ روائے حاجت اور دفع مشکلات کے واسطے اس طریقے سے پڑھی جاتی ہے کہ بسم اللہ کے الرحیم کے میم کو الحمد کے لام سے ملا دیا جائے اور آخر میں تین مرتبہ آمین آہستہ آہستہ کہی جائے۔"

(۵) نیز فرمایا ۔ "سورہ الحمد میں سات آیتیں ہیں۔ اس کا پڑھنے والا سات چیزوں سے نجات پاتا ہے :۔ (۱) ثبور (۲) جہنم (۳) زقوم (۴) شقاوت (۵) ظلمت (۶) فراق (۷) خواری۔"

(۶) نیز فرمایا ۔ "سورہ فاتحہ انصرام مہمات کے لئے بہت مفید ہے۔ اس سے بہتر عمل، حاجت روائی کے لئے نہیں ہے۔"

(۷) نیز فرمایا :۔ "صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ جس کو جو حاصل ہوا فیض صحبت ہی سے ہوا۔"

(۸) نیز فرمایا ۔ بغیر خدمت و محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی فرد مسلم غربت یا ذلت میں گرفتار ہوتا ہے تو وہ گونہ قربت الٰہی رکھتا ہے۔ اس کی حاجت روائی میں مدد کرنی

عین عبادت و موجب خوشنودی باریٔ تعالےٰ ہے۔"

۱۴۴ خدمت خلق کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی کاربرآری میں مدد فرماتے ایک عجیب وغریب واقعہ صاحب وقائع لکھتے ہیں کہ

"حضرت کے آخری زمانے میں ایک کاشت کار نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔ اجمیر کے حاکم نے میرے کھیت ضبط کر لئے ہیں اور کہتا ہے کہ جب تک فرمانِ شاہی نہ ہوگا کھیت تجھے نہیں ملیں گے۔ چونکہ میری روزی کا یہی ایک ذریعہ ہے اس لئے میں سخت پریشان ہوں اگر آپ خواجہ بختیار کاکیؒ کو ایک خط لکھ دیں تو سلطان التمش سے کہکر فرمان جاری کرا سکتے ہیں۔

حضرت نے ذرا غور کیا اور جواب دیا کہ اچھا میں تیرے ساتھ دہلی چلتا ہوں۔ کاشت کار بے انتہا خوش ہوا۔ حضرت کو لے کر دہلی پہونچا۔ جب حضرت نواح دہلی میں پہنچے تو خواجہ بختیار کاکیؒ کا ایک مرید حضرت کو پہچان کر دوڑا ہوا گیا اور حضرت بختیار کاکیؒ کو اطلاع دی۔ حضرت بختیار کاکیؒ کو خواجہ صاحبؒ کی اس بلا اطلاع آمد پر تعجب ہوا کیوں کہ دستور یہ تھا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ حضرت بختیارؒ کو اپنی آمد کی اطلاع دیا کرتے تھے اور حضرت بختیار کاکیؒ شاہ التمش کو اطلاع دیتے۔ دونوں دہلی سے باہر جا کر استقبال کر کے خواجہ صاحبؒ کو لاتے۔ اس خلاف دستور آمد کی وجہ سے تشویش ہوئی۔ بہرحال فوڑا ہی بادشاہ کو خبر کی۔ دونوں نے استقبال کر کے حضرت کو ان کی فرودگاہ پر چھوڑا بادشاہ کے جاتے ہی خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنی تشویش کا اظہار کیا تو خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ:۔

"تشویش کی کوئی بات نہیں ہے ایک غریب کاشت کار کے لئے شاہی فرمان لینا تھا اس لئے میں اس کے ہمراہ آگیا۔"

"خواجہ بختیار کاکیؒ نے یہ کہا کہ یہ کونسی بڑی بات تھی آپ کا ایک مکتوب آجاتا تو کافی تھا سب کام بن جاتے۔ تکلیف فرمائی کی کیا ضرورت تھی۔"

اس کے جواب میں حضرت خواجہ صاحب نے جو فرمایا وہ سرمایہ ہدایت ہے

"ہر فردِ مسلم زمانہ ذلت وعزت میں اللہ تعالےٰ سے گونہ قربت رکھتا ہے۔ اس کے رنج میں شریک ہونا اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کا سبب ہوتا ہے جب اس شخص نے اپنے واقعات بیان کئے تو میں نے غور کیا اور مجھے ایسا ہوا کہ یہ شخص ذاتی واجب الامداد ہے اس کے

ریخ میں شریک ہونا عین عبادت ہے پس میں خود یہاں تک آگیا۔ قدم قدم پر جتنا یہ شخص خوش ہوتا تھا اتنا ہی ثمرہ مجھ کو ملتا تھا۔ یہ ثواب اجمیر میں بیٹھ کر عبادت کرنے سے ہرگز حاصل نہ ہوتا۔"

غور کرنے کا مقام ہے کہ صائم الدہر اور قائم الیل انسان یہ کہتا ہے کہ میرے قیام اجمیر کی عبادتیں اس خدمتِ خلق کے مقابلے میں فضیلت نہیں رکھتیں ؎

خدمت از رسم و رہ پیغمبری ست　　مزد خدمت خواستن سوداگری ست

۱۴۵ خواجہ صاحب کی وفات ۶۳۳ھ میں واقع ہوئی۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

۱۴۶ دوسری زبردست مرکزی حیثیت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تھی۔ والد کا نام خواجہ سید کمال الدین۔ وطن اوشس تابع فرغانہ (ترکستان) ولادت ۵۸۲ھ۔ ڈھائی سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ عسرت و تنگی میں گزارنے لگے۔ آپ کی والدہ بڑی نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ نصف قرآن حفظ تھا۔ تلاوت کے وقت بچے کو پاس بٹھا لیتیں۔ اس سے حضرت کو قرآن شریف سے خاص مناسبت ہو گئی۔ بسم اللہ کے بعد قرآن شریف قاضی حمید الدین ناگوری سے پڑھا اور بہت جلد حافظ ہو گئے۔ تلاوت سے خاص شغف رہا۔ جب آیات خوف و ہراس پر پہونچتے تو روتے روتے بے ہوش ہو جاتے۔ جب آیات رحمت پڑھتے تو تبسم فرماتے اور وجد کرنے لگتے۔ جذب و سکر کا عالم ہمہ وقت طاری رہتا (آداب المریدین)۔ تکمیل علم کے بعد آپ بغداد تشریف لے گئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ شیخ اوحد الدین کرمانی۔ شیخ محمود اصفہانی سے ملے پھر ان ہی بزرگوں کے سامنے خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بیعت ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد خلافت لی۔ اولیائے کبار کی زیارت کے لئے چلے گئے۔ سفر کرتے ہوئے ملتان پہونچے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس قیام کیا۔ اس وقت شیخ جلال الدین تبریزی بھی ملتان میں تھے۔ تینوں بزرگوں میں خاص دوستی اور محبت ہو گئی۔ جو پروگرام رشد و ہدایت کا ان بزرگوں نے ملتان میں بیٹھ کر بنایا اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ مگر بعد کی زندگیاں بتلاتی ہیں کہ ان تینوں نے بڑے بڑے کام انجام دیے۔ یہ تینوں بزرگ قرآن مجید کے حافظ و قاری تھے سلوک بالقرآن کو تقرب خداوندی کا ذریعہ بنایا۔ ملتان سے نکل کر خواجہ بختیارؒ اپنے مرشد سے ملنے دہلی آئے۔ سلطان نے آپ کا استقبال کیا۔ بڑے احترام سے لے جا کر ٹھہرایا۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے پیر و مرشد کو دہلی سے خط لکھا اور ملنے کی تمنا ظاہر کی مگر خواجہ صاحب نے آپ کو دہلی ہی میں ٹھہرنے کی ہدایت کی۔ ادھر سلطان التمش نے بھی درخواست کی کہ حضرت دہلی ہی میں قیام فرمائیں۔ آپ کے درس و تدریس

تعلیم وتلقین کے لئے مسجد اعزالدین تجویز کی لاڈو سرائے کے جنگل میں اس کے نشانات موجود ہیں۔ آپ وہاں تعلیم وتلقین میں مصروف ہوگئے۔ آپ کو تلاوت سے خاص شغف تھا۔ دن رات میں دو قرآن شریف ختم فرماتے سلطان التمش آپ کا مرید وخلیفہ تھا۔ دربار کے بہت سے امراء آپ کے مرید ہوگئے۔ مولانا بدرالدین غزنوی بھی آپ کے مرید تھے۔

و۱۴۷ مورخین سلطان ایلتمش کے متعلق لکھتے ہیں کہ ظاہر میں تو بادشاہ تھا۔ مگر دل درویشوں کا رکھتا تھا۔ اس کا طریقہ تھا کہ کم کھاتا۔ کم سوتا۔ تمام شب بیدار رہتا۔ اپنے کام کے لئے کسی غلام یا نوکر کو تکلیف نہ دیتا۔ رات کو ڈول اپنے پلنگ کے نیچے رکھتا۔ نماز تہجد کے لئے جب اٹھتا تو خود پانی بھر لیتا تاکہ کسی کے آرام میں خلل نہ ہو۔ آخر شب میں گدڑی اوڑھ کر شہر میں گشت کرتا۔ جس کو تکلیف میں دیکھتا رفع کرتا۔ علماء وصلحا کو بہت کچھ دیتا۔ بسا اوقات روپے تھیلیوں میں بھر کر پوشیدہ طور سے انکے گھروں میں پھینک دیتا۔ اسی قدر دانی کی وجہ سے اس کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء دہلی میں موجود تھے۔ سلطان بلبن کہا کرتا تھا کہ دربار التمشی میں جو ہجوم علماء کا دیکھا تھا کبھی ویسا ہجوم دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔

و۱۴۸ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی" مولانا بدرالدین غزنوی اور قاضی حمیدالدین ناگوری میں مخلصانہ دوستانہ مراسم تھے۔ ایک مرتبہ یہ تینوں بزرگ رمضان میں جامع مسجد میں معتکف ہوئے روزانہ دو قرآن شریف ختم کرتے ایک شام کو یہ طے ہوا کہ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر قرآن شریف پڑھا جائے۔ قاضی حمیدالدین ناگوری کو امام بنایا۔ آپ نے پہلی رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھا اور دوسری رکعت میں اور چار پارے پڑھے اس کے بعد تینوں نے دعا کی کہ

"اے اللہ ہم نے یہ کام آپ کی خوشنودی کی خاطر کیا ہے تاکہ آپ ہم سے راضی ہو جائیں۔"

غرض اس زمانے کی قرآن خوانی کا یہ حال تھا۔

و۱۴۹ آپ کسی کے تحفے تحائف قبول نہ فرماتے۔ گھر میں کچھ نہ ہوتا تو آپ مع عیال واطفال و خدام کے بھوکے رہتے۔ مگر اس حالت میں بھی تلاوت جاری رہتی (راحت القلوب)

ایک شعر پر ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ؎ ہر زمان از غیب جانِ دیگر ست

وجد آگیا تین روز تک کیفیت طاری رہی۔ اسی میں انتقال ہوا۔

تاریخ وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ ہے۔

باباشیخ فریدگنج شکرؒ

ف ۱۵۰ تیسری عظیم المرتبت شخصیت باباشیخ فریدگنج شکرؒ کی تھی۔ آپ کے دادا شیخ شعیب اہل وعیال کو لے کر کابل سے لاہور آئے۔ چوں کہ عالم فاضل تھے۔ قاضی مقرر ہوئے۔ ان کے بعد آپ کے والد شیخ سلیمان بھی قاضی مقرر ہوئے۔ آپ کی والدہ بھی بزرگ اور صاحب ولایت تھیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبارالاخیار میں لکھا ہے کہ

"والدۂ شیخ ہم بسے بزرگ و مستجاب الدعوات بود"

آپ ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں قرآن مجید تجوید سے پڑھنا سیکھا تھا۔ ایک روز شیخ فرید مسجد میں بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ حضرت بختیار کاکیؒ وہاں تشریف لائے۔ شیخ فرید ان کے مرید ہوگئے۔ حضرت بختیار کاکی نے فرمایا کہ تکمیل علوم کے بعد میرے پاس آنا۔ مرشد کے حکم کی تکمیل میں آپ قندھار گئے وہاں سے بغداد گئے دارالعلوم میں ایک مدت تک علوم حاصل کرتے رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی شیخ بہاءالدین حموی، شیخ اوحدالدین کرمانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد ملتان آکر شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی کے پاس قیام کیا۔ وہاں سے اپنے شیخ کے پاس دہلی آئے بڑی ریاضتیں کیں۔ یہاں جب خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے خلیفہ بختیار کاکیؒ سے ملنے آئے اس وقت آپ بہت نحیف ہو گئے تھے۔ تعظیم کے لئے بہ مشکل کھڑے ہوئے اس وقت خواجہ صاحبؒ نے خاص توجہ ڈالی بختیار کاکیؒ سے بھی سفارش کی اور دونوں نے اسی جلسہ میں آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ وہاں سے آپ اجودھن تشریف لے گئے۔ غیاث الدین بلبن آپ کا بہت معتقد تھا۔ ایک روز دعا کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا دل میں خیال گزرا کہ سلطان وقت لاولد ہے کیا اچھا ہو کہ حضرت کی دعا سے بادشاہی مل جائے بولنے کا موقع تو نہ تھا مگر حضرت نے اس کے مافی الضمیر پر اطلاع پاکر فرمایا۔

فریدوں فرخ فرشتہ بنود ؎ زمشک و زعنبر سرشتہ بنود
بداد و دہش یافت او نیکوئی ؎ تو داد و دہش کن فریدوں توئی ابر

ف ۱۵۱ مصنف سیرالاولیاء لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ کو قرآن مجید سے بے حد شغف تھا۔ اپنے خاص مریدوں کو بہت دلکش انداز میں قرآن پڑھاتے تھے"۔ آپ کے خلیفہ سلطان المشائخ کے ملفوظات میں درج ہے کہ:۔

"حضرت بڑی فصاحت سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ ض اد کی ادائی ایسی تھی کہ تقلید وکوشش کے باوجود میں ایسی ادائی پر قادر نہ ہو سکا"۔

حضرت سلطان المشائخ کی خواہش پر حضرت شیخ فریدان کو ہر جمعہ کو درمیان جمعہ وعصر

درس تجوید دیا کرتے تھے اس طرح ایک منزل ختم کی۔ اس شہادت سے ظاہر ہے کہ حضرت شیخ فریدؒ نہ صرف قاری تھے بلکہ مقری بھی۔ قرآن مجید کو صحت سے پڑھنے کی اہمیت ان بزرگوں کے عمل سے ظاہر ہوتی ہے کہ کثیر المشاغل ہونے کے باوجود اپنے مریدین کو تجوید و قراءت سکھلانا ضروری سمجھتے تھے۔ مریدین بھی بڑی عمر میں صحت تلاوت اور قراءت سیکھنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔

و۱۵۲ حضرت سلطان المشائخ کے بیان کے مطابق حضرت شیخ فرید گنج شکر کی خانقاہ حفاظ وقراء سے بھری رہتی تھی۔ آپ اکثر طالبین کو سلوک بالقرآن پر لگادیتے تھے۔ باباصاحب کے شغف قرآنی کی یہ حالت تھی کہ بچانوے سال کی عمر میں بھی تراویح میں قرآن سنتے رہے جب کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر سننے لگے۔ ہر مرید کو قرآن شریف حفظ کرنے اور تجوید سیکھنے کی تاکید فرماتے رہتے۔ چنانچہ سلطان المشائخ کو تجوید جس طرح سکھلائی وہ آپ سن چکے۔ حفظ کے لئے بھی وصیت کی۔ ۲۵ جمادی الاول ۶۶۹ھ کو اپنا لعاب دہن سلطان المشائخ کے دہن میں ڈالا تاکہ وہ حافظ ہوجائیں حفظ قرآن آسان ہونے کے لئے ایک تدبیر بھی بتاتے تھے کہ پہلے سورہ یوسف کو یاد کیا جائے تاکہ اللہ تعالےٰ اس کی برکت سے پورا حافظ بنا دے۔

و۱۵۳ جامع مسجد کے قریب ہی ایک مکان بنالیا تھا مگر زیادہ تر وقت مسجد ہی میں گزرتا تھا۔ وسیع لنگرخانہ جاری کردیا تھا جس سے ہزارہا مخلوق فیض اندوز ہوتی تھی۔ فتوحات بہت زیادہ تھیں۔ نذرانے بہت ملتے تھے مگر سب مساکین پر تقسیم ہوجاتے۔ آپ کے گھر میں ہمیشہ تنگی و فاقہ ہی رہا۔ باباصاحب روزے بہت رکھتے تھے۔ بعد افطار ہر قسم کا کھانا سامنے آتا سب دوسروں کو کھلادیتے خود بہت کم ہاتھ ڈالتے۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں عار نہ تھا۔ ایک مرتبہ خود پیس کر روٹیاں پکائیں اور درویشوں کے لئے لے آئے۔ حضرت زکریا ملتانی سے بہت دوستی تھی۔ آمد و رفت رہتی تھی۔ نہایت کریم النفس متواضع۔ خلیق اور رحم دل بزرگ تھے۔ استغراق کی کیفیت طاری رہتی۔ تبلیغی مقاصد ہر وقت آپ کے پیش نظر رہتے۔ آپ کی خانقاہ سے ہزارہا بزرگ نکل کر اطراف عالم میں پھیلے اور ہدایتِ خلق میں مصروف ہوئے۔ حضرت کے اقوال میں سے بعض یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

(الف) تلاوت سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہیں۔ کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالےٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

(ب) اللہ تعالےٰ سے اپنا معاملہ درست رکھنا چاہئے وہ جب دیتا ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا اور جب وہ لے لیتا ہے تو کوئی دلا نہیں سکتا۔ (یہ دونوں حدیثوں کی ترجمانی ہے)

(ج) فرمایا:- جو شخص دنیا کو دشمن بنانا چاہے وہ تکبر اختیار کرے۔ جو اپنی عزت و اعتبار کھونا چاہے وہ غمازی اور دروغ گوئی اختیار کرے۔

(د) فرمایا" درویش کو چاہئے کہ ظاہر کی تزئین و آرائش میں ساعی نہ ہو اور دنیوی عزت کے لئے خود کو اللہ تعالےٰ کے سامنے بے قدر نہ بنائے۔

(ھ) فرمایا:- سائل کو ہرگز نہ جھڑک۔ جو میسر ہو دے دے۔ نہ ہو تو نرمی سے منع کر دے۔ برا بھلا نہ کہے (یہ آیت کی ترجمانی ہے)

ف ۱۵۴ تاریخ وفات میں قدرے اختلاف ہے ماہ محرم ۶۶۶ھ یا ۶۶۷ھ میں وفات ہوئی۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی

ف ۱۵۵ یہ جو عظمتی رفیع الشان ہستی جو مرکزی شخصیت رکھتی تھی وہ خواجہ نظام الدین کی تھی۔ والد کا نام خواجہ احمد۔ ابن خواجہ سید علی ابن سید احمد۔ دادا سید علی بخارا سے ہندوستان آئے۔ ایک مدت تک لاہور میں رہے وہاں سے بدایوں منتقل ہوئے۔ یہاں حضرت کے والد کی شادی بی بی زلیخا سے ہوئی یہ بی بی بڑی نیک۔ عابدہ و زاہدہ تھیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے

"بی بی زلیخا متقی و پرہیزگار بود"

آپ کا شمار ان چند خاتونوں میں ہے جنہوں نے اپنی اولاد کی پرورش بڑی خوبی سے کی۔ کم سنی میں والد کا انتقال ہوگیا والدہ نے پرورش کی چار سال کی عمر میں آپ کو مکتب بھیجا گیا قرآن شریف پڑھنے کے بعد بارہ سال کی عمر تک علوم درسیہ سے فراغت حاصل کی۔ حضرت نے تجوید حضرت شادی مقری سے سیکھی اس کے بعد تکمیل علوم کے لئے دہلی بھیجا گیا۔ یہاں ادب و حدیث کی سند شمس الملک سے لی۔ ۶۵۵ھ میں اجودھن حاضر ہو کر حضرت شیخ فرید گنج شکر سے بیعت کی اس وقت خانقاہ حفاظ و قراء سے بھری رہتی تھی۔ بابا صاحب کو قرآن مجید سے بے حد شغف تھا۔ اکثر مریدین کو سلوک بالقرآن پر لگائے تھے۔ خود بھی قرآن شریف پڑھتے یا سنتے رہتے تھے۔ سلطان المشائخ کو خود تجوید سکھلائی اور حفظ کی تکمیل کے لئے وصیت کی۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ لعاب دہن ڈال کر دعا کی کہ اللہ تعالےٰ حافظ کر دے۔ کلام اللہ کے حفظ کی وصیت کے بعد فرمایا:-

"نظام! دین و دنیا ترا دادہ اند۔ این جا ہمہ این ست۔"

اشارہ تھا قرآن شریف کی طرف کہ اس سلسلہ چشتیہ میں دینی و دنیوی دولت سب کچھ قرآن ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:-

"برو ملک ہند بگیر"

مولانا مناظر احسن صاحب اس کی یہ تعبیر فرماتے ہیں کہ قرآن ایک ہتھیار تھا جسے دیکر بشارت دی جاتی ہے کہ اس سے ہندگیری کی مہم سر کی جائے۔

و۱۵۶ ان بشارتوں کے ساتھ بابا شیخ فریدؒ نے آپ کو خلافت دے کر دہلی روانہ کیا۔ دہلی آنیکے بعد سلطان المشائخ کا پہلا کام یہ تھا کہ مرشد کے ارشاد کی تعمیل میں حفظ قرآن کی تکمیل کر لی گو اس زمانہ میں عسرت و تنگ دستی و فاقے سے سابقہ پڑا۔ مگر حضرتؒ نے صبر و استقلال سے ان کا مقابلہ کیا۔ رفتہ رفتہ رزق کے دروازے کھلے۔ ہجوم خلائق بڑھتا گیا۔ لنگر خانہ قائم ہوا۔ آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے باقاعدہ مشن بھیجے۔ دور دراز علاقوں میں اسلام پھیلایا۔

و۱۵۷ آپ نے تجوید و قراءت کئی بزرگوں سے سیکھی تھی۔ پہلے استاد شادی مقری تھے دوسرے استاد شیخ شہاب الدین دہلوی تھے۔ تیسرے استاد خود بابا شیخ فرید تھے۔ تلاوت کے ساتھ اچھے قراء سے قرآن سننے کا بہت شوق تھا۔ جہاں کہیں اچھے قاری کی تعریف سنتے پہونچ جاتے۔ اس کی قراءت سنتے۔ چنانچہ قاری شرف الدین کی تعریف سنی تو جا کر ان کی قراءت سنی اور بعد میں فرمایا۔

"اچھے قاری ہیں۔ ترتیل سے پڑھتے ہیں۔ حروف اچھی طرح مخارج سے ادا کرتے ہیں۔"

قاری دولت یار خاں سنامی کی بھی تعریف کرتے تھے۔ قاری خواجہ شہاب الدین کو خوش الحانی کی وجہ سے اپنی مسجد کا امام مقرر کیا۔ ان کی آواز بڑی دلکش تھی۔ حضرت نے کئی بار ان کو انعامات دیئے۔ اپنے بھانجوں کو بھی تاکید کی کہ ان سے تجوید و قراءت سیکھیں۔ مریدین بھی ان سے درس لیتے تھے۔

و۱۵۸ مولانا علاء الدین نیلی حضرت کے مرید تھے۔ بڑے خوش الحان قاری تھے۔ ایک مرتبہ مولانا عشاء کے وقت آئے تو معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی ہے۔ نماز پڑھنے کا قصد کیا تو اور لوگوں نے بھی اقتدا کی۔ سلطان المشائخ اس وقت بالاخانے پر جا چکے تھے مگر مولانا نیلی نے خوش الحانی سے پڑھنا شروع کیا تو غور سے سنا اور بڑا ذوق ہوا۔ وہیں سے سنتے رہے۔ پھر اپنے خاص خادم اقبال سے فرمایا

"میرا یہ مصلیٰ لے جا کر اس خوش الحان کو دے دو۔"

اقبال نے تعمیل کی۔ مولانا نیلی نے بڑے احترام سے مصلیٰ سر پر رکھا اور چوما

غرض حضرت نے تجوید و قراءت و قرآن خوانی کا بڑا اچھا ماحول بنا لیا تھا۔

و۱۵۹ سلطان المشائخ کے دسترخوان کا یہ دستور تھا کہ کھانا شروع ہونے سے پہلے کوئی قاری خوش الحانی سے قرآن مجید کی چند آیتیں سناتا۔ عموماً یہ خدمت بابا شیخ فرید گنج شکر کے نواسوں حافظ محمد

اور حافظ موسیٰ کے سپرد تھی۔ یہی دونوں بھائی نمازیں بھی امامت کرتے تھے آوازیں بلا کا درد تھا کہ ہے کہ کھانے سے پہلے جب قرآن پڑھا جاتا تو سلطان المشائخ کی زبان سے مسلسل " رحمت یاد۔ رحمت یاد" کے الفاظ بے اختیار نکلتے۔ کبھی کبھی خواجہ عزیزالدین جو حافظ و قاری تھے دعائے مائدہ پڑھتے تھے۔ عزیزالدین بیمار ہوئے اور طویل علالت کے بعد انتقال ہوا۔ مرض الموت میں جس کا سلسلہ دو تین روز رہا ایک ساعت بھی لب مبارک تلاوت کلام اللہ سے ساکت نہ ہوئے

"ہمدریں زحمت برحمت پیوست"

ف ۱۶۰ "سلطان المشائخ کو قرآن کے ساتھ اتنا غیر معمولی شغف تھا کہ اگر ان کے بس میں ہوتا تو آپ اپنے ہر مرید پر حفظ قرآن لازمی قرار دے دیتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے یہ کام آسان نہ تھا۔ تاہم ان کی یہ کوشش تھی کہ جس سے جتنا ممکن ہو سلوک بالقرآن کے لئے قرآن زبانی یاد کرے۔ حسن اعلائے سنجری شاعر ہونے کے علاوہ ایک بڑے فوجی افسر بھی تھے۔ ان کی معروفیت کا یہ عالم تھا کہ ان ہی فوجی خدمات کے سلسلے میں دولت آباد بھی آنا پڑا جو اس وقت دیوگیر کہلاتا تھا۔ اور یہیں آپ کا مزار ہے۔ آپ کی عمر کافی ہو چکی تھی جب شرف بیعت سے سرفراز ہوئے۔ تو حسن اعلا کو حکم تھا کہ ذوق شعری کو کم کر کے ذوق قرآنی کو اپنے اوپر غالب کریں۔ جب ان پر یہ ذوق غالب ہو گیا تو پھر ان ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سن رسیدہ مرید کو آپ نے حفظ قرآن میں لگا دیا۔ آپ ان سے دریافت فرماتے رہتے

"چہ قدر یاد کردہ"

جواب دیتے کہ ایک ثلث ہو چکا ہے۔

ارشاد ہوتا کہ باقی بھی تھوڑا تھوڑا یاد کرتے جاؤ۔ اور

"پیشینہ را مکرر می کن"

اگر کوئی شخص ایک ایک دو دو آیتیں روزانہ یاد کرتا جائے اور ان کے معنے اپنے اندر گھلاتا جائے تو اللہ تعالےٰ کے اس علم مقدس سے سینے میں بتدریج جو روشنی پیدا ہوتی ہے شاید کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ آدمی کا دماغ سلجھنے لگتا ہے قرآن کی جو خاص منطق ہے دل کو اس سے مناسبت ہونے لگتی ہے معاملات و مسائل کی اہمیت کھلنے لگتی ہے اور ذہن ہر معاملے پر توازن سے غور کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔" (مناظر احسن)

ف ۱۶۱ سلطان المشائخ کے عہد میں دہلی قرآن ہی قرآن سے بھر گیا تھا۔ بڑے بڑے

عہدے داران حکومت اور مقربان بارگاہِ شاہی بھی ہمیں اس زمانے میں حافظ نظر آتے ہیں۔ امیر خسروؒ۔ حسن اعلائے سنجری۔ انتہا یہ کہ کوتوال شہر مولانا ظہیر الدین تک حافظ کلام ربانی تھے یہ سلسلہ سلطان المشائخ کے بعد بھی جاری رہا۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلوی؟ سید محمد گیسودراز۔ خواجہ کمال الدین قزوینی۔ یہ سب حافظ وقاری تھے۔ مولانا آزاد بلگرامی نے روضۃ الاولیاء میں حضرت سید محمد گیسودراز کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

"فتح کار من بیشتر از تلاوت قرآن وسماع بود"

حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے نظام تعلیم وتربیت کی جلد دوم کے صفحہ ۱۶۹ پر لکھا ہے کہ

"حفظ قرآن کی دولت جتنی ہندوستان میں عام ہے اتنی عام شاید ہی کسی دوسرے اسلامی ملک میں ہو اور حافظوں کی جتنی تعداد بوقت واحد ہندوستان میں نکل سکتی ہے اتنی شاید ہی کسی دوسرے ملک میں نکل سکے اس کی بڑی وجہ خواجگان چشت ہی کا وہ ذوق وشغف ہے جو حفظ قرآن سے متعلق ہم میں پایا جاتا ہے"

۱۶۲ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں حضرت کے برکات کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

"حضرت کی نظر کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص وعوام میں غیر معمولی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ہزاروں بدکاروں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھایا اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز ہوگئے دینی مشاغل کی طرف رغبت ہوئی۔ توبہ صحیح ہوگئی۔ عبادت لازمہ ومتعدیہ کا رواج ہوگیا۔ معاملات میں راست بازی پیدا ہوگئی۔ مکارم اخلاق۔ مجاہدہ وریاضت کی عادت ہوگئی شب بیداری۔ تہجد۔ نوافل۔ روزے اور تقلیل طعام کی طرف رغبت ہوگئی۔ اکثر اشخاص کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہوگیا۔ صلحا کے اجتماع ہونے لگے۔ تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن ہوتے تھے۔ رمضان۔ جمعہ اور مبارک راتوں میں مسجد میں قیام وشب بیداری ہوتی اور بڑے درجہ کے مرید دو تہائی رات عبادت میں گزارتے" غرض حضرت کی خدمت نے دہلی میں تغیر عظیم پیدا کر دیا

۱۶۳ سلطان المشائخ نے مجرد زندگی گزاردی۔ مگر اپنی بہن کے کئی بچوں کو بابا شیخ فرید کے کئی نواسوں کو اور مریدین کے کئی خاندانوں کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی۔

۱۶۴ فوائد الفواد سے حضرت کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں:۔

(الف) فرمایا "قرآن مجید کو ہمیشہ با تجوید وباترتیل پڑھنا چاہئے اس سے ذوق ولذت حاصل ہوتی ہے" (صفحہ ۸۶)

(ب) فرمایا۔ "جب قرآن پڑھو تو حضورِ قلب سے پڑھو اور دل کو تواضع کے ساتھ مشغول رکھو۔ خیالاتِ فاسدہ رفع ہو جائیں گے۔" (صفحہ ۸۷)

(ج) سورہ فاتحہ کی اہمیت کے متعلق فرمایا:۔

"قرآن مجید میں دس امور کا ذکر ہے۔ ذات۔ صفات۔ افعال۔ ذکرِ معاد۔ تزکیہ۔ تخلیہ ذکرِ اولیا۔ ذکرِ اعدا۔ کفار سے جہاد۔ احکامِ شرع ان دس میں سے آٹھ سورۂ فاتحہ میں مذکور ہیں:۔

الحمد للہ۔ رب العالمین۔ الرحمن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ ایاک نعبد

ذات — صفات — صفات — ذکرِ معاد — تزکیہ

وایاک نستعین۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم

تخلیہ — دعا — ذکرِ اولیاء

غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین

ذکرِ اعدا

(د) فرمایا کہ ختمِ قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین بار پڑھتے ہیں یہ حکمت ہے کہ سورۂ اخلاص کو حضور نے قرآن کا تیسرا حصہ فرمایا ہے۔ اگر تلاوت میں کوئی سقم رہ گیا ہو تو یہ تین بار پڑھنے سے اس سقم کی تلافی ہو جاتی ہے۔

(ھ) ختمِ قرآن کے ساتھ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی چند ابتدائی آیتیں پڑھنے کا یہ سبب ہے کہ حضور اکرمؐ سے دریافت کیا گیا کہ من خیر الناس۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ الحال والمرتحل۔

منزل پر آنے والا جو فوراً ہی روانہ ہو جائے اور اشارہ ہے اس طرف کہ ختمِ قرآن کرتے ہی پھر شروع کر دینے والا بہترین انسان ہے۔"

(و) فرمایا کہ جب میں نے بابا شیخ فرید کو قرآن سنانا چاہا تو حضرت نے جمعہ کے روز نمازِ جمعہ اور عصر کا درمیانی وقت دیا۔ میں عرصہ تک اس روز سناتا رہا۔ جب پہلے روز میں نے الحمد شروع کی تو حضرت نے ضاد کی ادائی کر کے سنائی (پڑھائی کا یہ طریقہ ان لوگوں کے ساتھ تھا جو پہلے سے تجوید سے واقف تھے)

(ز) نیز فرمایا "شیخ الاسلام (شیخ فرید) نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ ضاد کی ادائی ایسی کرتے

تھے کہ میں نے ہر چند تقلید کی کوشش کی مگر اس طرح ادائی پر قادر نہ ہو سکا

(ح) نیز فرمایا۔ "ضاد آنحضرت پر نازل ہوا ہے اس وجہ سے آپ کو رسول الضاد کہتے ہیں

(رسول الضاد ای ارسل علیہ الضاد)

ف ۱۶۵ سلطان المشائخ نے اسّی سال کی عمر میں بے حد مجاہدات شروع کر دیئے۔ ہر روز روزہ رکھتے

۴۲۵ اور تلاوت زیادہ کرتے۔ وفات سے پہلے سب اثاثہ جات لٹا دیا۔ ۹۲ یا ۹۴ سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الآخر میں انتقال ہوا۔ رکن الدین ابو الفتح سہروردی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مخلوق کا بڑا اژدھام تھا۔ حضرت کے خلفاء اور مریدین میں قراء کی تعداد بہ کثرت تھی۔ ہم نے شجرہ میں مشہور قراء کے نام درج کر دیئے ہیں

خصوصیات کاملینِ چشت

ف ۱۶۶ کاملین سہروردیہ نے تصوف کے ساتھ امارت اور وجاہت کو جمع کیا تھا۔ اس کے برخلاف کاملین چشت نے تصوف کے ساتھ فقر و فاقہ، شکستگی اور انکسار کو جمع کیا۔

(۲) سلوک بالقرآن کے طریقہ کو خاندان چشت نے کامیابی سے تکمیل کو پہونچایا۔

(۳) اس زمانے میں کم از کم چار مرکزی شخصیتیں رہیں۔ جن کے فیوض و برکات سے پورا ہندوستان مستفیض ہوا۔

(۴) تبلیغ و تعلیم کے ساتھ خدمت خلق کے لئے دور دور مشن بھیجے۔

(۵) جو فضا دور سہروردیہ میں ملتان کے اطراف و جوانب میں پیدا ہوئی تھی اس سے زیادہ موثر فضا حضرت سلطان المشائخ کے زمانے میں دہلی۔ ناگور۔ دولت آباد اور اتر پردیش کے اکثر مقامات میں پیدا ہو گئی۔

شجرہ صفحہ (۱۲۸) پر ملاحظہ ہو

سلسلہ تجوید وقراءت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری وفات ۶۳۳ھ

- دختر بی بی حافظ جمالؒ — داماد شیخ رضی الدینؒ
- فرزند — خواجہ ابو سعیدؒ
- خلیفہ جلیل القدر — خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ — وفات ۶۳۳ھ
- فرزند — خواجہ فخر الدینؒ
- فرزند — خواجہ حسام الدینؒ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ:

- خلیفہ شیخ فرید گنج شکرؒ
- خلیفہ نظام الدین المؤید وفات ۶۶۲ھ

شیخ فرید گنج شکرؒ:

- خلیفہ شیخ منتجب الدین ۷۰۹ھ
- سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی ۷۲۵ھ

سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی:

- خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغؒ دہلوی ۷۵۳ھ
- دیگر خلفاء

خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی:

- خواجہ کمال الدین — ہمشیر زادہ — وفات ۷۵۶ھ
- خلیفہ شیخ احمد — تھانیسری — وفات ۸۲۰ھ
- خلیفہ خواجہ محمد گیسو دراز — ۸۲۵ھ — خلیفہ — مخدوم کمال الدین قرنی — ۸۸۲ھ — فرزند — امین الدین — فرزند — نصیر الدین

دیگر خلفاء:

(۱) مولانا علاء الدین نیلی
(۲) امیر خسرو
(۳) میر حسن اعلائے سنجری
(۴) خواجہ ضیاء الدین برنی
(۵) خواجہ برہان الدین
(۶) خواجہ تقی الدین نوح
(۷) خواجہ عزیز الدین
(۸) خواجہ قاسم ابن خواجہ خضر
(۹) خواجہ محمد امام
(۱۰) خواجہ موسیٰ
(۱۱) ملک سید الحجاب
(۱۲) خواجہ فخر الدین مروزی
(۱۳) خواجہ شہاب الدین امام

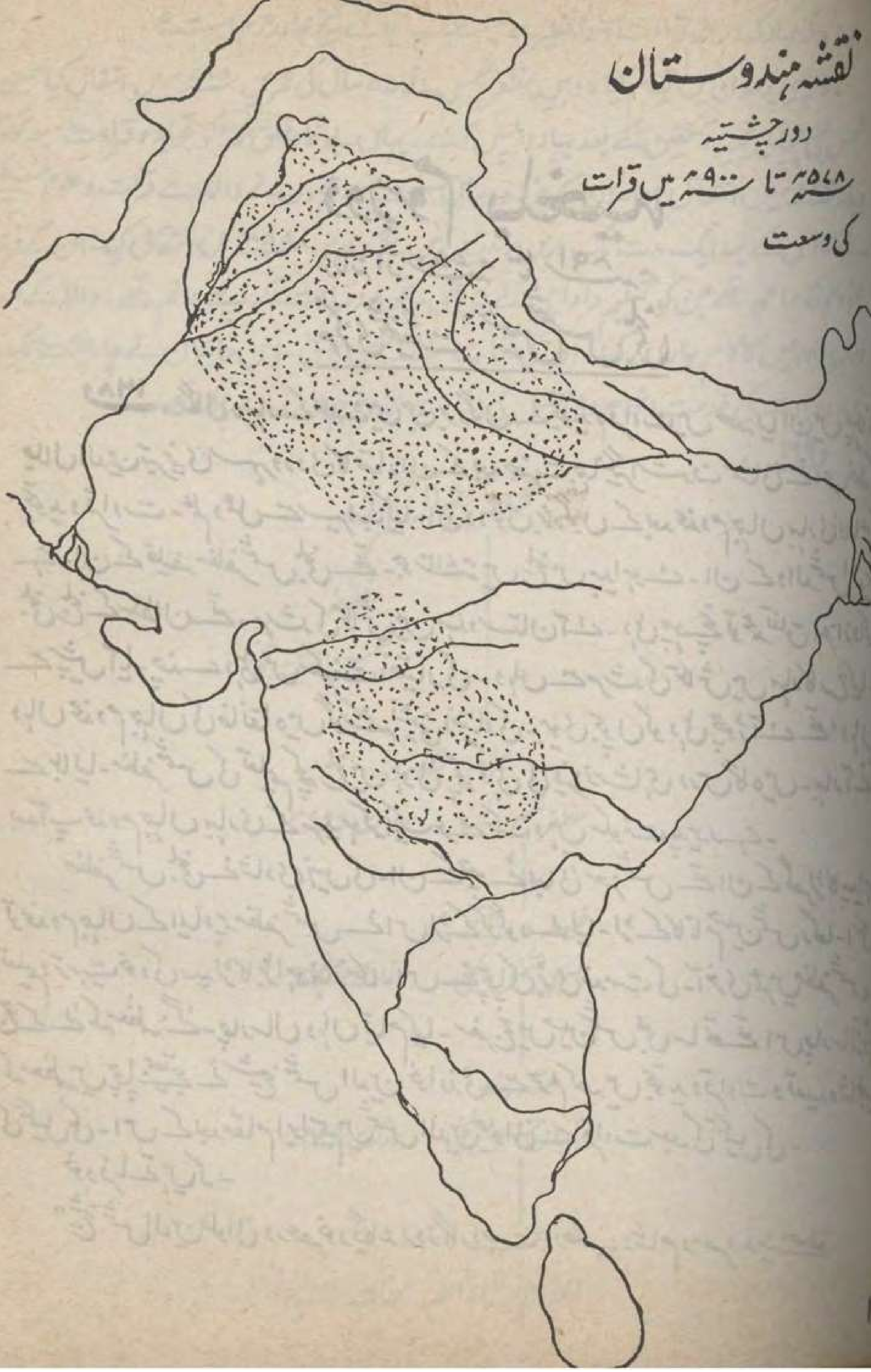
نقشہ ہندوستان
دورِ چشتیہ
سنہ ۵۷۸ھ تا سنہ ۹۰۰ھ میں قرأت
کی وسعت

دورِ سوم بلخیہ

زمانہ از ۷۵۰ھ تا ۸۹۱ھ

مرکزی شخصیت حسین شمس بلخی

۱۶۸۹ - بنگال و بہار کے علاقے میں جن بزرگوں نے تجوید و قرات میں حصہ لیا ان میں پہلا
جلال الدین تبریزی سہروردی کا تھا۔ ان کے بعد حضرت جہانگیر اشرف سمنانی نے اس خط
تجوید و قراءت۔ علم و عمل سے سیراب کیا۔ ان دونوں بزرگوں کے بعد مخدوم جہاں بہاری کا نام
ہے۔ ان کے خلیفہ مظفر شمس بلخی تھے۔ جو ۱۳...ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شمس الد
بلخی بلخ کے سلطان تھے۔ مرشد کی تلاش میں ہندوستان آئے۔ دہلی پہنچے تو محمد تغلق اعزاز و
سے پیش آیا۔ چندے دہلی میں سکونت اختیار کی۔ وہاں سے مرشد کی تلاش میں بہار کا رخ کی
وہاں مخدوم جہاں کی خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ بیوی بچوں کو دہلی چھوڑ آئے تھے، وہاں
سے بلا لیا۔ مظفر شمس کی تعلیم کچھ بلخ میں ہوئی کچھ دہلی کی فیروز شاہی درس گاہ میں۔ بہار آ
بعد آپ مخدوم جہاں بہاری کے مرید ہو کر ایک عرصے تک وہیں سکونت پذیر رہے۔

مظفر شمس بلخی نے شادی نہیں کی۔ ان کے چھوٹے بھائی معز شمس تھے ان کے گھر لڑکا پیدا
تو مخدوم جہاں کے ایما پر مظفر شمس نے اس لڑکے کو گود لے لیا۔ لڑکے کا نام حسین شمس رکھا۔ ا
تعلیم و تربیت خود کی۔ یہ لڑکا بڑا ہونہار نکلا۔ اس نے چچا کی بڑی خدمت کی۔ آخری عمر میں مظفر شمس
حج کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ چار سال وہاں قیام کیا۔ سفر حج میں حسین شمس بھی ساتھ تھے اس چار سال
مکہ معظمہ میں چچا بھتیجے نے شیخ شمس الدین خوارزمی سے حرم کعبہ میں تجوید و قراءت و قصیدہ شا
کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مقام ابراہیم میں شمس الدین حلوانی سے قراءت سبعہ کی تکمیل کی۔

خود فرماتے ہیں کہ:-

"شیخ شمس الدین حلوانی درعصر خود یگانہ روزگار است در حلب و شام و مصر و مدینہ مصطفیٰ

وملہ مبارکہ در علم قراءت وے را نظیرے نیست ـــ جائے شیخ مجاور حرم است "

واپسی پر عدن میں قیام کیا۔ وہیں مظفر شمس نے ۷۵ سال کی عمر میں ۷۸۸ھ میں انتقال کیا حسین شمس بلخی چچا کی تجہیز و تکفین کے بعد بہار واپس آئے۔ یہاں بے شمار خلق خدا کو تجوید و قراءت سبعہ کا درس دیا۔ ۸۴۴ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے فرزند میاں حسن تھے۔ جنہوں نے والد سے قرأت و علوم سیکھے تھے۔ اس کے بعد ایک مدت تک درس و تدریس میں لگے رہے۔ ۸۵۵ھ میں انتقال کیا۔ ان کے فرزند مخدوم شاہ احمد تھے جن کو تعلیم دادا ہی نے دی تھی۔ تجوید و قراءت کے اچھے عالم تھے۔ والد کے بعد درس و تدریس کا کام جاری رکھا۔ ان کی وفات ۸۹۱ھ میں ہوئی۔ اس خاندان نے چار پشت تک تجوید و قراءت کی خدمت انجام دی جس کی بشارت مخدوم جہاں دے چکے تھے۔

و ١٦٩

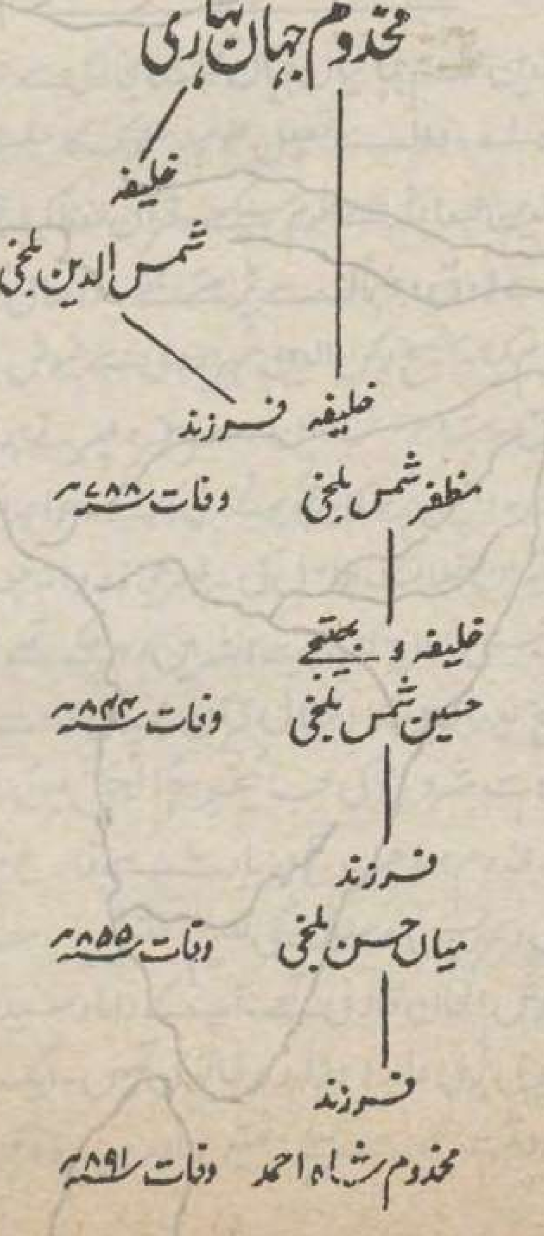

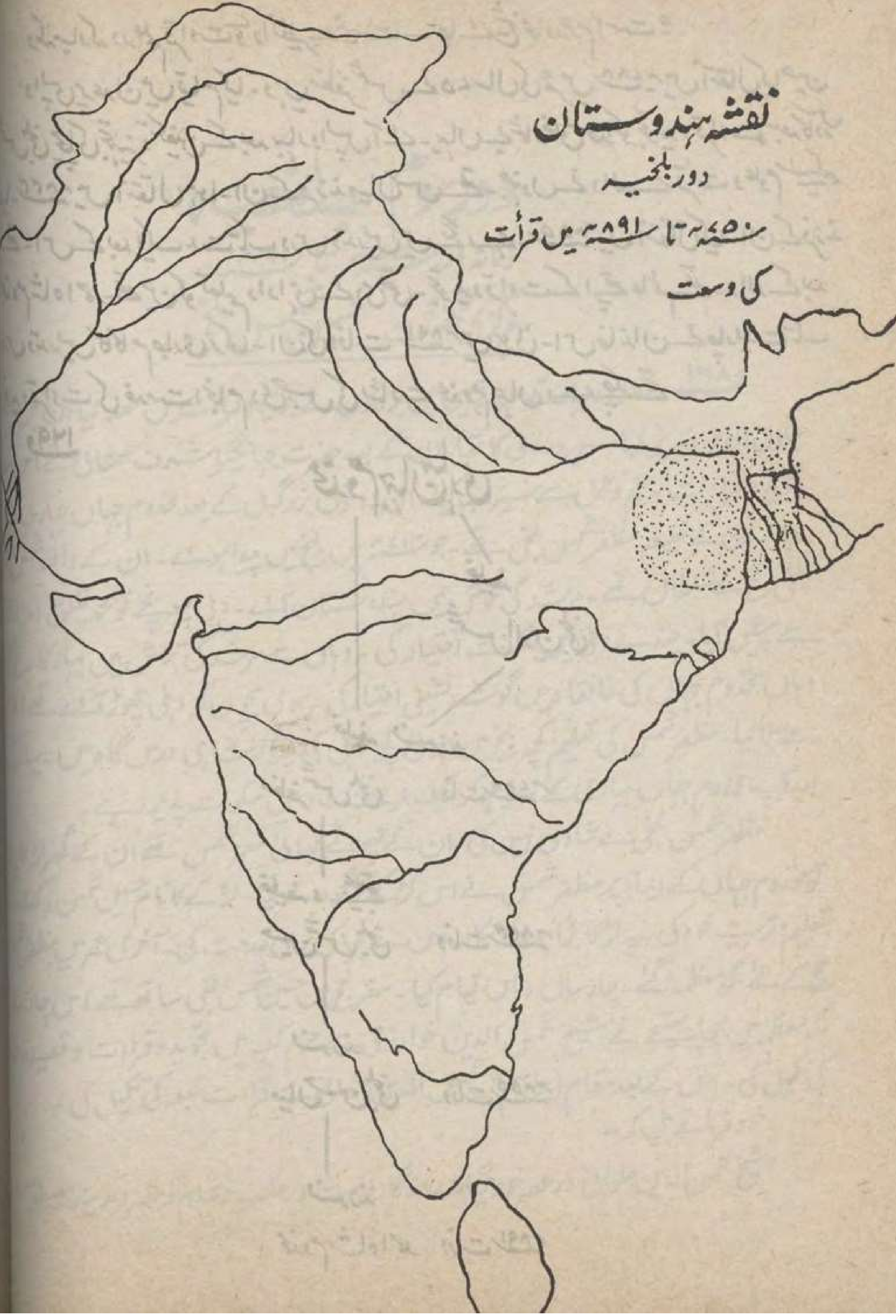

نقشہ ہندوستان
دور بلخیہ
۸۵۰ھ تا ۸۹۱ھ میں قرأت
کی وسعت

دور چہارم بخاریہ

زمانہ از ۸۰۰ھ تا ۱۱۵۰ھ

مرکزی شخصیتیں (۱) قطب عالم

(۲) شاہ عالم

ف ۱۷۰ یہ دور جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری سے شروع ہوتا ہے جو سید احمد کبیر کے فرزند تھے۔ ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد سے تحصیل علوم و سلوک کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر مکہ معظمہ پہنچکر شیخ الاسلام شیخ عفیف الدین عبداللہ سے علوم سیکھے۔ قرآن حفظ کیا۔ تجوید و قرات سیکھیں۔ خوش الحان تھے۔ قرآن شریف بڑے ذوق و انہماک سے پڑھتے تھے۔ دو سال مکہ معظمہ میں رہکر ہندوستان واپس آئے اور ملتان میں قیام کیا۔ شیخ رکن الدین سہروردی سے فیوض باطنی حاصل کئے۔ پھر سیاحت کے لئے نکلے۔ ترکستان۔ عراق۔ شام۔ خراسان۔ مصر وغیرہ پھرتے ہوئے حجاز پہنچے۔ ایک عرصہ تک وہاں قیام رہا۔ چھ حج کئے۔ واپسی پر ملتان ہوتے ہوئے دہلی آئے۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی صحبت میں ایک عرصہ گزار کر سلسلہ چشتیہ میں خلافت حاصل کی۔ پھر حجاز روانہ ہوئے۔ جدہ میں شیخ بدر الدین یمنی کا جنازہ آرہا تھا۔ یہ بزرگ تیس سال تک بیت اللہ میں رہ چکے تھے۔ آپ نے اس جنازے کو مسجد میں رکھوا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ بدر الدین کا انتقال قرآن مجید کی تلاوت میں ہوا تھا۔ آپ نے مسجد میں بیٹھ کر خوش الحانی سے تلاوت شروع کی جب يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ پر پہنچے تو شیخ بدر الدین اٹھ کھڑے ہوئے۔ مخدوم صاحب حج و زیارت سے فارغ ہو کر شام و عراق کے راستے سے ملتان آئے۔ یہاں درس و تدریس و سلوک کی تعلیم و تلقین میں مصروف رہے آپ کی مسجد کے امام حافظ شیخ سراج الدین بھی خوش الحان قاری تھے۔ آپ کے داماد سید شرف الدین شہدی بھی اچھے عالم و قاری تھے۔ آپ کی بیوی بڑی عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔

"لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتیں اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھ لیتیں تو

دعا گو کو بیدار کرتیں۔ بی بی ایسی ہی چاہئے"
سید ناصر الدین محمود آپ کے فرزند تھے۔ مخدوم صاحب کی وفات ۷۸۱ھ میں ہوئی۔

و۱۷۱۔ سید ناصر الدین کے فرزند سید برہان الدین قطب عالم تھے۔ ۷۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن
میں قرآن مجید اور درسی کتابیں پڑھیں۔ آپ کے والد نے ۸۰۰ھ میں جب کہ آپ کی عمر دس سال کی تھی
انتقال کیا۔ والدہ بی بی ہاجرہ الملقب بہ رحمت خاتون بے حد فریس و نیک خاتون تھیں۔ ۸۰۲ھ
پٹن آئیں۔ یہاں حضرت گنج شکر کے پوتے شیخ رکن الدین تعلیم و تدریس میں مصروف تھے۔ بچے
ان کے پاس پڑھنے کے لئے بھیجتی رہیں۔ جب سلطان مظفر اول شاہ گجرات نے جو حضرت مخدوم جہانیاں
جہاں گشت کا مرید تھا۔ یہ بات سُنی کہ حضرت برہان الدین پٹن میں ہیں تو حضرت کو وہاں سے احمد آباد
گیا۔ حضرت نے دعا کی :۔

"احمد آباد ابد الآباد انشاء اللہ الرؤف بالعباد"

اس کے بعد حضرت کا قیام احمد آباد میں رہا۔ بی بی آمنہ (بنت کریم خاں بن عماد الدین خداوند
جو امرائے گجرات سے تھے) سے عقد ہوا۔ ۸۱۷ھ میں سراج الدین سید محمد المعروف بہ شاہ عالم پیدا ہو

و۱۷۲ حضرت قطب عالم قاری ہفت قرات تھے۔ آپ نے اپنی مسجد میں درس کا سلسلہ جا
کیا۔ آپ کے فرزندوں میں شیخ جیو اور شاہ عالم قاری ہفت قرات ہوئے۔ اور آپ کے خلفا
مقری عبداللطیف بھی قاری ہفت قرات تھے۔ حضرت کی تعلیم سے احمد آباد میں تجوید و قرات کا
ماحول بنتا گیا۔ اور آپ کے فرزند شاہ عالم کے زمانے میں بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔

و۱۷۳ سلطان احمد شاہ کی وفات ۸۴۶ھ میں ہوئی اور اس کا بیٹا سلطان محمد شاہ تخت نشین
امیر سندھ جام جاتوہ (یا جام خوباں) کی دو لڑکیاں تھیں۔ بی بی مرکی اور بی بی مغلی۔ امیر سند
بی بی مرکی کو سلطان محمد شاہ سے منسوب کیا تھا اور بی بی مغلی کو حضرت شاہ عالم سے۔ مگر بادشا
نے جب یہ سنا کہ بی بی مغلی زیادہ حسین ہے تو اس نے دولت و اثر سے جام جاتوہ کو راضی کر لیا
مغلی کی شادی اس سے کر دی جائے۔ اور بی بی مرکی کی شاہ عالم سے۔ شاہ عالم کو جب اس
اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے والد سے اس کی شکایت کی حضرت نے فرمایا

"تو کیوں افسردہ ہوتا ہے دونوں لڑکیاں تیرے قسمت کی ہیں"

اور یہ فقرہ کہا جو گجرات میں بہت مشہور ہے۔ کہ

"گائے معہ بچھڑا آئے گی"

غرض کہ اس طرح شادیاں ہوگئیں ۸۴۹ھ میں سلطان محمد کے محل میں لڑکا تولد ہوا جس کا نام
تح خاں رکھا گیا۔ ۸۵۵ھ میں سلطان محمد کا انتقال ہوگیا۔ بڑا لڑکا سلطان قطب الدین تخت نشین
ہوا۔ اسی اثناء میں سلطان محمد خلجی بادشاہ مالوہ نے ایک جرار لشکر کے ساتھ گجرات پر حملہ کیا۔
قطب الدین بہت پریشان تھا۔ حضرت قطب عالم سے دعا کے لئے کہا۔ قطب عالم اور شاہ عالم
کی دعاؤں سے محمود خلجی شکست کھا کر چلا گیا۔ حضرت قطب عالم کی وفات ۸۵۷ھ میں ہوئی۔

و ۱۷۴ سلطان محمد کے انتقال کے بعد بی بی مغلی اپنے لڑکے فتح خاں کے ساتھ حضرت کی خانقاہ
واقع رسول آباد میں اپنی بہن کے پاس آگئیں۔ اس وقت حضرت شاہ عالم کا یہ اثر تھا کہ ان کے
محلے میں بلا اجازت بادشاہ کا کوئی آدمی قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ تاہم بی بی مغلی اپنے لڑکے کی
حفاظت کا خاص اہتمام کرتی رہیں۔ چند روز کے بعد جب قطب الدین کی پریشانیاں دفع ہوئیں
تو اس نے فتح خاں کو گرفتار کرنا چاہا۔ مگر خانقاہ میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جاسوس مقرر
کئے ان سے بھی کام نہ چلا آخر اپنی رانی روپ منجر کو جو حضرت شاہ عالم کی معتقد تھی بھیجا۔
اس وقت فتح خاں حضرت شاہ عالم سے سبق پڑھ رہا تھا۔ رانی روپ منجر نے فتح خاں کا ہاتھ
پکڑ کر کھینچا تو حضرت نے مسکرا کر کہا کہ ایک روز یہ اسی طرح تمہارے ہاتھ پکڑ کر کھینچے گا۔ رانی نے
ڈر کر ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور معذرت چاہی۔ سلطان سے جا کر کہدیا کہ میں نے بہت تلاش کی فتح خاں مجھے
نہیں نہ ملا۔ (قطب الدین کے انتقال کے بعد جب فتح خاں تخت نشین ہوا تو اس نے رانی روپ منجر
سے عقد کرلیا۔ اس طرح حضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی)۔

و ۱۷۵ اس اثناء میں بی بی مرکی بیمار ہوئیں اور ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت نے بی بی مغلی سے
کہا کہ وہ دوسرے مکان میں منتقل ہو جائیں مگر بعد میں بی بی مغلی سے عقد کرلیا۔ اس طرح قطب عالم
کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ بی بی مغلی نے دل وجان سے حضرت کی خدمت کی۔ ایک دفعہ اپنے بالوں
سے حضرت کا کمرہ صاف کیا۔ حضرت نے دیکھ لیا تو خوش ہو کر بی بی مغلی سے پوچھا کہ تمہاری کیا تمنا ہے
انہوں نے کہا:۔

"میری تمنا یہی ہے کہ فتح خاں کو کوئی گزند نہ پہونچے"

حضرت نے دلاسا دیا کہ فتح خاں کی قسمت میں بادشاہت ہے اس کو کوئی گزند نہ پہونچے گا۔
بی بی مغلی خوش ہوگئیں۔ فتح خاں حضرت کے زیر تعلیم رہا۔

و ۱۷۶۔ ۸۶۳ھ میں سلطان قطب الدین کا انتقال ہوگیا۔ داؤد جو احمد شاہ بن سلطان قطب الدین کا

بیٹا تھا تخت نشین ہوا۔ مگر امراء اس کے خلاف تھے۔ سب نے فتح خاں کو ہونہار سمجھ کر تخت نشین
۱۴ سال کی عمر میں سلطان محمود کے نام سے تخت نشین ہوا اور خانقاہ میں تربیت و پرورش کا یہ
کہ محمود بیگڑا ایسا پابند شرع اور متقی مسلمان گزرا ہے۔ باہمت اور بہادر سپاہی تھا۔ بڑے تدبر اور
سے (۵۶) سال حکومت کی۔

۱۷۷ - ان تفصیلات کے بیان سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حضرت قطب عالم و شاہ عالم
با اثر بزرگ تھے۔ اون کی وجہ سے اصلاحی کاموں میں کس قدر مدد ملی ہوگی۔ حضرت قطب عالم کو
اولاد کی تربیت کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ آپ نے شاہ عالم کی تعلیم و تربیت میں بڑی دلچسپی لی
تعلیم و تلقین سے آراستہ کیا اس کے بعد شاہ عالم سے کہا کہ اب تم چند روز شاہ مبارک اللہ کی
میں جاکر رہو۔ یہ بزرگ حضرت خواجہ نظام الدین کے مرید و خلیفہ تھے۔ احمد آباد ہی میں سکونت
حسب الارشاد شاہ عالم ان کے پاس پہونچے اس وقت شاہ مبارک اللہ ایک دیوار پر بیٹھے اس
اونچی کررہے تھے۔ ان کے مریدین اینٹ مٹی ڈھو رہے تھے۔ گو شاہ عالم کی پرورش شہزادوں
طرح ہوئی تھی تاہم آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ خالی ہاتھ جاکر سلام کریں۔ اس لئے ایک ٹوکرا
اس میں مٹی بھری اور شاہ مبارک اللہ کے پاس لے گئے۔ حضرت نے جو ان کی صورت دیکھی تو

"بیائید شاہ عالم! شمارا چتر شاہی می زیبد"

یہ کہہ کر دیوار سے نیچے اتر آئے۔ ہاتھ منہ دھو کر شاہ عالم سے ملاقات کی۔ پھر اپنے بھائی شاہ
کے پاس لے گئے۔ وہاں لوبیا کی ایک دیگ پکی رکھی تھی۔ اپنے مریدوں سے کہا کہ اس کو
جب تک آواز نہ آئے چلتے رہو۔ مریدین دیگ لے کر اس مقام تک پہونچے جو احمد آباد میں
دروازوں کے نام سے موسوم ہے۔ شاہ عالم بھی ساتھ تھے۔ ایک مجذوب نے ندا دی
"شاہ عالم ہے"

مریدین وہاں دیگ چھوڑ کر واپس آ گئے۔ شاہ عالم دیگ لے کر والد کے پاس پہونچے
کیا کہ یہ دیگ نذر دی ہے۔ قطب عالم نے اس کو بابرکت سمجھ کر اپنے مریدین میں تقسیم کر دی۔
سے یہ مثل مشہور ہوئی کہ :-

"چشتیوں نے پکائی اور بخاریوں نے کھائی"

(یعنے محنت کسی نے کی اور نفع کوئی اور اٹھایا) اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے
اولاد کی تعلیم و تلقین کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے پاس بھی طلب فیضان کے لئے بھیجتے

شاہ مبارک اللہ کا دیوار بنانا یہ بتاتا ہے کہ اس زمانے کے بزرگ کام کو ہاتھ سے کرنے کو عار یا تضیع اوقات نہیں سمجھتے تھے۔[1]

و ۱۷۸۔ قطب عالم کی وفات کے بعد شاہ عالم ان کی جگہ مسندِ ارشاد پر بیٹھے۔ آپ کے زمانے میں تجوید و قرات کی خوب اشاعت ہوئی آپ کی مسجد کے امام آپ کے مرید سید شاہ بخاری تھے جو عالم، فقیہہ اور قاری ہفت قرات تھے۔ خانقاہ و مسجد کے خلیاء کو تجوید و قرات سکھلانے کا کام آپ ہی کے سپرد تھا۔ ۸۹۳ھ میں سید شاہ بخاری کا انتقال ہوا۔ حضرت شاہ عالم کی وفات ۸۸۰ھ میں ہوئی حضرت کے خاندان میں بارہ پشت تک سلسلہ تجوید و قراءت چلتا رہا۔ جس کی تفصیل خاندانی شجرے سے واضح ہوگی۔ اس خاندان نے بادشاہانِ گجرات کی پشت پناہی کی اور بادشاہانِ گجرات کی اعانت سے خانقاہ و مدرسہ میں تعلیم و تربیت کا کام بوجوہ احسن انجام پاتا رہا۔

و ۱۷۹ محمود بیگڑے کا زمانۂ حکومت از ۸۶۳ھ تا ۹۱۹ھ رہا۔ اس کے زمانے میں گجرات میں بڑی خوش حالی اور امن رہا۔ علوم و فنون۔ تجوید و قرات سب کو فروغ ہوا۔ بڑے بڑے علماء گجرات کی سرزمین میں جمع ہو گئے۔ جن کا ذکر انفرادی حالات میں آئے گا۔ سلطان محمود کا لڑکا خلیل خاں بھی علم و فضل سے آراستہ ہوا۔ تجوید و قراءت اور دیگر علوم متداولہ اور خوش نویسی اس نے بچپن ہی میں سیکھ لئے۔ اس کے بعد تلوار چلانے میں کمال حاصل کیا۔ پھر تیر اندازی کی مشق کی۔ اس کے بعد فن کشتی میں کمال حاصل کیا۔ غرض جملہ فنونِ سپہ گری میں مہارت حاصل کی۔ خلیل خاں موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ نہایت خوش آواز بھی تھا۔ جو ساز ہاتھ میں لیتا ایسا بجاتا کہ لوگ مست ہو جاتے۔ رباب۔ چتری۔ چہ چتر۔ منڈل ان سب کا ماہر تھا۔

و ۱۸۰۔ ایک دفعہ ۲۶ رمضان کی شب کو محمود بیگڑا علماء و صلحاء کی صحبت میں بیٹھا تھا۔ قرآن مجید کے پڑھنے کی عظمت کا ذکر تھا۔ ایک بزرگ نے کہا کہ قیامت کے دن نزول آفتاب کی شدت سے سب لوگ پریشان ہوں گے۔ مگر جو شخص حافظ کلام ربانی ہوگا اس کی سات پشت تک اسلاف نور رحمت کے چتر کے زیر سایہ ہوں گے حرارت ان پر اثر نہ کرے گی۔ سلطان نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ ہمارے بیٹوں میں سے کوئی اس سعادت کو نہ پہنچا۔ کہ میں بھی اس کرامت کا امیدوار ہوتا۔ اس مجلس میں خلیل خاں بھی موجود تھے۔ اور سلطان کی بات سن رہے تھے۔ عید کے بعد وہ برود

---

[1] مراۃ سکندری از سکندر ابن محمد عرف منجھو

چلے گئے جوان کی جاگیر تھی - اور حفظ کلام اللہ میں مشغول ہو گئے - اس کثرت سے حفظ کیا کہ آنکھوں میں سرخی آ گئی - طبیب نے کہا کہ شب بیداری اور زیادہ تلاوت سے یہ چیز پیدا ہوئی ہے - چند روز تلاوت کم کر کے آرام فرمائیں تو یہ سرخی زائل ہو جائے گی - خلیل خاں نے کہا - آنکھیں سرخ ہو گئیں تو کیا مضائقہ ہے یہ تو دنیا و آخرت کی سرخروی دلوائیں گی میں تو اپنی پڑھائی میں کمی نہیں کر سکتا - غرض اس سعی و اہتمام سے ایک سال چند ماہ میں پورا قرآن ختم کر لیا - رمضان سے پہلے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حکم ہو تو میں تراویح میں قرآن سناؤں - سلطان نے تعجب سے پوچھا کہ تم کب حافظ ہو گئے تو شہزادے نے دو سال قبل کا واقعہ دہرایا - اور کہا اس وقت سے یہ کام شروع کر دیا تھا - سلطان یہ سن کر بے انتہا خوش ہوا - خلیل خاں نے چاند رات کو شروع کیا اور اسی روز پورا قرآن شریف سنا دیا - اسی طرح دوسرے اور تیسرے روز پورا پورا قرآن شریف سناتا گیا - یہاں تک کہ سولہ تراویح میں سولہ ختم کئے - سلطان ہر روز سنتا رہا - سولھویں روز گلے سے لگا کر شہزادے کے چشم و پیشانی کو بوسہ دیا - اور بڑی دیر تک دعائیں دیں - پھر کہا کہ خلیل خاں کا کیسے شکریہ ادا کروں اور کیا بدلہ دوں کہ اس نے مجھے اور میرے اسلاف کو روز قیامت کی تمازت سے بچا لیا - یہ کہہ کر خلیل خاں کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا - اور دوسری جگہ جا بیٹھا۔[1]

۱۸۱ سلطان محمود کے بعد خلیل خاں مظفر شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا - اس بادشاہ نے کوئی مستحب فعل تک بھی ترک نہیں کیا - ہمیشہ باوضو رہتا - اپنے عمل کا مدار حدیثِ نبویؐ پر رکھتا - ایک دفعہ اس کی سواری کے گھوڑے کے پیٹ میں درد ہوا - جب کسی دوا سے اچھا نہ ہوا تو معالج نے اس کو تھوڑی سی شراب پلا دی - جس سے وہ اچھا ہو گیا - سلطان مظفر کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اس گھوڑے کی سواری چھوڑ دی -

۱۸۲ سلطان مظفر تلاوت بہت کیا کرتا تھا - ایک روز احوالِ قیامت کی آیت پر بہت رویا شیخ جیوندم سلطان جو قطب عالم کے فرزند تھے انہوں نے تسلی دی کہ آپ زاہد و عابد ہیں - آپ کو ہراساں نہ ہونا چاہئے تو کہا کہ حضور اکرمؐ کی حدیث ہے کہ نجا المخفقون وھلک المثقلون (سبک بار نجات پا گئے اور گراں بار ہلاک ہو گئے) - اس لئے روتا ہوں یہ بادشاہ راتوں کو رعایا کے حالات دریافت کرنے نکل جاتا اور اہلِ حاجت پاتا تو ان کی حاجت روائی کرتا -

---

[1] مرأت سکندری از سکندر ابن محمد منجھو -

۱۸۳ - سید جلال بخاریؒ سے نقل ہے کہ سلطان مظفر ہر روز ایک رکوع بہ خط نسخ لکھتا۔ اور جب قرآن ختم ہو جاتا تو وقف کر کے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ روانہ کر دیتا تھا تاکہ جس کو ضرورت ہو اس نسخے سے پڑھے۔ ایک روز کتابت میں مشغول تھا اور بہت سنبھال کر خوب صورت لکھا تھا۔ صفحہ ختم ہونے پر اس کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا اور خوشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں لطیف الملک خورجی جو سلطان کے پیچھے شمشیر لئے کھڑا تھا اور افیون کا عادی تھا پینک میں آکر اونگھا اور تلوار ہاتھ سے سلطان کے کندھے پر گری۔ سلطان کے ہاتھ سے قلم اس کاغذ پر گرا اور چند سطریں کالی ہو گئیں۔ حاضرین نے دھکے دے کر لطیف الملک کو باہر کر دیا۔ سلطان نے کچھ نہ کہا۔ قلم تراش لے کر سیاہی کو چھیلا۔ سفیدی اس پر ملی۔ پھر دوسرا صفحہ لکھنا شروع کیا۔ جب رکوع پورا ہو گیا تو کام بند کر کے علٰحدہ رکھ دیا اور کہا

"کہاں ہے وہ لطیف الملک"

شیخ جیو نے سفارش کے الفاظ کہنے شروع کئے کہ:-

"حضرت سلامت وہ تو باہر پڑا رو رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے بڑا بھاری قصور سرزد ہوا ہے۔ سزاوار ہوں کہ میرا ہاتھ کاٹ دیا جائے یا ہاتھی کے پیر سے مروا دیا جائے"

سلطان نے کہا:-

"مجھے کیا ضرورت ہے کہ ایسا کروں۔ ہاں اگر غفلت کا یہی عالم رہا تو یقیناً ہاتھ کٹ جائیں گے مگر اس سے کہو کہ آئندہ ہمارے سلام کو نہ آئے"

ملک شیخ جیو نے کہا کہ

"یہ تو گردن مارنے سے سخت سزا ہے"

سلطان نے کہا:-

"اچھا اگر افیون اور دیگر مسکرات سے توبہ کرتا ہے تو اس کو اجازت مل سکتی ہے"

غرض وعدہ ہوا اور شیخ جیو نے قدموں پر ڈال کر خطا معاف کرائی۔ ایک مرتبہ حمام والوں نے لاپروائی سے بہت گرم پانی بادشاہ کے سر پر ڈال دیا۔ جس سے کھال نکل آئی۔ اس خطا پر بھی بادشاہ نے کوئی سزا نہیں دی۔

(ب) شاہ مظفر کی موت کا واقعہ بھی سبق آموز ہے۔ طویل علالت کے بعد جمعہ کے روز وفات ہوئی

---

[1] نبیرہ شاہ عالم ملاحظہ ہو شجرہ۔

اس روز صبح جب درباری عیادت کے لئے دن چڑھے آئے تو ان کے روبرو دیر تک حمد وثنا کر
پھر یہ آیت پڑھی رب اٰتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث۔ فاطر السمٰو
والارض انت ولی فی الدنیا والاخرہ۔ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین
پھر کہا کہ اللہ تعالٰے نے مجھے بڑے ملک کی سلطنت دی ہر قسم کی نعمت عطا کی ہر طرح سے نوازا
ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے مسلمان مارے اور نیکوں میں
کرے۔ اب تم لوگ جاؤ اور جمعہ کی تیاری کرو۔ میں بھی یہاں ظہر ادا کرتا ہوں۔ اور عصر تو کہیں اور
یہ کہہ کر عبادت میں مشغول ہوگیا۔ ظہر اور عصر کے درمیان انتقال ہوگیا۔ انا للّٰہ

(ج) ان تفصیلات کے لکھنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بزرگوں کی صحبت سے بادشاہوں کے
بھی کیسے سنور جاتے تھے۔ وہ کیسے اپنی عمریں خدمت خلق میں گزار دیتے تھے۔ [1]

و ۱۸۴ شاہ عالم کی اولاد میں سید محمد مقبول عالم ابن سید جلال ماہ عالم نے لطائف ش[2]
کے نام سے ایک تصنیف کی ہے جس میں شاہ عالم کے روزانہ اوراد واذکار اور بعض اقوال
کیا ہے۔ اس تصنیف سے حضرت کی روزانہ کی زندگی پر اچھی روشنی پڑتی ہے اس کتاب میں یہ
بتایا ہے کہ حضرت وقت کی قدر کرنے پر بڑا زور دیتے تھے۔ اور وقت ضائع کرنے کو موجب خس
بتاتے تھے۔ دوسری چیز اس کتاب میں یہ ہے کہ تلاوت کا مسنون طریقہ کیا ہے۔ آپ کا دستور
روزانہ ایک منزل پڑھکر ایک ہفتہ میں قرآن مجید ختم کرتے۔ یہاں چند اقتباسات بطور نمونہ درج
جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

" اوقات را ضائع مگذار و بہ خیرات حسنات معمور دار۔ الوقت کالنار والاعمار فیہ
عصی فبادر والخیر فان العمر یحترق۔ نشاید کہ اوقات بہ بطالت گزارند۔
وخواب غفلت را سرمایہ عیش و زندگانی گردانند ؎

غفلت شام وخواب صبح زندہ دلان شوق را
دور کند ز قرب حق ہم چو غلولہ از تفنگ

---

۱ تحفۃ الکرام از علی شیر قانع۔ ۲ مرات احمدی جلد دوم

۲ لطائف شاہیہ کا ایک قلمی نسخہ میں نے قاضی نورالدین قاضی بھروچ کے کتب خانہ بھروچ میں دیکھا ہے اس
اقتباسات بطور نمونہ اسی سے نقل کئے ہیں۔

ہر کلمۂ عزیز خود را ضائع نہ سازد فردائے قیامت روئے خلاص بیند۔ ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا۔ عبادت ازاں است کہ دریادِ او تعالیٰ باری — اے برادر! دنیا جائے قرار و آرام نیست بلکہ مزرعہ آخرت است۔ در سخنانِ لایعنے عمر ضائع مکن۔"

تلاوت کے آداب میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے۔ اس کے بعد بسم اللہ۔ قرآن مجید کی ابتداء جمعہ سے کی جائے اور ایک ہفتے میں جمعرات کو ختم کر دیا جائے اس کا ثواب بے حساب ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر دو ہفتے میں ختم کیا جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ایک ماہ میں۔ اس سے کم نہ کیا جائے پڑھتے وقت ترتیل سے پڑھا جائے۔ مد و وقف کا لحاظ رکھا جائے اور قراءت کے وقت حدیثِ نفس کو روا نہ رکھا جائے۔ جہاں سجدہ آئے وہاں سجدہ کیا جائے اور ختم کے بعد مفلحون تک پڑھ کر چھوڑا جائے۔ وغیرہ وغیرہ

وا ۱۸۵ شاہ عالم کے زمانے میں تجوید و قراءت کے دو مدرسے خاص اہتمام سے چلتے تھے — ایک مدرسہ قطب عالم کے خلیفہ عبداللطیف قاری ہفت قراءت چلاتے تھے۔ دوسرا مدرسہ قاری سید شاہ بخاری جو حضرت شاہ عالم کے خلیفہ تھے۔ اور خانقاہ کی مسجد کے امام بھی تھے۔ وہ چلاتے تھے۔ حضرت خود درس و تدریس میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ حضرت کی اولاد میں اکثر قاری ہفت قراءت ہوئے ہیں۔

مخدوم سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت وفات سنہ ۷۸۱ھ

- لڑکی: داماد سید شرف الدین مشہدی
- فرزند: سید ناصر الدین محمود سنہ ۸۰۰ھ
  - برہان الدین قطب عالم سنہ ۸۵۷ھ
    - فرزند: سراج الدین سید محمد الملقب بہ شاہ عالم وفات سنہ ۸۸۰ھ
      - سید راجو
      - سید احمد
      - سید عبد الغفور
      - سید حسن
      - سید جلال الدین ابو محمد ماہ عالم سنہ ۱۰۰۳ھ
      - سید محمد مقبول عالم سنہ ۱۰۴۵ھ
      - سید جلال مقصود عالم سنہ ۱۰۵۹ھ
      - سید جعفر بدر عالم سنہ ۱۰۸۵ھ
      - ابو المجد محبوب عالم سنہ ۱۱۱۱ھ
        - سید جلال حمید عالم سنہ ۱۱۱۳ھ
          - سید جعفر مجید عالم سنہ ۱۱۰۹ھ
          - سید محمد محمود عالم سنہ ۱۱۴۹ھ
        - خلیفہ: مخدوم عالم شیخ نور الدین احمد آبادی ۱۱۵۵ھ
          - شیخ محمد صالح
          - قاضی محمد نظام الدین
    - خلیفہ: عبد اللطیف مقری مصنف قرات
      - خلیفہ، سید جعفر شیرازی
      - فرزند، سید احمد شیرازی وفات س...
      - فرزند، سید جلال شیرازی وفات س...
      - سید رفیع الدین ۹۸۹ھ
        - سید جلال ثانی ۱۰۳۶ھ
        - سید احم... (ملفوظ احم...) ۱۰۳۲ھ
- خلیفہ: قاری شیخ سراج الدین امام
- مرید: شیخ کبیر الدین ر...

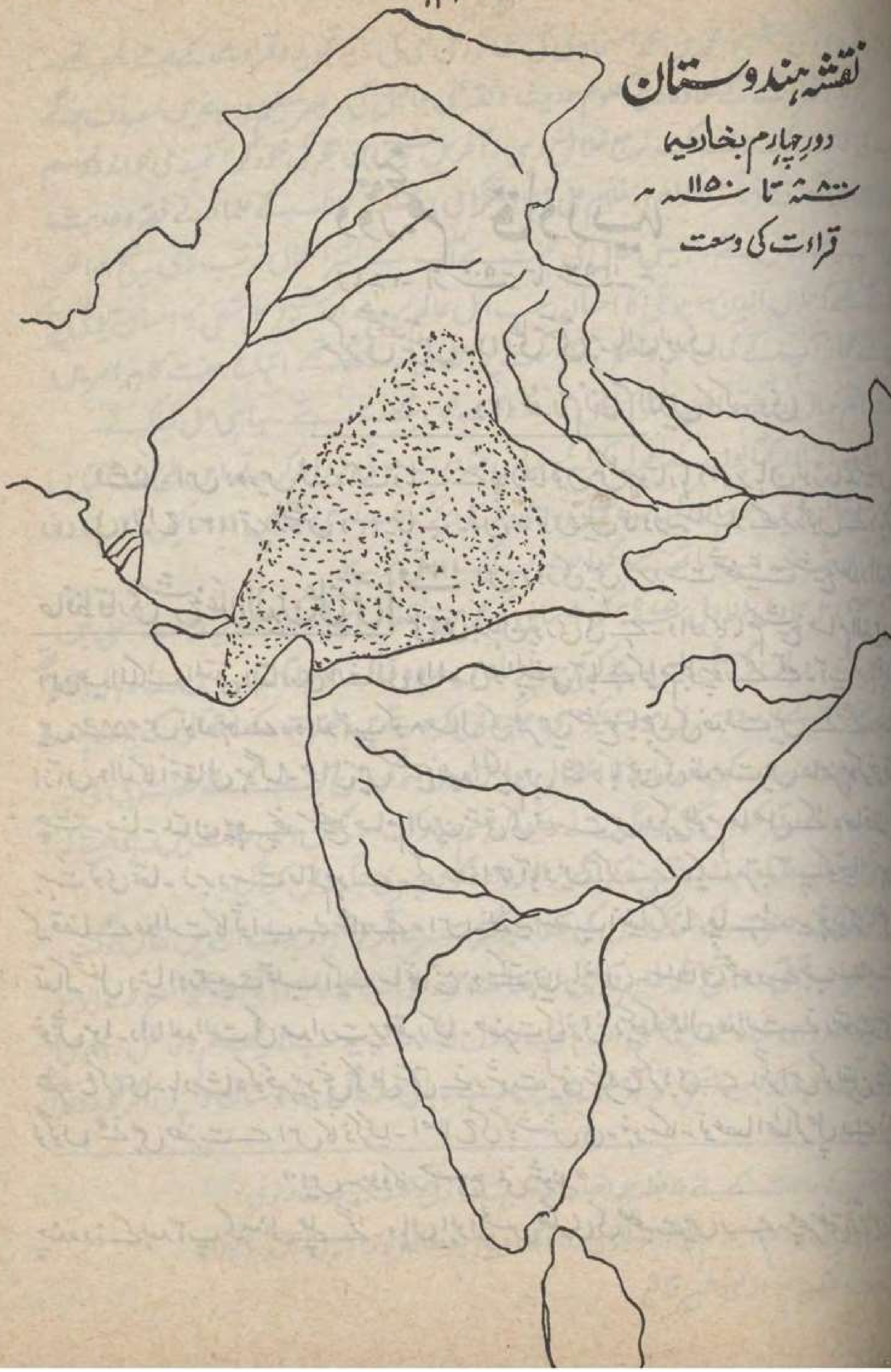
نقشہ ہندوستان
دورِ چہارم بخاریہ
سنہ ۸۰۰ھ تا سنہ ۱۱۵۰ھ
قرات کی وسعت

دورِ پنجم قادریہ

زمانہ:- از ۹۰۰ھ تا ۱۲۹۶ھ

مرکزی شخصیتیں:- (۱) علی متقی برہان پوری
(۲) مخدوم نظام الدین کاکوروی

ف ۱۸۵- اس دور میں بڑے آب وتاب سے چار علاقوں میں کام ہوتا رہا (۱) برہان پور و خاندیش
(۲) دہلی و نواح (۳) اتر پردیش (۴) پنجاب - ان علاقوں میں قادریہ سلسلہ کے بزرگوں نے ر

حافظ قاری شیخ علاء الدین علی متقی

ف ۱۸۶ اس دور کی پہلی زبردست شخصیت شیخ علاء الدین علی متقی برہان پوری کی ہے۔ والد کا نام شیخ حسام الدین
ابن عبدالملک المتقی القادری الشاذلی والمدنی والچشتی آبائے کرام جونپور کے تھے۔ آپ برہان
میں ۸۸۵ھ میں تولد ہوئے۔ والد آپ کو ۸ سال کی عمر میں شیخ باجن کی خدمت میں لے گئے۔ بع
ازاں والد کا انتقال ہوگیا۔ جوانی میں شیخ عبدالحکیم بن شاہ باجن کی خدمت میں حاضر ہوکر خرقہ
چشتیہ پہنا۔ ملتان پہونچے۔ شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں رہکر علوم حاصل کئے۔ حافظہ
بہت قوی تھا۔ زبردست عالم ہوئے۔ کچھ روز احمد آباد میں آکر رہے۔ ایک مرتبہ آپ کو خیال ہ
کہ قضائے عدالت کا ثواب بے شمار ہے۔ اس لئے یہ منصب اختیار کرنا چاہئے۔ یہ تجربہ کرنا
تھا کہ شغل دنیا اور جمعیت قلب ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں یا نہیں۔ سلطان محمود نے جب سنا
خوش ہوا۔ دارالعدالت کی صدارت پر مقرر کیا۔ حضرت کی نرمی دیکھ کر عمال عدالت نے رشوت لی
شروع کردی۔ بادشاہ کو خبر پہونچی کہ علی متقی نے رشوت لینی شروع کردی ہے۔ مگر اس کو یقین ن
لوگوں نے بھی حضرت سے اس کا ذکر کیا۔ اصلاح کی کوشش کی۔ نہوسکا۔ توعصا اٹھاکر چل دیئے

"ایں ہر دو کار جمع نمی شوند"

چندروز کے بعد آپ مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں ابوالحسن بکری کی صحبت میں رہے۔ پھر مفتی خرم

کی شاگردی کی۔ شیخ محمد بن محمد السخاوی کی شاگردی بھی کی۔ یہ تجوید وقراءت کے جید ماہر تھے۔
تجوید وقراءت کے علاوہ دیگر علوم حدیث وفقہ بھی حاصل کی۔ پھر تعلیم دینے میں مصروف ہوگئے
آپ کی ذات ایک عرصے تک مرجع خلائق رہی۔ آخر میں شیخ ابن حجر مکی خود کو "تلمیذ می خواند در سم
ارادت بجا آورد" (مآثر الکرام از غلام علی آزاد بلگرامی) مختلف ممالک کے علماء نے فقہ وحدیث
میں آپ سے درس لئے۔ بیس سال کی محنت سے آپ نے کنز العمال ترتیب دی۔ شیخ ابوالحسن
فرماتے تھے کہ جلال الدین سیوطی کا احسان سب اہل عالم پر ہے اور شیخ علی متقی کا احسان سیوطی پر ہے
علمائے حجاز آپ کے کمال علم وفضل وکرامت پر اتفاق رکھتے تھے اتباع سنت کا ہر امر میں
بدرجہ اتم خیال رکھتے۔ طلباء کو درس دیتے وقت بھی بیکار نہ رہتے۔ سیاہی حل کیا کرتے۔
(ب) نادر کتابوں کے نقول کرا کے جہاں ضرورت ہوتی روانہ کرتے اس طرح صدہا کتابیں
ہندوستان آئیں جو یہاں کمیاب تھیں۔ اس طرح دیگر ممالک کو بھی کتابیں روانہ کیں۔ آپ نے
ایک قرآن شریف اپنے ہاتھ سے لکھا جو صرف ایک ورق پر ہے۔
(ج) ۲ جمادی الاول ۹۷۵ھ کو ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ مکہ معظمہ میں جنت المعلیٰ میں
دفن ہوئے۔ وہاں کی مٹی ایسی ہے کہ تین چار ماہ میں مردہ خاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہاں کا طریقہ
ہے کہ چند ماہ کے بعد دوسری میت کو اسی جگہ دفن کر دیتے ہیں حضرت کے انتقال کے چودہ پندرہ
سال کے بعد حضرت کے برادر زادہ کا انتقال ہوا برادر زادہ کو دفن کرنے کے لئے حضرت ہی کی قبر
کا انتخاب ہوا اور قبر کھودی گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ جسم مبارک معہ کفن اسی حالت میں ہے جیسا کہ
دفن کے وقت تھا۔ لہذا وہ قبر بند کر کے برادر زادہ کو دوسری جگہ دفن کیا گیا۔
۱۸۶ حضرت کے شاگردوں کی تعداد بہ کثرت ہے مگر جو مشہور ہوئے ان میں خاص لوگ
(۱) عبدالوہاب متقی (۲) شیخ محمد طاہر قاضی القضات عبدالوہاب بھورا (۳) شیخ ابو محمد المعروف ابوجیو
ابن شیخ خضر (۴) شاہ محمد بن فضل اللہ نائب رسول اللہ تھے۔ یہ سب اچھے عالم وفاضل۔ قاری و
مقری تھے۔ عبدالوہاب متقی تو مکہ معظمہ ہی میں رہے۔ باقی شاگرد ہندوستان واپس آکر تجوید وقراءت

شیخ علی متقی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار از شیخ عبدالحق محدث دہلوی
(۲) ومآثر الکرام از غلام علی آزاد بلگرامی (۳) تاریخ برھان پور از خلیل الرحمن برہانپوری
(۴) تحفۃ الکرام از علی شیر قانع

ودیگر علوم کی اشاعت کی ان سب کے حالات انفرادی زندگی میں ملاحظہ ہوں۔

حافظ مُقری شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

۱۸۸ و آپ سلیم شاہ سوری کے عہد سلطنت میں ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء بہ مقام دہلی پیدا ہوئے۔ حفظ و قراءت کی تکمیل کی۔ قاضی عنایت سے علوم سیکھے۔ سید جمال الدین ابوحسن موسٰی کے مرید ہوئے۔ ریاضتیں بہت کیں۔ سلسلہ چشتیہ میں شیخ مودود چشتی سے ارادت تھی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ باقی باللہ سے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے ہم عصر اور ہم جلیس تھے۔ اکثر بحث مباحثے بھی ہوتے تھے۔ مگر بعد میں دوستانہ مراسم بڑھ گئے ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۸ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے تین سال وہاں قیام کیا۔ پورا وقت عبدالوہاب متقی کی خدمت میں گزارا قادری۔ شاذلی اور مدنی سلسلہ میں حضرت سے بیعت کی۔ مدینہ منورہ جاکر واپس مکہ معظمہ لوٹ آئے۔ وہیں قیام کرنے کا ارادہ تھا مگر عبدالوہاب متقی کی ہدایت کے مطابق ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ آپ نے تجوید قراءت کی سند عبدالوہاب متقی سے لی۔ عہد جہانگیر میں آپ کی بڑی شہرت تھی۔ شاہجہاں کے عہد میں ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ تجوید میں دو کتابیں لکھیں

(۱) درۃ الفرید فی قواعد التجوید

(۲) شرح قصیدہ الجزریہ

اس کی ایک خوش خط نقل جو ۱۱۴۸ھ میں کی گئی تھی۔ اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ آپ بڑے خوش الحان تھے۔ آپ کی قبر ایک گنبد میں دہلی میں حوض شمسی کے مغرب میں واقع ہے۔

(ب) ایک پٹھان ایک مرتبہ رات کے وقت مقبرے کے پاس سے گزرا تو اس نے خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنے کی آواز سنی۔ دلکشی کی وجہ سے ٹھہر کر سننے لگا۔ بے حد محظوظ ہوا۔ جب قراءت کی آواز موقوف ہو گئی تو اس کا جی چاہا کہ قاری صاحب سے بھی مل لے۔ جب اندر گیا تو کسی کو نہ پایا حیران ہوا۔ مگر اس کے بعد وہیں رہنے لگا۔ روزانہ قراءت کی آواز سنتا تھا۔ ایک روز ایک دوست نے اس کو وہاں دیکھ کر طنزاً کہا کہ — مولوی کی قبر پہ کیا پڑا ہے کسی صوفی کی قبر پہ جا۔ پٹھان نے اس وقت تو کچھ جواب نہ دیا مگر ساتھ ٹھہر جانے کے لئے کہا۔ رات میں گنبد سے خوش الحانی سے قرآن خوانی کی آواز آئی۔ دونوں متوجہ ہوئے ذوق سے سنتے رہے۔ جب قراءت ختم ہو گئی تو پٹھان نے کہا اندر جاکر دیکھ قرآن کون پڑھ رہا تھا۔ اس کا دوست اندر گیا۔ چھوٹا سا گنبد — چاروں

دیکھا کوئی نظر نہ آیا۔ حیرت زدہ ہو کر پٹھان سے کہا کہ وہاں تو کوئی نہیں ہے۔ پٹھان نے کہا کہ بس یہی قرات سننے یہاں پڑا ہوں۔ (واقعات زندگی شیخ عبدالحق محدث دہلوی و تاریخ اولیائے دہلی ازرکن الدین نظامی)

شیخ القراء امیر سیف الدین کاکوروی

ف ۱۸۹ دوسرا زبردست سلسلہ امیر سیف الدین کاکوروی کا ہے۔ یہ خاندان حضرت عبدالقادر گیلانی کی اولاد سے تھا۔ حضرت علیؓ سے حضرت عبدالقادر گیلانیؒ تک بارہ پشت میں سب قاری ہفت قراءت ہوئے حضرت عبدالقادرؒ سے مخدوم نظام الدینؒ ابن امیر سیف الدینؒ تک بارہ پشت میں سب ہی قاری ہفت قراءت تھے ان کے بعد بارہ پشت تک بھی قاری ہفت قراءت ہوئے۔ یہ قراءت کا ایسا نادر سلسلہ ہے جس میں چھتیس پشت تک مسلسل قاری، ہفت قراءت ہوتے چلے گئے۔ یہ ہندوستان میں قراءت کے تسلسل کا عجیب و غریب نمونہ رہا جس پر ہندوستان بجا طور سے ناز کر سکتا ہے۔ شاہجہاں نے ایسے ہی بزرگوں کو دیکھ کر فخر سے کہا تھا کہ "پورب کے قریے علم و فضل کے اعتبار سے بغداد و شیراز پر سبقت لے گئے"۔ شیخ القراء امیر سیف الدین کا سلسلہ اس طرح چلتا ہے:-

امیر سیف الدین

ابن قاری حبیب اللہ نظام الدین المعروف بہ امیر کلاں

ابن قاری امیر نصیر الدین دلیل اللہ

ابن قاری محمد صدیق بہ ابو محمد خافی

ابن قاری عبید اللہ

ابن قاری عبد الصمد

ابن قاری امیر شمس الدین خورد معروف بہ قاری محقق

ابن قاری عبد المجید دربان آستان رسول اللہؐ

ابن حاجی الحرمین سلطان حسین

ابن قاری میر ابراہیم۔ نبیسہ و خلیفہ حضرت عبد الرزاق خلف و خلیفہ حضرت غوث الثقلین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

ف ۱۹۰ امیر سیف الدین کی ولادت ۸۷۲ھ میں بہادل لودھی کے زمانہ میں ہوئی۔ آپ کے اسلاف سب باکمال تھے۔ صحابہ و تابعین کے نمونے اور یادگار تھے۔ آپ کو بھی اسلاف کی طرح بچپن سے

علوم کی طرف رغبت رہی۔ قاری ہفت قراءت ہوئے۔ اپنے بڑے فرزند مخدوم نظام الدین کی تعلیم
تربیت بڑی توجہ سے کی۔ خود قراءت و دیگر علوم سکھلانے کے بعد دوسرے سات عالموں سے رجوع کیا
ہر وقت مشورہ دیتے رہتے۔ مخدوم نظام الدین بھی والد کے حکم سے سرمو انحراف نہ کرتے۔ عجیب بات
اس خاندان میں یہ رہی ہے کہ باوجود حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں ہونے کے اپنے فرزند کو خود
مرید نہ کیا۔ بلکہ جو بہترین مرشد معلوم ہوا اس سے بیعت کرائی۔ یہ طریقہ ان کے بعد بھی رائج رہا۔

و ۱۹۱ ۔ امیر سیف الدین کا حلقۂ درس اس قدر وسیع تھا کہ دور دراز سے لوگ آپ کی خدمت
میں تحصیل علوم دینیہ و تحقیق فن قراءت کے لئے حاضر ہوتے۔ تقریباً دس سال درس و تدریس میں
گزار کر ۹۲ سال کی عمر میں ۵ ذی قعدہ ۹۶۹ھ کو وفات پائی۔ مزار محلہ جھنجھری قصبہ کاکوری میں روضہ
کے اندر ہے۔ برابر میں مخدوم نظام الدین کی قبر ہے۔ تاریخ وفات یہ کہی گئی:۔

دل افزائی رضوان کرد آخر ؛ امیر قوم سیف الدین قاری
۹۶۹ھ

شیخ القراء مخدوم امیر نظام الدین قادری المعروف بہ شیخ بھیکن پاشا بھکاری

و ۱۹۲ والد کا نام امیر سیف الدین ولادت [illegible]
حنفی المذہب۔ حافظ کلام اللہ۔ قاری ہفت قرا
عالم اجل۔ فاضل اکمل تھے۔ بچپن میں والد کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت ہوئی۔ قراءت سبعہ و حفظ کی تکمیل
بھی والد سے کی۔ خود فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر کے کتب درسیہ پڑھنی شروع کی تھیں"

محی الدین ابن عربی کی تصانیف سے خاص ذوق اور لگاؤ تھا۔ اور ان پر عبور حاصل کیا تھا۔
مسلک وحدت الوجود کے بہت اچھے ترجمان تھے والد نے جس طرز پر تعلیم و تربیت کی وہ ایک خط
ظاہر ہوتی ہے جو آپ نے مرزا شمس الدین خاں کو لکھا تھا۔ مضمون خط سننے کے قابل ہے۔ خط سے
زبان۔ سلاست بیان۔ طرز ادا کی خوبی۔ خیال کے اظہار کی قدرت معلوم ہوتی ہے۔ خط حسب ذیل ہے
"دو برادر داشتم کوچک از خود۔ عہدہ تعلیم و تدریس آن مغفوران از جانب حضرت والد

---

[1] ترجمہ:۔ میرے دو چھوٹے بھائی تھے۔ والد کی جانب سے ان دونوں کی تعلیم و تدریس میرے ذمہ تھی۔ ایک کا نام
رشید الدین تھا جس کی عمر ۱۶ سال تھی۔ دوسرے کا نام قطب الدین جو چودہ سال کا تھا۔ دونوں حافظ کلام اللہ تھے
تو کتب درسی ختم کر چکا تھا۔ اور چھوٹا فارغ التحصیل ہونے کے قریب تھا۔ دونوں نیک بخت تھے۔ کمال صدق

بہ ذمہ فقیر بود یکے مسمی رشید الدین بہ سن شانزدہ سالگی رسیدہ و دیگرے قطب الدین نام داشت۔ آں ہم چہاردہ سالہ گردید۔ ہر دو حافظ کلام اللہ و از کتب درسی یکے فارغ و دیگرے قریب بہ فراغ۔ ہر دو نیک بخت بودند و فرماں برداری فقیر از کمال صدق و اخلاص و محبت و آداب خوردی و بزرگی بجانُ تن مصروف۔ قضا را مشیت ایزدی داعی برآں گردید کہ بہ مدت دوازدہ روز ہر دو تپ کردند و جلائے خود بہ جوار رحمت جان آفرین پیردند درآں ایام از جانب والد ماجد چناں مامور بودم کہ بعد از فراغ درس طلبا، وقت شب چیزے از تفاسیر و احادیث پیش آمدہ ذکر می کردہ باشی روز انتقال برادر دومی بہ سبب درد مفارقت و نیز از ملاحظہ صبر و سکوت حضرت والدہ ماجدہ آنچناں مارا از خود بے خبر نمودند کہ آں مذکور تفاسیر و حدیث دو شب متواتر قضا کردم و بخدمت حضرت والد ماجد حاضر نہ شدم۔ یک بار مزاج حضرت از جانب نا دیدہ مُنغّص گردید وقت نماز صبح چون تشریف بہ جماعت آوردند و از چند روز حکم امامت جماعت بہ بندہ بود بعد فراغت سنت بہ حافظ احمد اللہ کہ یکے از اصحاب حضرت بودند ارشاد فرمودند کہ از امروز امامت جماعت شما می کردہ باشید۔ ایشاں از پاسداری فقیر عرض نمودند کہ صاحب زادہ خود حاضر است۔ بمجرد استماع این کلمہ تسبیحے کہ بہ دست مبارک بود آنرا بہ مصلیٰ انداختند و این مصرع بہ زبان مبارک آوردہ ع

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

بہ کمال انقباض و ملال از حافظ فرمودند کہ من با شما چیزے می گویم شما عذر دیگر بہ میاں آورید

اخلاص و محبت سے میری فرمانبرداری کرتے تھے۔ آداب خوردی و بزرگی کو بدل و جان ملحوظ رکھتے تھے اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ بارہ روز کے بخار میں دونوں چل بسے۔ ان دنوں مجھے والد ماجد کا حکم یہ تھا کہ طلبا کی تدریس سے فراغت کے بعد رات میں کچھ تفسیر و حدیث ان کے روبرو سنایا کروں دوسرے بھائی کے انتقال کے بعد درد جدائی کی وجہ سے والدہ ماجدہ کے خاموش رنج کو دیکھ کر میں اس قدر خود فراموش ہو گیا کہ متواتر دو شب تفسیر و حدیث کا سنانا نہ ہو سکا۔ اس پر والد صاحب ناراض ہو گئے۔ دوسرے روز صبح جب نماز کے لئے تشریف لائے (چند روز سے جماعت کی امامت میرے سپرد تھی) تو سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد حافظ احمد اللہ سے جو حضرت کے ساتھیوں میں سے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ آج سے جماعت کی امامت تم کیا کرو۔ حافظ صاحب نے میری پاسداری میں کہا کہ صاحب زادے خود موجود ہیں یہ سنتے ہی تسبیح جو ہاتھ میں تھی

آں بے چارا مرد بزرگ راجان بہ قالب نہ ماند فی الفور اِنّی وجّہت گفتہ بہ امامت حاضر شد بعد فراغ نماز حالتے کہ برمن طاری بود قابل تحریر نیست غم برادران کو و الم سکوت و صبر حضرت والدہ ماجدہ بجا؟ مدت العمر خو کردہ صفات مہری داز نگاہ قہری نا آشنا بودم۔ دم بخود بر کنار صف مصلیٰ نشستہ ماندم۔ بعد از فراغ نماز اشراق از مصلیٰ برخاستہ مارا ہمراہ بمکان نشست خود بردند و زبان مبارک بمواعظہ لینہ کشادند "اے نظام الدین! حاصل علم عمل است اگر عمل نہ باشد از بار اشتر ہم ناچیز تر است۔ سخنے باشما می گویم گوش باید کرد۔ دریں مدت دو روزہ غافلانہ بہ الم آن مرحومان ساختید۔ ایں صورت صریح باعث انجذاب روح موتیٰ بہ ایں عالم است و مقصود اہل تحقیق از روئے اخبار صحیحہ ایں است کہ دریں ایام برائے موتیٰ کارے باید کرد کہ روحش بہ آسان طریق از انجذاب و کشاکش ایں عالم وارستہ واصل بہ اصل خود گردد۔ و آسانی یافتن روح بدو چیز مقرر داشتہ اند۔ یکے خواندن کلمہ طیبہ بہ کثرت۔ و بعد خواندن کلمہ طیبہ دعائے مغفرت۔ دیگر صدقہ بہ مساکین دادن و بعد از آنہا دعا خواستن موتیٰ۔ ایں ہر دو چیز از روئے تواتر اخبار ثابت آمد برائے آسانی روح موتیٰ"۔

اس کو مصلیٰ پر ڈال دیا اور فرمایا کہ جو خود ہی کھویا ہوا ہو وہ کس کی رہبری کر سکتا ہے اور غصہ سے حافظ صاحب سے کہا کہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں تم دوسرا عذر لاتے ہو یہ سننا تھا کہ بے چارے حافظ صاحب کے ہوش فنا ہو گئے۔ فوراً انی وجہت کہہ کر امامت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد میری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بھائیوں کا غم کدھر اور والدہ صاحبہ کی خموشی کا حال کجا؟ جو ہمیشہ سے محبت کا خوگر رہا ہو اس پر ناگہانی عتاب ہو گیا۔ دم بخود مصلے کے کنارے پر بیٹھا رہا۔ اشراق سے فارغ ہوتے کے بعد مصلے سے اٹھ کر مجھے اپنے ہمراہ اپنی نشست گاہ پر لائے اور زبان مبارک سے نرمی سے اس طرح نصیحت شروع کی "اے نظام الدین! علم کا حاصل عمل ہے اگر عمل نہ ہو تو علم بار شتر سے زیادہ ناچیز ہے۔ میں تمہیں ایک بات کہتا ہوں غور سے سنو۔ دو روز تم نے مرحوموں کے رنج میں غفلت سے گزار دیئے۔ اس کو روح کو اس عالم سے انجذاب ہوتا ہے اور اہل تحقیق نے احادیث صحیحہ کی رو سے یہ بتایا ہے کہ ان ایام میں مردے کے لئے ایسا کام کرنا چاہئے کہ روح اس عالم کے انجذاب و کشاکش سے نکل کر اپنے اصل کی طرف واصل ہو اور روح کو یہ سہولت دو باتوں سے حاصل ہوتی ہے ایک کلمہ طیبہ کا بہ کثرت ورد کر کے دعائے مغفرت کرنا۔ دوسرے مساکین کو کچھ دے کر ان سے دعائے مغفرت کرانا۔ یہ دونوں باتیں تواتر سے ثابت ہیں کہ مردے کے لئے مفید ہیں

چوں بدایں تقریر پنبۂ غفلت از گوشم کشیدند و عقل ہم باری بہ انصاف داد فوراً برخاستہ بقدرے کہ مناسب حال خود دیدم بصد پشیمانی ہا بہ گریہ و بکا سر بہ پا نہادم۔ چوں کہ مقصود حضرت ازیں انزجار و توہین فقط اصلاحم بود فرمودند۔ خیریت آیندہ را آگہی باید کہ قدم از جادۂ اختیار و ضابطہ و قاعدہ محققۂ اہلِ تحقیق ایں سو و آں سو نہ رود۔

جو جامعیت اس خط میں ہے وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں صحیح علم کا پہونچانا عمل و معمولات کی تاکید۔ وقت کی قدر کرنے کی تہدید۔ صبر و استقامت کی تلقین۔ ایصال ثواب کی اہمیت۔ روح موتی کو اس عالم انجذاب سے بچانے کی تدبیر یہ سب اس خط سے واضح ہو جاتے ہیں۔ کسی زمانہ میں بزرگ اس طرح اپنی اولاد کی تربیت کیا کرتے تھے۔ جب ہی تو اولاد ایسی صاحب کمال ہوتی تھی کہ آفتاب کی طرح ان کا فیض عام ہو جاتا ہے۔

۱۹۳ آپ کے تلمیذ رشید و خلیفہ ارشد۔ عبدالرشید کتاب زاد الآخرہ میں ایک واقعہ درج کرتے ہیں:۔

"مخدوم صاحب (نظام الدین) نے فرمایا کہ مجھے جب کبھی خواب میں غوث اعظمؓ کی زیارت ہوتی تو میں دیکھتا کہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ بھی آپ کے ہمراہ ہیں۔ ایک دفعہ عرصے سے حضرت کی زیارت نہ ہوتی۔ میں متردد تھا۔ رمضان کی تراویح کے بعد لیٹا تو حضرت کی تشریف آوری ہوئی۔ اب کی بار حضرت کے ساتھ دو صاحب تھے ایک کو تو میں نے پہچان لیا کہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ ہیں دوسرے کو نہ پہچانا۔ قریب پہنچا تو حضرت نے ان سے کہا کہ ان سے مصافحہ کرو، نظام الدین یہی ہیں جو تمہاری حمایت کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا اور کہا کہ یہ میرے کلام کی حمایت نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ لوگ ان کی قدر کیا جانیں یہ قاری ابراہیم کے پوتے ہیں۔ مخدوم صاحب کہتے ہیں کہ حضرت غوث اعظمؒ نے مجھ سے فرمایا:۔ کہ محی الدین ابن عربی

ان کی تقریر سے پردۂ غفلت آنکھوں سے اُٹھ گیا اور عقل نے بھی گواہی دی کہ انصاف کا راستہ یہی ہے تو گریہ و زاری و پشیمانی کے ساتھ سر قدموں پر رکھ دیا چوں کہ جھڑکنے اور جھنجھوڑنے سے حضرت کا منشا صرف میری اصلاح تھی فرمایا:۔ "ٹھیک ہے۔ آیندہ کے لئے آنکھیں کھولو اور اپنا قدم پسندیدہ طریق اور اہل تحقیق کے قواعد و ضوابط سے ہٹ کر نہ اٹھاؤ"

یہ ہی ہیں۔ اس وقت میں سمجھا کہ میں جو ان کی تصنیفات کی توضیح کرتا رہتا ہوں یہ اس طرف اشارہ

و ۱۹۴ امیر سیف الدین نے خود مخدوم نظام الدین کی تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد مزید تربیت کے لئے دوسرے سات علماء کی خدمت میں بھیجا۔ قاری امیر ابراہیم قادری ابن معین الد ایرجی دہلوی سے بہ مقام فیروز آباد بیعت کرائی۔ دو مہینے ان کی خدمت میں رہنے کے بعد واپس آئے جب فیروز آباد سے جرکھاری آئے تو پھر ملنے گئے اور دو ماہ قیام کیا۔ مخدوم صاحب فرماتے ہیں

"پیر و مرشد امیر ابراہیم ایرجی خود قاری ہونے کے باوجود مجھ سے امامت کراتے اور فرماتے کہ تم سے تجوید خوب ادا ہوتی ہے۔ آواز بھی اچھی ہے۔"

و ۱۹۵ ۔چند روز کے بعد پھر جب مخدوم صاحب مرشد سے ملنے گئے تو اوراد و وظائف کے تحفے طلب کئے۔ حضرت نے فرمایا ذرا ٹھہرو اطلاع ملی ہے کہ حافظ قاری سید ابراہیم بغدادی ا سید احمد بغدادی آنے والے ہیں۔ اون سے تحفے دلواؤں گا۔ تم ان کا پتہ رکھو۔ چنانچہ یہ ان خبر رکھنے لگے۔ روانگی سے قبل سید ابراہیم بغدادی کو ان کے والد نے تاکید کر دی تھی کہ تم ہندوستان جا رہے ہو تو اس کا خیال رکھو کہ قاری ابراہیم کی اولاد وہاں بھی ہے۔ ان سے ملنا۔ چنانچہ جب وہ لاہور پہونچے تو وہیں سے دریافت شروع کر دی۔ لاہور سے دہلی آگرہ ہو ہوئے جھانسی پہونچے تو مخدوم صاحب اور ان کے مرشد قاری امیر ابراہیم دونوں جھانسی جا کر سید ابراہیم بغدادی سے ملے۔ بغدادی صاحب مل کر بغل گیر ہوئے اور خوشی کا اظہار کیا۔ جھ سے کالپی جا کر وہاں ۶ ماہ قیام کیا اور مخدوم صاحب کو اوراد و مراقبات بتلائے ۶ مہینے کے بعد مخدوم صاحب واپس کاکوری آئے تو والد نے تفصیلات پوچھیں اور کہا کہ ایسی صحبتیں کہاں م ہیں تم پھر جا کر ان کے پاس رہو۔ غرض کئی بار جا کر ملے۔

و ۱۹۶ ایک دفعہ رمضان سے قبل بغدادی صاحب نے کالپی سے لکھا کہ بغداد کے مشہور ق محمد شریف مدنی اور چند دیگر قراء آ رہے ہیں تم بھی رمضان یہیں گزارو تو بہتر ہے۔ مخدوم صاحب سن کر بہت خوش ہوئے اپنے ہمراہ کئی قاری و حافظ لے گئے۔ جن میں قاری محب اللہ خیر آ بھی تھے۔ رمضان سے پہلے قاری محمد شریف مدنی کی جماعت بھی کالپی پہونچ گئی۔ بغدا کاکوری کے بہترین قراء اپنا کمال فن دکھانے کے لئے کالپی میں جمع ہو گئے۔ ارباب ذوق ا فن قرات کے لئے کتنا نادر موقع تھا کہ مدینے کے مشہور و نامور قاری کو سننے کا موقع تھا۔ مگر بغدادی صاحب نے اس طرح تقسیم کی کہ پہلے عشرہ میں مخدوم نظام الدین قرآن

ختم کریں۔ دوسرے عشرے میں قاری محمد شریف اور تیسرے دہے میں قاری حمید الدین بغدادی مغرب کے بعد اوابین میں قاری مبارک اللہ بغدادی ایک سیپارہ سنائیں۔ چاند دیکھ کر پہلی تراویح حسب قرارداد مخدوم صاحب نے شروع کی۔ مخدوم صاحب کی خوش الحانی اور ادائی اس قدر عمدہ تھی کہ سامعین بے حد محظوظ ہوئے۔ پہلے دوگانے کے بعد قاری محمد شریف مدنی نے مخدوم صاحب کی قرات کی بڑی تحسین کی۔ یہ بھی فرمایا :-

"کون کہہ سکتا ہے کہ تم ہندی ہو۔ تم تو فخر اہل مدینہ ہو۔ دقایق تجوید۔ شد و مد اور خوش الحانی کا حق تم جس طرح ادا کرتے ہو وہ دوسرے میں نہیں آسکتا۔ حق یہ ہے کہ تم اپنا مثل نہیں رکھتے"

ایک مدنی کا ان الفاظ میں تعریف کرنا یہ بتاتا ہے کہ قواعد تجوید اس درجہ مدون ہیں کہ جو بھی ان پر حاوی ہو جاتا ہے خواہ کہیں کا باشندہ ہو تجوید کا حق ادا کر سکتا ہے مخدوم نظام الدین کی جو تعریف کی گئی وہ ہر قاری کے لئے حوصلہ افزا اور شمع ہدایت ہے کہ سعی و کوشش سے اس فن پر قدرت پانے کی طرف راغب ہو۔ غرض اس طرح تینوں دہے پورے ہوئے۔

۱۹۷ بغدادی صاحب نے قاری محمد شریف مدنی سے کہا کہ

"مخدوم نظام الدین کو شیخ اکبر کی تصانیف پر بڑا عبور ہے۔ بعد رمضان فصوص الحکم ان سے سنیں گے"

چنانچہ حسب پروگرام مخدوم صاحب نے فصوص الحکم کا درس شروع کیا۔ اور آیات قرآنی سے تطبیق کرتے گئے۔ تو سامعین حیران رہ گئے۔ قاری محمد شریف جب ہندوستان سے باہر تشریف لے گئے تو راستہ میں خواجہ امکنگی سے ملے اور کہا کہ :-

"اس سفر میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جو جامع صفات حسنہ ہیں جس کسی کو سید الطائفہ جنید بغدادی کا ادب۔ ابو حنیفہ کا تقویٰ۔ سابقہ قرائے سبعہ کی تجوید و قرات کے رموز نکات دیکھنا منظور ہو تو وہ مولانا نظام الدین کو دیکھے"

یہ واقعہ خواجہ امکنگی سے خواجہ باقی باللہ نے سنا تھا اور مخدوم صاحب کے پوتے ملا عبد الکریم جب دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے ملنے گئے تو حضرت خواجہ صاحب نے خواجہ مجدد صاحب کے مواجہ میں یہ واقعہ بیان کیا۔

۱۹۸ عہد اکبری میں مخدوم صاحب کی بہت شہرت ہو گئی تھی۔ چنانچہ بادشاہ کا داماد یعقوب سلطان آپ کا مرید ہو گیا تھا۔ اور حضرت کے پائنتی دفن ہوا۔ اکبر جب کاکوری آیا تو مخدوم صاحب سے مل کر

ان کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوا۔ اور ان کی خدمت میں جاگیر پیش کی۔

وف ۱۹۹ ۔ مخدوم صاحب کی تصانیف بھی کثرت سے ہیں اور شاگرد بھی بہت ہوئے۔ مگر ہم تک ان کی اولاد کے سوا دوسروں کے نام نہ پہونچ سکے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں مخدوم صاحب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :-

"شیخ بھیکن از اعلم العلماء روزگار و متورع و متشرع و در تقویٰ امام اعظم ثانی بود سالہا بدرس و افادۂ خلق اشتغال داشتہ۔ حافظ قرآن مجید بہ ہفت قرأت بود۔ شاطبی را درس می فرمود"

وف ۲۰۰ وفات ۸ / ذی قعدہ ۹۸۱ھ میں بہ عمر ۹۱ سال ہوئی۔ تاریخ وفات یہ ہے ؎

آمدہ اعداد کامل سال او ۔۔۔ نہصد و ہشتاد و یک بے ساختہ

آپ کے ۶ لڑکے اور ۴ لڑکیاں تھیں۔ بڑے فرزند حافظ امیر شہاب الدین تھے جو شباب میں انتقال کر گئے ان کے دو لڑکے ملا عبدالکریم و ملا عبدالقادر تھے ان کی اولاد کا سلسلہ شجرہ دوم سے معلوم ہوگا۔[1]

---

[1] مخدوم صاحب کے بعض ارشادات سبق آموز ہیں۔ اس لئے چند درج ذیل کئے جاتے ہیں (۱) اخلاق سے لوگوں کو خوش کرنا قلوب کو خوش رکھنا اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کی دلیل ہے۔ یہ از روئے نصوص ثابت ہے (۲) شرافت دو قسم کی ہوتی ہے (۱) شرافت نسبی (۲) شرافت کسبی۔ شرافت نسبی کا بڑا درجہ ہے مگر شرافت کسبی جس سے رزائل بشری کا دور کرنا اور محامد انسانی سے متصف ہونا مراد ہے۔ یہ چیز مخصوص ریاضت و مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے (۳) میری اولاد میں جو کوئی شراب خوار یا رافضی ہوگا اس کی نسل منقطع ہو جائے گی (۴) میری اولاد میں جو شادی میں ناچ رنگ کرے گا اس کا انجام رنج و غم کے سوا کچھ نہ ہوگا (۵) مخدوم صاحب کا زمانہ اور شیخ کمال الدین سعدی کاکوری کا زمانہ ایک تھا۔ شیخ سعدی کو جو کچھ ملتا خرچ کر ڈالتے اور کہتے "باسی بچے نہ کتا کھائے" مخدوم صاحب نے یہ سن کر فرمایا۔ کہ بہتر یہ ہے کہ باسی بچے اور کتا کھائے۔ کیوں کہ بچانے میں غیر کو نفع پہونچانا ممکن ہے۔ یہ امر باعث اطمینان بھی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ خشک روٹی کے ٹکڑے جیبوں میں رکھتے تھے۔ یہ امر توکل کے منافی نہیں۔ شیخ نظام الدین اور شیخ کمال الدین سعدی۔ دونوں کے مزارات کاکوری میں ہیں۔ اول الذکر کا مزار اچھی حالت میں ہے مگر آخر الذکر کے مزار پر ایک گنبد ہے کتبہ نہیں ہے بالکل کھنڈر ہو گیا ہے۔ اطراف میں بھینس والے بھینسیں رکھتے ہیں۔

۲۰۱

سلسلہ اول قادریہ

حسام الدین برہان پوری وفات ۹۶۰ھ

فرزند

شیخ القراء و شیخ المحدیث شیخ علاء الدین علی متقی

شاگرد
عبدالوہاب متقی

شاگرد دوم
حافظ شاہ محمد ابن فضل اللہ

(۳) قاضی القضاۃ مجد الدین طاہر بھوہرا ۹۸۶ھ

فرزند
شیخ الاسلام
وفات ۱۱۰۹ھ

فرزند
سراج الاسلام

فرزند
عبدالحق

فرزند
نور الحق

فرزند
محمد اکرم الدین
صوبیدار گجرات

شیخ حسین قادری
۱۰۱۳ھ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۱ھ

مولانا سلیمان
شاگرد

فرزند
نور الحق دہلوی
۱۰۷۳ھ

شاگرد
شاہ طیب بنارسی
۱۰۴۲ھ

فرزند
مولانا احمد بن سلیمان

مخدوم العالم شیخ نور الدین ۱۱۵۵ھ

خواجہ فضل اللہ

خواجہ فضیل

سلسلہ دوم قادریہ

شیخ القراء امیر سیف الدین قادری کاکوردی ۹۶۹ھ

فرزند

شیخ القراء مخدوم نظام الدین قادری وفات ۹۸۱ھ

خلیفہ
ملا عبدالرشید
حافظ و قاری

شاگرد
حافظ محب اللہ

فرزند
حافظ قاری شہاب الدین

خلیفہ
مرزا شمس الدین

فرزند
حافظ و قاری ملا عبدالکریم ۱۰۳۹ھ

فرزند
ملا عبدالقادر
ملا محمد اشرف
ملا محمد رضا

فرزند
ملا عزیز اللہ حافظ و قاری

ملا عظمت اللہ
زیب النساء کے استاد تھے

ملا عصمت اللہ
شیخ امین الدین
حافظ حفیظ اللہ
حافظ شاہ عزیز اللہ

حافظ معز اللہ
قاضی حافظ غوث علی
۱۳۵۴ھ
حافظ اولاد علی

حافظ غلام مجتبیٰ
علی حسین صدر الصدور ۱۲۸۲ھ
خان بہادر منشی تاج الدین ۱۲۹۵ھ
ای۔اے۔سی

ملا ضیاء اللہ
شیخ سیف الدین
حافظ غلام محمد

شیخ عبدالرحمٰن (عالمگیر کے زمانہ میں تھے)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو اگلا صفحہ ۱۵۷)

حافظ ملا محمد ماہ

ملا بدیع الزماں
شیخ محمد مسیح
مسیح الزماں خاں
شیخ غلام حسن
شیخ محمد غنی
شاہ کرامت علی قلندر

ملا محمد زماں
شیخ محمد غلام

شیخ غلام شاہ
حافظ سرفراز علی

شیخ غلام
شہید

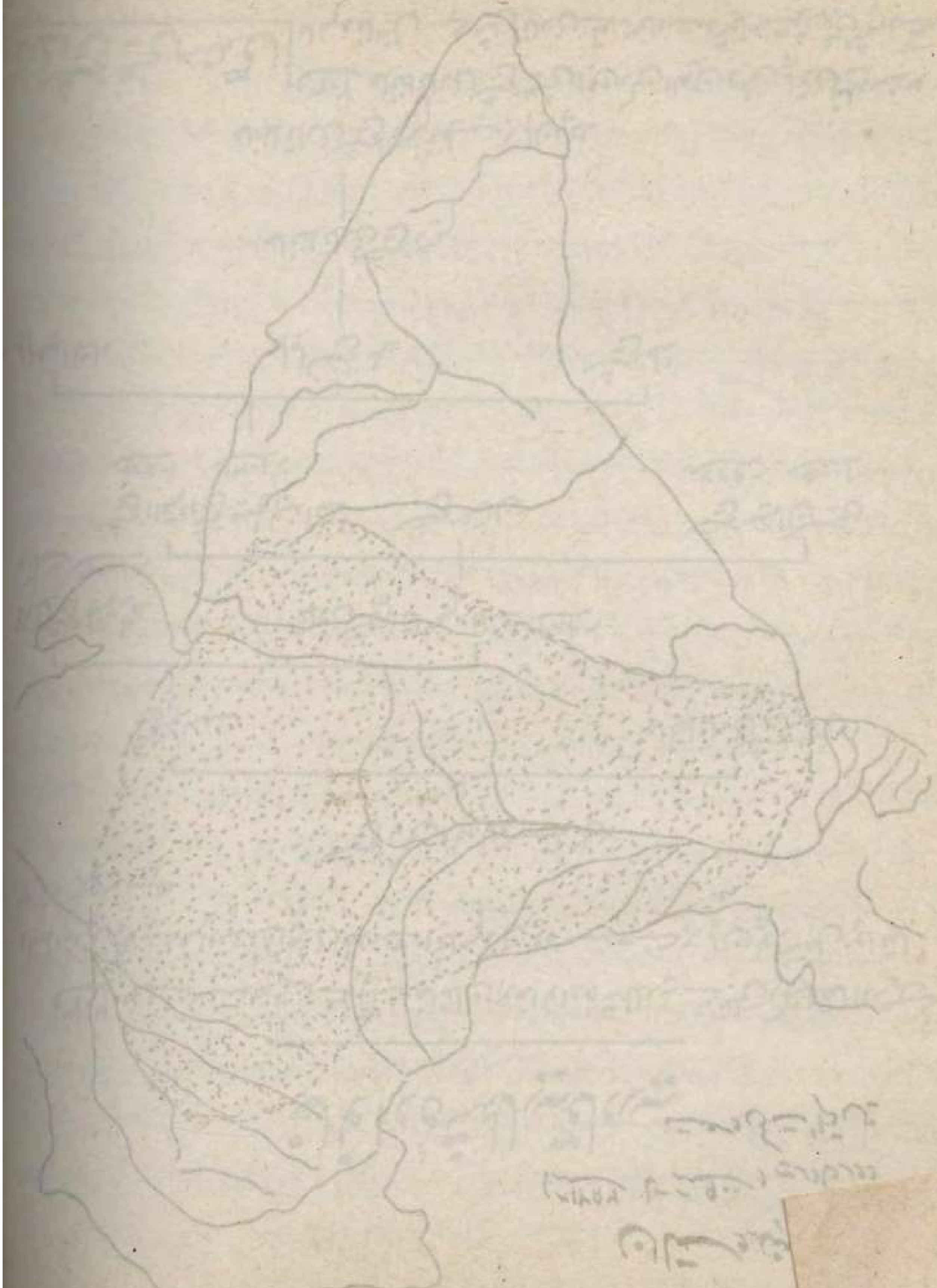

نقشہ ہندوستان

دور قادریہ (۹۰۰ھ تا ۱۲۹۶ھ)
میں قرأت کی وسعت

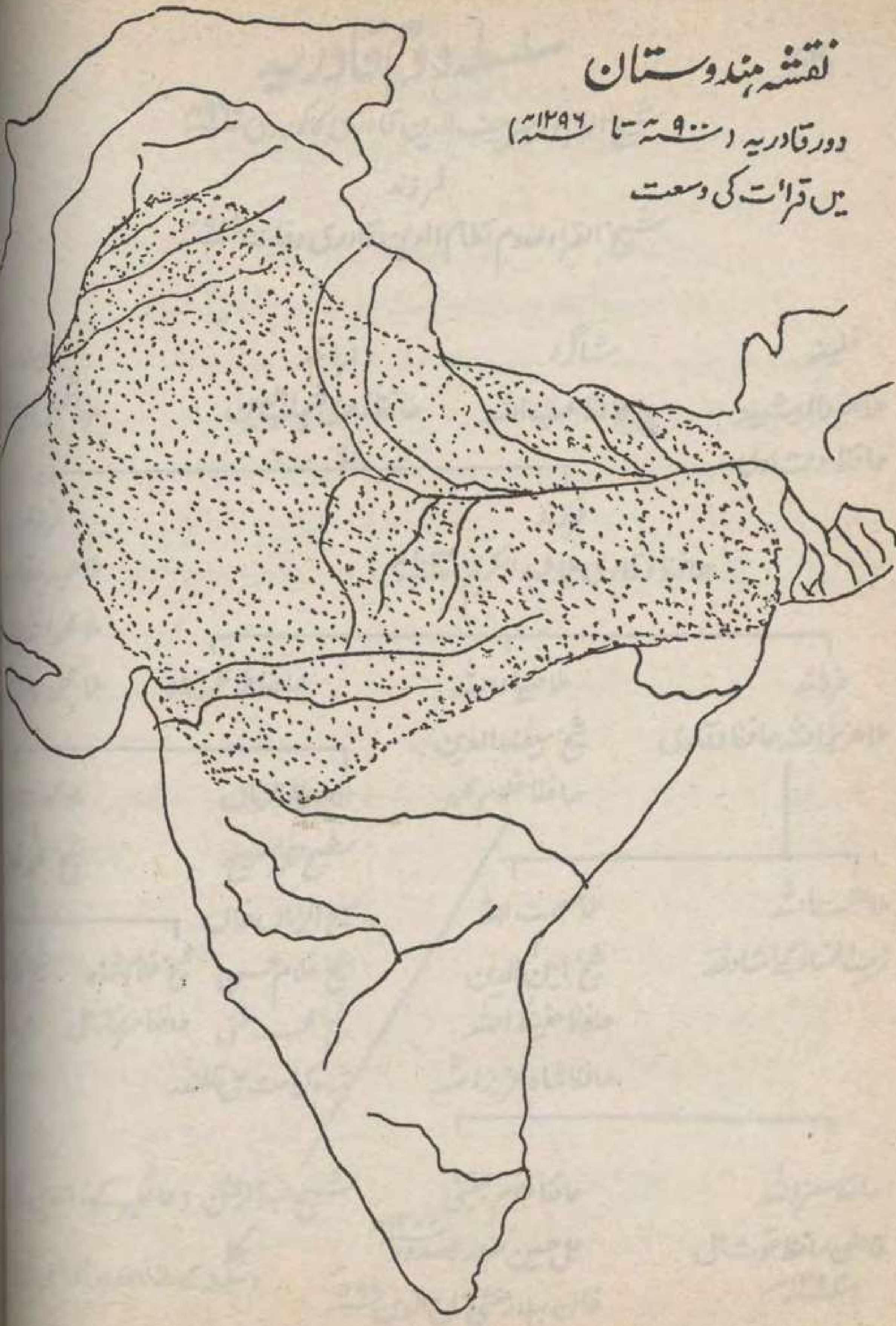

خانوادۂ شطاریہ قادریہ

۲۰۳ علمائے سندھ میں سے ایک خاندان جو خانوادۂ شطاریہ سے تعلق رکھتا تھا اور جس نے وسط ہند میں تجوید و قراءت کی بڑی خدمت انجام دی وہ سندھ سے برہان پور منتقل ہوا تھا، جس کا شجرہ یہ ہے

- شیخ رکن الدین سندھی
  - شیخ یوسف
    - قاری شیخ طاہر محمد وفات سنہ ۱۰۰۰ھ
    - قاری شیخ قاسم وفات سنہ ۹۸۹ھ
      - شیخ القراء شیخ عیسیٰ جند اللہ ۹۶۲ھ - سنہ ۱۰۳۱ھ
        - بابا عبدالستار
        - بابا فتح محمد
          - حافظ قاری شیخ رحیم
            - حافظ قاری شیخ رحیم خطیب برہان پور
        - شیخ طٰہٰ
      - شیخ عثمان
      - شیخ سلیمان سیفی ۹۶۶ھ - سنہ ۱۰۰۵ھ
  - حافظ قاری شیخ عیسیٰ

قاری شیخ عیسیٰ سندھی

۲۰۴ حافظ قاری شیخ عیسیٰ ابن رکن الدین وطن پاتری ضلع سندھ عالم و فاضل۔ بے مثل قاری تھے۔ سخاوت و شجاعت میں بھی مشہور تھے

آپ ابراہیم لودھی کے زمانۂ حکومت میں تھے۔ زیادہ حالات نہ معلوم ہوسکے [1]

قاری شیخ طاہر محمد سندھی

۲۰۵ف۔ شیخ طاہر محمد ابن شیخ یوسف ابن شیخ رکن الدین سندھی وطن۔ پاتری۔ سندھ۔ عالم وفاضل۔ اپنے چچا سے تجوید سیکھی جب ہمایوں کی آمد کی وجہ سے سندھ میں افراتفری پھیلی تو شیخ طاہر معہ اپنے قبیلہ کے ۹۵۰ھ میں پاتر سے روانہ ہوکر احمد آباد پہونچے۔ یہاں کچھ دنوں قیام کیا۔ ان دنوں حضرت محمد غوث گوالیاری احمد آباد آئے ہوئے تھے ان کی خدمت میں پہونچے اور مرید ہوگئے۔ حضرت نے ان کو خلافت عطا کی۔ احمد آباد سے روانہ ہوکر یہ قافلہ شہر ایلچ پور پہونچا۔ جو برار کا پایہ تخت تھا۔ تفاول خاں نے بڑی خاطر و مدارات کی۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوا۔ ۲۲ سال برار میں رہکر فیض پہونچاتے رہے۔ آپ کے چھوٹے بھائی شیخ قاسم کا انتقال یہیں ۹۸۱ھ میں ہوا۔ جب سلطنت برار کا نظام درہم برہم ہوا تو آپ ۹۸۲ھ میں معہ متعلقین برہان پور آگئے۔ یہاں محمد شاہ فاروقی نے بڑی آؤبھگت کی۔ شاندار محلات نذر کئے۔ غرض آپ کا درس برہان پور میں بڑے آب و تاب سے شروع ہوا۔ آپ کے درس میں بڑی دلکشی اور کیف پایا جاتا تھا۔ محمد شاہ فاروقی کے بعد راجے علی خاں نے بھی جو عادل شاہ کا لقب اختیار کرکے خاندیش کا حکمران ہوا۔ آپ کی بڑی خدمت کی اور عقیدت سے پیش آتا رہا۔ شیخ طاہر محمد کا انتقال ۱۰۰۴ھ میں ہوا۔ برہان پور میں دفن ہوئے۔ مزار شیخ القراء محمد عیسیٰ جند اللہ کے احاطہ میں ہے۔ یہ طاہر پٹنی سے مختلف ہیں۔ اس کی صراحت مصنف تذکرہ اولیائے سندھ نے اپنی کتاب میں کردی ہے۔ تفسیر مجمع البحار آپ کی تصنیف ہے مگر اب نایاب ہے۔

قاری شیخ قاسم سندھی

۲۰۶ف شیخ قاسم بن شیخ یوسف بن شیخ رکن الدین۔ شیخ طاہر کے چھوٹے بھائی تھے۔ شیخ قاسم اپنے برادر کلاں کے ہمراہ سندھ سے احمد آباد آئے۔ آپ شیخ بہاء الدین ملتانی کے مرید تھے۔ احمد آباد سے برار جاکر تفاول خاں کے مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ ۹۶۲ھ میں شیخ جند اللہ اور ۹۶۶ھ میں شیخ سلیمان سیفی پیدا ہوئے۔ ۹۸۱ھ میں بمقام ایلچ پور (برار) انتقال ہوا۔ وہیں دفن ہوئے۔ آپ نہایت تقویٰ شعار عبادت گزار اور متوکل تھے۔ شیخ طاہر محدث فرمایا کرتے تھے کہ "میرے بھائی شیخ قاسم کا مشرب صوفیانہ تھا۔ ان کی دلآویز گفتار اور پسندیدہ اطوار سے اخیار و ابرار کی علامتیں ظاہر تھیں۔"

---

[1] برہان پور کے سندھی اولیاء۔ تالیف سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری (صفحہ ۱۹)

حافظ وقاری ملا محمد اسمٰعیل ایلچ پوری

ف ۲۰۷ مدرسہ عماد شاہی کے ایک بابرکت بزرگ ملا محمد اسمٰعیل تھے یہ بڑے جید قاری اور بے مثل حافظ تھے۔ مشہور تھا کہ جو شخص آپ سے پڑھتا وہ جید حافظ و قاری ہوتا۔ صاحب تذکرہ اولیائے سندھ آپ کی تعریف میں لکھتے ہیں :۔

"تعلیم قرآن پاک کا فیض پھیلانے میں اس عہد میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے"

شیخ عیسٰی جند اللہ کو نو سال کی عمر میں اچھا قاری و حافظ بنا دیا۔ آپ نے مدرسہ عماد شاہی کی خدمت ۹۶۰ھ سے ۹۸۱ھ تک کی۔

شیخ القراء شیخ ابراہیم شطاری مرغ لاہوتی

ف ۲۰۸ آبائی وطن سندھ ہے۔ شیخ لشکر محمد عارف باللہ کے ممتاز خلیفہ ہیں۔ اچھے خوش نویس۔ عالم اور باطنی فضل و کمال سے آراستہ تھے۔ تجوید پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا۔ دل گداز آواز سے قرآن مجید پڑھتے تھے جس سے سننے والوں کو عجیب لذت و کیف حاصل ہوتا تھا۔ اہل طلب کو تجوید سکھایا کرتے تھے۔ شیخ لشکر محمد نے تجوید و قراءت آپ سے سیکھی تھی۔ جب غوث الاولیاء محمد غوث گوالیاریؒ احمد آباد آئے تو شیخ لشکر محمد معہ اپنے خلفاء کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے۔ غوث الاولیاء کو تجوید و قراءت سے بڑا شغف تھا۔ شیخ ابراہیم کی قراءت سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور تاکید کی کہ ہماری نمازوں میں قاری صاحب ہی امامت کیا کریں۔ آپ کی خوش الحانی سے متاثر ہو کر آپ کو "مرغ لاہوتی" کا خطاب دیا تھا۔ گیارہ سال احمد آباد میں امامت کی خدمت انجام دی۔ خانقاہ غوثیہ میں شیخ ابراہیم نے دیکھا کہ پیر اور دادا پیر دونوں عسرت میں ہیں۔ کتابت کے ذریعہ کما کر پیش کرنے کا خیال ہوا۔ مگر دیکھا کہ یہ آرام و عزت کا کام ہے۔ چنانچہ جنگل سے لکڑیوں کا بوجھ سر پر لا کر سالہا سال تک خانقاہ کے مصارف کی تکمیل کی۔

(ب) برہان پور کے بادشاہ میراں محمد شاہ فاروقی نے مولانا حافظ صدر سندھی کو شیخ ابراہیم کی خدمت میں بھیجکر استدعا کی کہ پردہ نشیناں حرم شاہی اصول تجوید سے قرآن کی تعلیم کے خواہش مند ہیں چونکہ آپ ضعیف العمر اور بہمہ صفات موصوف ہیں یہ ذمہ داری قبول فرمائیں۔ آپ نے یہ لطائف الحیل ٹال دیا۔ اور اپنی محنت شاقہ جاری رکھی۔ زندگی بھر نہایت سادہ۔ بے تکلف۔ متواضع۔ متوکلانہ اوقات بسر کی۔ اور اپنی وضع پر قائم رہے۔ لباس میں بھی شرعی ستر پوشی کی حد تک اہتمام رکھتے تھے۔ وفات ۹۹۱ھ میں ہوئی۔ مادہ تاریخ صاحب فیض ہے۔ شیخ ابراہیم کا

۹۹۱ھ

مزار ابن عمر کے مقبرہ کے پاس عادل پورہ برہان پور میں ہے۔
آپ کے شاگردوں میں شیخ عیسٰی جند اللہ اچھے قاری تھے۔

قاری شاہ لشکر محمد عارف شطاری

وفات ۲۰۹ آپ شاہ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ خاص ہیں۔ آپ کی ذات جامع کمالات تھی سنہ ولادت ۹۲۳ھ
ہے مرشد ہونے کے باوجود آپ نے تجوید و قراءت کی تکمیل اپنے مرید شیخ ابراہیم سے کی۔ اس کا ذکر صاحب
تذکرہ اولیائے سندھ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ آپ نے ستر سال کی عمر قناعت و ریاضت میں
تمام کی۔ صرف قوت لایموت حاصل کر کے اوقات عزیز عبادت میں صرف کرتے تھے شاہ عیسٰی جند اللہ آپ کے
کامل ترین خلفاء میں تھے۔
۹۹۳ھ میں بروز عید الفطر انتقال ہوا اور برہان پور میں دفن ہوئے۔ مزار بیرون شہر پناہ برہان پور
قریب عیدگاہ واقع ہے۔
(۲۰۹الف) آپ کی صاحب زادی بی راستی بی قاریہ و عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ حدیث کا درس دیا
کرتیں۔ کثرت سے لوگ سننے آتے تھے ان کا مزار بھی والد کے مزار کے قریب جانب شہر ہے۔

قاری حافظ مولانا شیخ طیب سندھی

وفات ۲۱۰ آپ کے والد کا نام شیخ مخدوم ہارونی وطن سندھ
شیخ مخدوم سندھ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ مولانا
غوثی لکھتے ہیں کہ:-
شیخ مخدوم کی ذات سے سندھ کی زمین روشن تھی۔ تمام اطراف آپ کی اولاد اور شاگردوں
سے منور ہے یہ جید قاری اور عالم تھے۔ ان کے فرزند شیخ طیب نے والد سے تجوید و دیگر علوم سیکھے۔
جب سندھ کی حالت ابتر ہوئی تو سندھ سے احمد آباد آئے اور وہاں سے شہر ایلچ پور کی طرف رخ
کیا۔ جہاں ان کے دوست محمد طاہر محدث پہلے سے مدرسہ عماد شاہی میں درس دیا کرتے تھے۔
محمد طاہر نے آپ کو بھی مدرسہ میں درس و تدریس میں لگا دیا۔ صاحب تذکرہ اولیائے سندھ لکھتے ہیں
شیخ طیب نے پہلے اپنے نامور عالم و فاضل والد سے علوم سیکھے۔ بعد ازاں حضرت ملا یونس متقی
کی شاگردی کی۔ جس شوق سے خود سیکھا تھا اسی شوق سے دوسروں کو بھی سکھلانے میں بھی حریص تھے
چنانچہ مسیح الاولیاء شیخ عیسٰی جند اللہ فقہ و کلام میں آپ کے شاگرد ہیں۔ خاندان عماد شاہی کے زوال کے
بعد فاروقی بادشاہ نے حضرت شیخ طاہر کے علاوہ آپ سے بھی برہان پور تشریف لانے کے لئے اصرار
کیا۔ آپ برہان پور جا کر دس سال تک درس و تدریس میں لگے رہے۔ ۱۰۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

شیخ ابراہیم ابن عمر سندھی کے حظیرے میں دفن ہوئے۔

حکیم شیخ عثمان بوبکانی قاری ہفت قرأت

وفات ۲۱۱ والد کا نام شیخ عیسٰی ابن شیخ ابراہیم سندھی مضافات سندھ میں ایک مقام بوبکان میں ولادت ہوئی۔ حصول علم کے لئے بوبکان سے احمد آباد گئے۔ مولانا وجیہہ الدین کے درس میں شریک ہوئے۔ تجوید و تفسیر۔ حدیث وفقہ کی تکمیل کی۔ پھر شیخ حسین بغدادی سے ریاضی و حکمت کی تکمیل کی۔ جملہ علوم میں فارغ ہونے کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ علمی فضائل و کمالات کا شہرہ نزدیک و دور پھیل گیا۔ ۹۸۳ھ میں برہان پور تشریف لائے۔ محمد شاہ ابن مبارک شاہ فاروقی نے عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ تدریس و فتویٰ نویسی کے اعلیٰ منصب پر آپ کو مامور کیا۔ زرخیز اراضی کا ایک موضع عطا کیا۔ ۲۷ سال آپ نے برہان پور میں درس دیا۔ تین بادشاہوں کے دورے گزرے سب نے قدر و منزلت کی۔ ۱۰۰۸ھ میں جب اکبر نے چڑھائی کی تو آپ اپنے موضع کو چلے گئے۔ نواح کے ڈاکوؤں نے مسلح ہو کر اس موضع پر تاخت کی مال و متاع لوٹ کر آپ کو اور آپ کے (۱۷) رفقاء کو شہید کر ڈالا۔ آپ تقویٰ شعاری اور عبادت گزاری میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ شیخ لشکر محمد عارف فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"حکیم کے مثل اطمینان اور فراغت قلب سے عبادت کرنیوالا مجھے نظر نہیں آیا"

شیخ طاہر فرماتے تھے کہ:۔

"جیسی شکستگی خاطر۔ عاجزی و گمنامی میں رہنے کی پسند حکیم کی ہے میں نے عالموں میں کسی میں نہیں دیکھی۔ چالیس سال کے اندر کسی گھر کا لقمہ نہیں کھایا۔ کمال پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کی۔" ۹۸۳ھ سے شیخ عیسٰی جند اللہ آپ کے درس میں شریک رہے۔ کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

شیخ القراء شیخ عیسٰی جند اللہ

وفات ۲۱۲ والد کا نام شیخ قاسم۔ ابن شیخ یوسف ابن شیخ رکن الدین مقام ایلچ پور (برار) میں ۵ ذی الحجہ ۹۶۲ھ بروز یکشنبہ پیدا ہوئے بڑے ذکی اور زود فہم تھے۔ مذہبی تعلیم کے ماحول میں آنکھ کھولی۔ حافظ و قاری ملا محمد اسمٰعیل سے نو سال کی عمر میں تجوید کے ساتھ حفظ کر لیا۔ دوسرے استاد آپ کے چچا شیخ طاہر محدث تھے۔ ان سے حدیث و فقہ قرات و تجوید و تصوف کی تکمیل کی۔ انیسویں سال میں والد کا انتقال ہوا۔ بیسویں سال آپ کے چچا آپ کو لے کر برہان پور آ گئے۔ آپ کو علم کا شوق تھا۔ طلب علم کے لئے آگرہ پہونچے۔ ۹۸۳ھ میں جب قاری سبعہ حکیم محمد عثمان بوبکانی برہان پور تشریف لائے تو آپ کے چچا نے خط لکھ کر آپ کو بلا لیا۔

حکیم قاری محمد عثمان سے آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ وقرأت سبعہ کی تکمیل کی۔ بعد ازاں شیخ مبارک سندی سے اصول فقہ وعلم کلام کی سند پائی۔ شیخ فتح اللہ شیرازی سے ریاضی وعروض سیکھی۔ پھر قاری شیخ ابراہیم سے تجوید وقرأت کی سند لی۔ اس کے بعد شیخ لشکر محمد عارف سے بیعت کی۔ اور ریاضت ومجاہدات میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ آپ کی شہرت دور دور پھیل گئی

(ب) عبدالرحیم خانخاناں آپ کے معتقدین میں سے تھا۔ دیگر امراء بھی نذرانے بھیجتے رہے۔ بتر... کی عمر میں ۵ ار شوال ۱۰۳۱ھ م ۳۱ راگست ۱۶۲۲ء کو برہان پور میں انتقال ہوا۔ وہیں دفن ہوئے۔ مزار پر ایک گنبد ہے جو اب بھی مرجع خلائق ہے۔ کسی شاعر نے آپ کی مدح میں یہ شعر کہا ہے ؎

دو عیسٰی ست فرخندہ در نسلِ آدم ؎ یکے ابنِ قاسم دوم ابن مریمؑ

(ج) مسیح الاولیاء کو قرآن مجید سے خاص رغبت وتدبر فی القرآن میں بڑا انہماک تھا۔ جید حافظ اور بے بدل قاری تھے۔ متعدد تفسیریں درساً پڑھی تھیں اور خود بھی ایک لاجواب تفسیر انوار الاسرار لکھی تھی۔ حیدر آباد سندھ کے کتب خانہ میں اس تفسیر کا ایک حصہ جو چند سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے، موجود ہے۔

تلاوت وسماعت قرآن ودرس وتجوید کا ذوق تھا کہ ہر روز بعد نمازِ عصر مسجد میں بیٹھ جاتے۔ اکثر حافظ وقراء حاضر ہوتے۔ اول آپ ایک رکوع تلاوت فرماتے۔ پھر کوئی اور قاری۔ غرض ایک ایک رکوع کی تلاوت کا دور مغرب تک جاری رہتا۔ یہ معمول آپ کے نظام الاوقات میں اس پابندی سے داخل تھا کہ اس میں سر مو فرق نہ آتا (تذکرہ اولیائے سندھ از سید محمد مطیع اللہ راشد)

قاری حافظ بابا فتح محمد محدث

۲۱۳ آپ کا نام عبدالرحمٰن۔ کنیت ابو المجد۔ والد آپ کو فتح ... پکارتے تھے وہی عرف عام میں مشہور ہو گیا۔ ولادت ۹۹۵ھ میں ہوئی آپ انتہائی ذہین وذکی تھے۔ والد سے جملہ علوم سیکھے۔ تجوید وقرأت وحفظ کی تکمیل کی پھر تفسیر حدیث وفقہ میں کمال حاصل کیا۔ عبادت گذاری۔ تصنیف وتالیف درس وتدریس میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا۔ انتقال سے ۱۶ سال قبل ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں عبادت میں مصروف رہے۔ ۱۰۸۰ھ میں انتقال ہوا۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ کے صاحبزادوں میں حافظ قاری شہاب الدین وحافظ قاری شیخ رحیم مشہور ہوئے۔

حافظ قاری حاجی شیخ شہاب الدین

۲۱۴ والد کا نام بابا فتح محمد ابن شیخ عیسٰی جند اللہ۔ ولادت ۱۰۳۱ھ۔ وطن برہان پور۔ آپ کی تعلیم وتربیت معقول طریقے پر

کم سنی میں حفظ و تجوید کی تکمیل کرلی۔ جب آپ سن شعور کو پہونچے تو حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی خلیفہ شیخ عیسیٰ جند اللہ نے اپنی خانقاہ کے قریب تعمیر کردہ مسجد میں آپ کو امامت پر مامور کردیا۔ آپ نے اپنے والد سے تجوید۔ و تفسیر و حدیث و فقہ کی تکمیل کی۔ شیخ برہان الدین راز الٰہی سے سلوک طریقت کی تکمیل کی اور تصوف میں انہیں کے نقش قدم پر چل کر ریاضات و مجاہدات کرتے رہے۔ ۱۰۶۴ھ میں والد کے ہمراہ حج و زیارت کو گئے۔ چار سال وہاں رہ کر ۱۰۶۸ھ میں واپس آئے۔ والد کی بڑی املاک تھی۔ اس کو والد کی وصیت کے مطابق تقسیم کیا۔ صاحب تذکرۂ اولیا و سندھ لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ کو فیاض ازل کی بارگاہ سے دینی و دنیوی سعادتوں کا وافر حصہ عطا ہوا تھا۔ عزت و دولت۔ روحانی عظمت کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے نیک اور نامور اولاد سے بھی آپ کو نوازا تھا۔ چار فرزند سعید و رشید عالم و فاضل مقبول انام ہوئے ہر ایک کو علوم نقلی و عقلی سے کامل بہرہ ملا تھا۔ مقامات سلوک طے کرانے کے بعد چاروں کو کچھ کچھ وقفے سے خلافت عطا کی۔ جو بعد ازاں سجادہ نشین ہوئے"

شیخ شہاب الدین کی وفات ۱۰۹۵ھ میں ہوئی۔

قاری حافظ شیخ رحیم **ف ۲۱۵** والد کا نام بابا فتح محمد محدث۔ وطن برہان پور۔ ولادت ۱۰۳۵ھ۔ والد کی تعلیم و تربیت سے پروان چڑھے۔ جملہ علوم عقلی و نقلی میں استعداد کامل بہم پہونچائی۔ حفظ و تجوید و قرأت جو گھرانے کے خاص امتیازی جوہر تھے ان کی بہ احسن وجوہ تکمیل کی۔ پھر تصوف کی طرف رجوع ہو کر ریاضات و مجاہدات کئے۔ درویش دوست اور تقویٰ اشعار تھے والد نے خانقاہ نشینوں کی تعلیم و تربیت پر مامور کیا تھا۔ صاحب تذکرۂ اولیائے سندھ لکھتے ہیں کہ "خاندانی علم و فضل کا سلسلہ آپ کی اولاد میں عرصہ دراز تک جاری رہا حفظ قرآن مجید علم قراءت جو مسیح الاولیاء (شاہ عیسیٰ جند اللہ) کے خاندان کا خاص جوہر ہے اس سے آپ کے سعید اخلاف خاطر خواہ بہرہ ور رہے۔ چنانچہ قاری عبدالرحیم کے پوتے جو آپ کے ہم نام تھے علوم قرآنی (حفظ و قراءت) پر عبور کے باعث جامع مسجد برہان پور کے خطیب مقرر کئے گئے تھے"

دورِ ششم عیدروسیہ

زمانہ از ۹۲۵ھ تا ۱۱۰۰ھ

مرکزی شخصیتیں (۱) سید شیخ عبداللہ العیدروس

(۲) محمد عرب

۲۱۶ و خاندان عیدروسی کا مولد و مسکن تریم (حضرموت) ہے جو عرب کے مشرقی ساحل پر وا
یہ خاندان علم و فضل میں بہت ممتاز تھا۔ تجوید و قراءت میں ماہر۔ اس خاندان کے کئی بزرگ براہ
بھڑوچ ہندوستان کے مغربی ساحل پر آئے۔ ان بزرگوں نے گجرات۔ احمد آباد۔ سورت۔ دکن۔
گولکنڈہ اور بیجاپور میں تجوید و قراءت۔ علم و تصوف کی اشاعت کی۔ ان میں قابلِ ذکر نام یہ ہیں

سید شیخ عبداللہ العیدروس حضرمی

۲۱۷ ولادت ۹۱۹ھ بمقام ریم۔ شہاب الدین ابن
اور شیخ عبداللہ بن محمد باقشیر سے حفظ و قرآن کی تکمیل کی
یمن گئے۔ وہاں سے عدن پہونچے۔ وہاں شیخ محمد بن عمر سے مختلف علوم کی تحصیل کی۔ وہاں سے
گئے۔ ۹۳۸ھ میں حج کیا۔ اس کے بعد شیخ ابوالحسن اکیلری سے قرات و علوم کی تکمیل کی۔ پھر چند
تریم میں رہے۔ ۹۴۱ھ میں دوسرا حج کیا۔ تین سال مکہ معظمہ میں رہکر شیخ شہاب الدین احمد بن
اور علامہ عبداللہ بن احمد الفاکہی اور ان کے بھائی عبدالقادر علامہ عبدالرؤف بن یحییٰ اور علا
بن الخطاب سے علوم سیکھے پھر تریم آکر تین سال رہے۔ ۹۵۸ھ میں ہندوستان آئے۔ عماد الملک
نام خط لاکر احمد آباد میں دیا۔ اس تعارف سے احمد آباد میں رہے۔ تیس سال تک درس و تدریس
رہے۔ رمضان ۹۹۰ھ میں احمد آباد ہی میں انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال کے بعد خلف رشید
بن شیخ ہندوستان آئے اور بھروچ میں مقیم ہوئے۔ ۱۰۲۴ھ میں انتقال ہوا۔ بھروچ میں دفن
سید شیخ کے دوسرے دو فرزند عبدالقادر العیدروس اور شیخ عبداللہ العیدروس تھے۔ عبدالقا
انتقال ۱۰۳۸ھ میں ہوا۔ احمد آباد میں دفن ہیں۔

و۲۱۸ ۔ شیخ کے تیسرے فرزند عبداللہ العیدروس کے چار فرزند تھے (۱) سید محمد العیدروس (۲) حبیب العیدروس (۳) حسین (۴) علی

سید محمد بن عبداللہ حضرمی شیخ کے پوتے تھے۔ دادا کی زندگی میں تشریف لاکر سورت میں بود و باش اختیار کی۔ وہیں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۰۳۰ھ میں وفات ہوئی۔ سورت میں دفن ہیں۔

حبیب العیدروس

و۲۱۹ حبیب العیدروس بن عبداللہ بن سید شیخ عبداللہ العیدروس ولادت تریم علاقہ حضرموت میں ۹۹۳ھ میں ہوئی۔ والد سے درسی کتابیں پڑھیں قرآن مجید حفظ کیا۔ فقہ کی تکمیل عبدالرحمٰن افضل سے کی ۱۰۱۶ھ میں حرمین شریفین گئے۔ شیخ کامل عراقی۔ شیخ عبداللہ وغیرہ سے استفادہ کیا۔ قرات کی بھی تکمیل کی۔ نو سال وہاں قیام کرکے ۱۰۲۵ھ میں ہندوستان آئے۔ ان کے چچا عبدالقادر پہلے سے احمد آباد میں موجود تھے۔ ان کے پاس ٹھہرے۔ ان سے خلافت لے کر دکن کی طرف آئے۔ احمد نگر میں قیام کیا۔ برہان نظام شاہ اور ملک عنبر سے ملاقات ہوئی۔ دونوں نے تواضع و تکریم کی۔ مگر احمد نگر میں جنگ و جدال ہونے کی وجہ سے آپ بیجاپور چلے گئے۔ ابراہیم عادل شاہ دوم حکمران تھا۔ وہ بڑے احترام سے پیش آیا۔ ادب کی کتابیں آپ سے پڑھیں۔ رفتہ رفتہ حضرت کا اتنا اثر ہوا کہ بادشاہ امامیہ مذہب ترک کرکے اہل سنت ہوگیا۔ حضرت کا یہ اثر امراء دربار کو ناگوار تھا وہ دشمن ہو گئے چنانچہ جب ۱۰۳۶ھ میں ابراہیم علی عادل شاہ کا انتقال ہوا تو آپ بیجاپور میں نہ رہ سکے۔ وہاں سے دولت آباد گئے۔ وزیر اعظم فتح خاں بن ملک عنبر نے آپ کی بڑی خدمت کی۔ آپ کا قیام تاحیات دولت آباد میں رہا۔ ۱۰۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ خلد آباد میں ملک عنبر کے گنبد سے باہر جانب جنوب و مشرق مدفون ہیں۔ قبر پر نام کا کتبہ بھی ہے۔ آپ کی وجہ سے بیجاپور میں اور پھر دولت آباد میں تجدید کو فروغ ہوا۔ (تذکرہ سلاطین دکن از عبدالجبار صوفی و روضۃ الاقطاب از رونق علی ۔ و نزہت الخواطر از عبدالحی)

و۲۲۰ ۔ عبداللہ کے دو فرزند حسین و علی تھے۔ حسین کے فرزند احمد اور ان کے دو فرزند تھے ابوبکر (متوفی ۱۰۴۵ھ) و عبداللہ متوفی (۱۰۷۳ھ) علی کے دو فرزند شیخ جعفر (متوفی ۱۰۶۴ھ) اور

تذکرہ اولیائے دکن از عبدالجبار صوفی ۔ و نزہت الخواطر از مولانا عبدالحی ناظم ندوۃ العلماء و یاد ایام از عبدالحی ناظم ندوۃ العلماء۔

شیخ نورالدین محمد (متوفی بہ ۹۶۵ھ) تھے۔ یہ سب تجوید و قراءت کے ماہر تھے۔ جہاں سے تجوید
کی اشاعت کی۔

۲۲۱ محمد عرب حضرمی

قاری محمد عرب حضرمی بھی تریم سے آکر علی عادل شاہ کے زمانے میں بیجاپور میں مقیم ہوئے۔ آپ تجوید و قراءت کے ماہر تھے۔ بیجاپور میں آپ کی بڑی آؤبھگت ہوئی۔ علی عادل شاہ نے آپ سے قراءت سیکھی۔ محمد عرب کا انتقال ۹۹۵ھ میں ہوا۔ قاضی ابراہیم کے مقبرے کے پاس مدفون ہیں۔

محمد عرب کے تین فرزند تھے (۱) مولانا عبدالقادر (۲) مولانا شیخ ابراہیم (۳) مقری حافظ عبدالغفور یہ تینوں بزرگ جید عالم و قاری تھے۔ مولانا شیخ ابراہیم سکندر عادل شاہ کے استاد رہے ہیں۔ حافظ عبدالغفور خوش الحانی میں شہرہ آفاق تھے۔ تجوید و قراءت کے ایسے ماہر تھے کہ لوگ دور سے حضرت کی قراءت سننے آتے تھے اور سیکھ کر فیض یاب ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک عرب حضرموت سے شہرت سن کر آیا اور حضرت کے پیچھے نماز عشاء پڑھی۔ حضرت نے سورہ ہود سنایا۔ عرب بے ہوش ہو کر گر پڑا اور روح پرواز کر گئی (تذکرہ اولیائے دکن از عبدالجبار صوفی)

جب بادشاہ عالمگیر نے بیجاپور فتح کیا تو حضرت سے مل کر اور آپ کی قراءت سن کر بہت محظوظ ہوا اور کہا کہ تمام بیجاپور میں حافظ عبدالغفور بے نظیر ہیں۔ آپ کی بے حد تکریم کی۔ اور اپنے ساتھ لے گیا۔ ان کی اقتدا میں نماز پڑھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عالمگیر آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا قراءت سے اس قدر متاثر ہوا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو حافظ صاحب سے شکایت کی کہ مولانا ایسا نہ پڑھئے کہ نماز میں خلل واقع ہو۔

سید شیخ عبداللہ العیدروس وفات ۹۹۰ھ

- سید احمد العیدروس — وفات ۱۰۲۴ھ
- عبدالقادر العیدروس — وفات ۱۰۳۸ھ
- عبداللہ العیدروس
  - سید محمد العیدروس — وفات ۱۰۳۰ھ
    - شاگرد
    - سید شریف ابوبکر بن حسین — وفات ۱۰۷۲ھ
    - بیجاپور
  - حبیب العیدروس — وفات ۱۰۶۱ھ
  - حسین
    - احمد
      - ابوبکر — وفات ۱۰۴۸ھ
      - عبداللہ ۱۰۷۳ھ
        - شیخ احمد — وفات ۱۰۷۳ھ
  - علی
    - شیخ جعفر — ۱۰۶۴ھ
    - شیخ نورالدین محمد — ۱۰۶۸ھ

محمد عرب حضرمی وفات ۱۰۹۵ھ

- شیخ ابراہیم
- عبدالقادر
- حافظ عبدالغفور

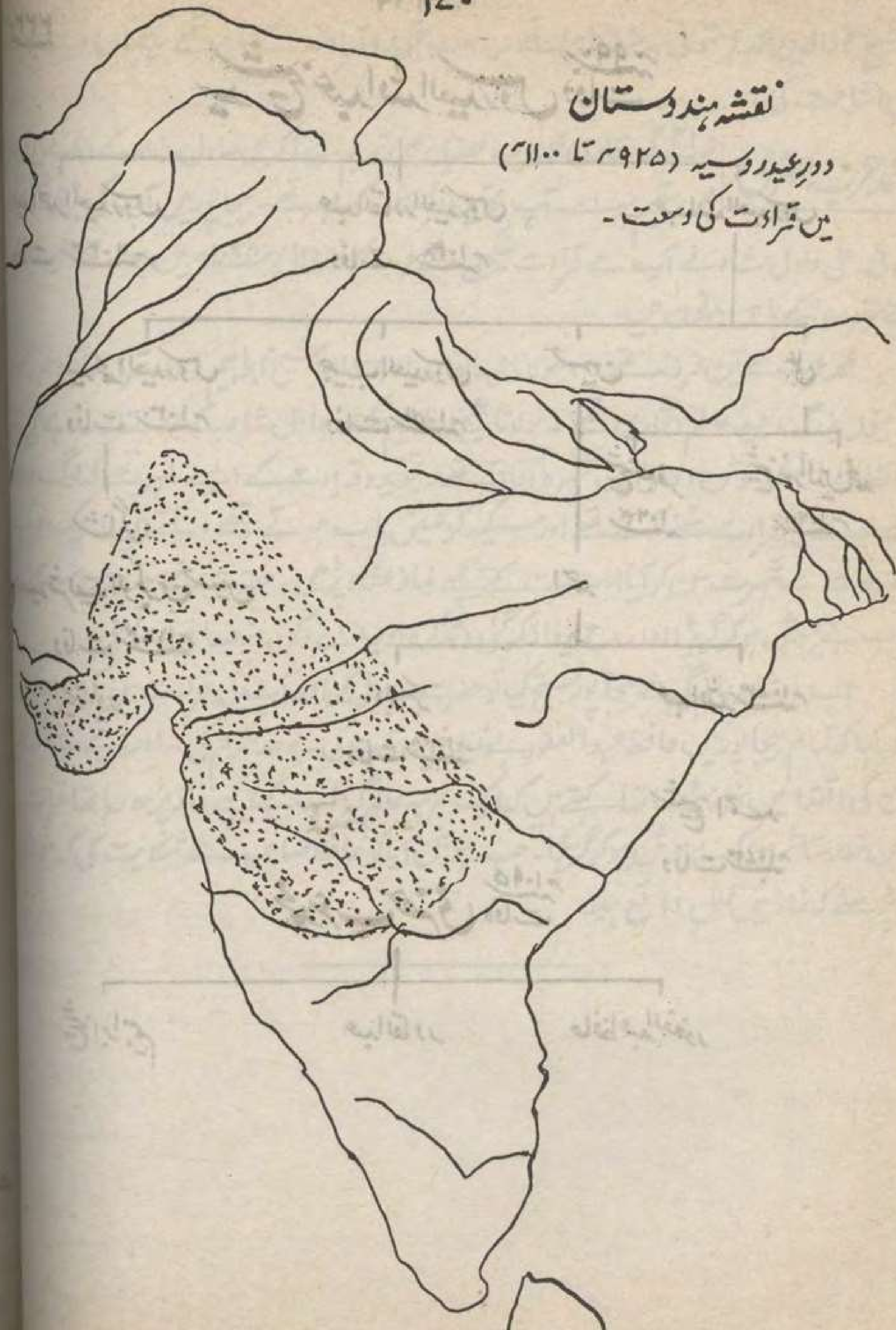

نقشہ ہندوستان

دورِ عیدروسیہ (۹۲۵ء تا ۱۱۰۰ء)
میں قراءت کی وسعت۔

دورِ ہفتم مجدّدیہ

زمانہ:- از ۱۰۰۰ھ تا ۱۲۰۰ھ

مرکزی شخصیت:- شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

۲۲۳ یہ دور حضرت رضی الدین احمد باقی باللہ سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کابل کے رہنے والے تھے۔ ۹۷۱ھ میں ولادت ہوئی۔ خاندان صاحب ثروت تھا ناز و نعمت میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد سمرقند گئے۔ وہاں تجوید و قراءت۔ تفسیر و حدیث و فقہ کی تعلیم پائی پھر دہلی آئے۔ مولانا قطب عالم دہلوی کے پاس علوم کی تکمیل کی۔ مولانا نے فرمایا کہ

"تمہارا حصہ بخارا میں ہے"

وہاں جا کر خواجہ امکنگی نقشبندی سے جو اس وقت مقتدائے وقت تھے بیعت کی۔ پھر مجاہدات شروع کئے۔ رات دن اسی میں منہمک رہتے۔ کھانا اور سونا برائے نام تھا۔ صبح ہوتی تو آپ کو ایک گونہ بار ہوتا۔ اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے کہ

"بار الٰہا یہ کیا ہوا کہ رات اتنی جلد گزر گئی ابھی تو میری حسرت پوری نہیں ہوئی اور مجھے سیری نہیں ہوئی بہر کیف تیری مرضی۔ پھر رات کے سناٹوں کا انتظار کروں گا۔"

معمول یہ تھا کہ صبح کے فرض اور سنتوں کے درمیان ۴۱ بار سورۂ مزمل پڑھتے نماز کے بعد سورۂ یٰسین پھر تلاوتِ قرآن میں مصروف ہو جاتے۔ اشراق سے لے کر چاشت تک نہایت ذوق و شوق سے دوبارہ قرآن شریف پڑھتے۔ چاشت کے بعد حاجت مندوں اور غریبوں کی سنتے ان کی مدد کرتے۔ ظہر کے بعد نوافل میں مصروف ہو جاتے۔ تھوڑی دیر لوگوں سے گفتگو کرتے۔ پھر عصر کی نماز پڑھتے۔ مغرب تک درود پڑھتے رہتے۔ مغرب کے بعد مریدین کی تربیت و تعلیم میں مصروف ہو جاتے۔ عشا کی نماز تک یہی سلسلہ جاری رہتا۔ اس وقت فیضان و نورانیت کا عجیب عالم ہوتا۔ خانقاہ میں بھی بڑی رونق ہوتی۔

و۲۲۴۔ خرقۂ خلافت عطا کرنے کے بعد شیخ نے آپ کو دہلی روانہ کیا تھا۔ جہاں آپ کی خا
تصوف و روحانیت کا ایک مرکز اور عظیم الشان ادارہ بن گئی تھی۔ خانقاہ کے ایک حصے میں ا
عظیم الشان مدرسہ تھا۔ جہاں ہمہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ مدرسہ میں کئی ہزار طلبا زیر تعلیم رہا کر
(۳) مدرسہ سے بڑے بڑے نامور علما و پیدا ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں سے حضرت شیخ ا
سرہندی مجدد الف ثانی اجل خلیفہ تھے۔ خواجہ باقی باللہ کی وفات ۱۰۱۲ھ میں ہوئی۔ مزار د
میں قدم شریف کے پاس ہے۔ خواجہ کلاں آپ کے بڑے صاحب زادے تھے۔ جو بڑے عابد ز
عالم و فاضل تھے۔ والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے انتقال کے بعد اسی احاطے میں والد کی قبر
شمال و مغرب کی جانب دفن ہوئے خواجہ خُرد چھوٹے صاحب زادے تھے۔ علوم ظاہری و با
کے جامع تھے۔ ۱۰۷۴ھ میں وفات ہوئی۔ والد کی قبر سے جنوب کی جانب دفن ہوئے۔ خوا
حسام الدین حضرت باقی باللہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ۱۰۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ مزار جانب جنوب
واقع ہے۔ (مفتاد اولیا۔ از شاہ مراد سہروردی و اولیائے صوبہ دہلی از رکن الدین نظامی)

حافظ مقری حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح

و۲۲۵ والد کا نام مخدوم عبد الاحد
شیخ زین العابدین بن شیخ عبد الحی

نسب اٹھائیس سلسلوں سے حضرت عمرؓ بن الخطاب تک پہونچتا ہے۔ ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ
ہوئی کم عمری میں حفظ و تجوید کی تکمیل کی۔ والد سے علوم سیکھے۔ پھر سیالکوٹ جاکر مولانا کمال کشمی
جو عابد و زاہد و علامہ روزگار تھے علوم کی تکمیل کی۔ مولانا یعقوب کشمیری جنہوں نے حرمین سے سند
کی تھی، حدیث کی سند حاصل کی۔ علوم قرآنی و تجوید قراءت قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل
غرض سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر والد کی حضوری میں طالب علموں کو پڑھانا شروع کیا
رات دن درس و تدریس کا مشغلہ تھا۔ تصوف کے اشغال و اذکار بھی جاری تھے۔ آپ کے والد
سہروردیہ چشتیہ میں عبد القدوس گنگوہی کے خلیفہ تھے ان سے خرقہ لیا۔ والد کے انتقال کے بعد بہ ارا
دہلی پہونچے۔ حضرت باقی باللہ سے ملاقات ہوئی۔ مرید ہوکر سلسلہ نقشبندیہ کے اذکار و مراقبات
کئے۔ ۱۰۰۹ھ میں خلافت ملی۔ ۱۰۱۰ھ میں مجدد ہوئے۔ ۱۰۱۲ھ میں حضرت باقی باللہ کی وفات

لہ مجدد صاحب کے مکتوبات حقائق و معارف اور نصائح دینیہ کا مجموعہ ہیں چند اقوال بطور نمونہ درج ہیں
۱۔ شرع ظاہر کے احکام کو شریعت کہتے ہیں اور شریعت کی حقیقت کو حقیقت کہتے ہیں۔ شریعت سے حقیقت

(بسلسلہ صفحہ ۱۷۲) پہونچنے کی راہ طریقت ہے۔ اتباع شریعت مقدم ہے۔ ریاضت و مجاہدات میں جوگیوں نے کمی نہیں کی مگر بے سود۔ زکوٰۃ میں ایک درم دینا ہزاروں دیناروں سے بہتر ہے۔ عید الفطر کے دن کھانا کھانا کئی سال روزے رکھنے سے بہتر۔ صبح کی نماز باجماعت ادا کرنا تمام رات نفل میں قیام سے بہتر ہے

(۲) جو شخص خدائے تعالےٰ کے احکام بجا نہیں لاتا وہ یا تو شرعی الہام کو جھوٹ جانتا ہے یا خدائے تعالیٰ کی عظمت شان کو دنیا داروں کی عظمت وشان سے حقیر تر جانتا ہے

(۳) کلمہ طیبہ شریعت۔ طریقت و حقیقت کا جامع ہے۔

(۴) کام کا وقت جوانی کا زمانہ ہے۔ آج کا کام کل پر نہ ٹالنا چاہئے۔ عمر کا بہتر حصہ ہوا و ہوس میں گزر گیا اور خدا تعالیٰ کے دشمنوں کی رضامندی میں بسر ہوا اور عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے اگر آج ہم اس حصے کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف نہ کریں اور اشرف کی تلافی ارذل سے نہ کریں اور تھوڑی محنت کو ہمیشگی کے آرام کا وسیلہ نہ بنائیں اور تھوڑی سی نیکیوں سے بہت سی برائیوں کا کفارہ نہ کریں تو کل کونسا منہ لے کر خدا تعالےٰ کے روبرو جائیں گے اور کیا حیلہ پیش کرینگے

(۵) دنیا کو آخرت کی کھیتی بتایا ہے وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو سب کا سب بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں نہ ڈالے اور ایک دانے سے سات سو دانے نہ بنائے۔

(۶) ترک دنیا سے مراد ناپسندیدہ اور فضول چیزیں ہیں جو راستے کا حجاب بن جاتی ہیں جو چیزیں پسندیدہ اور ضروری ہیں ان کا ترک کرنا بھی ناپسندیدہ اور راہ کی رکاوٹ ہے۔ کھانے پینے لباس و مکان کی جو ضروری چیزیں ہیں ان کو آدمی کے لئے ضروری کر دیا گیا ہے اگر ان سب کے وسائل کو ترک کر دے تو دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے اور طمع کرنے لگتا ہے یہ دونوں باتیں معصیت ہیں اور ہلاک کرنے والی جس طرح فضولیات کی طلب فساد کی جڑ ہے۔ اسی طرح ضروریات کا ترک کرنا بھی فساد ہے۔ جس میں بڑی معصیت اور آفت ہے۔ پس مومن کے لئے ضرورت کے موافق حاصل کرنا جائز ہے ؎

بہ دنیا توانی کہ عقبیٰ خری ؎ بخر جان من ورنہ حسرت بری (نقشبند)

(۷) جس طرح انسان جمعیت باطنی کا محتاج ہے اسی طرح جمعیت ظاہری کی بھی اسکو حاجت ہے بلکہ یہ احتیاج مقدم ہے۔ تمام مخلوقات میں زیادہ محتاج انسان ہے۔ اس کے احتیاج کی یہ زیادتی اس کی جامعیت کے سبب سے ہے جو کچھ سب کے لئے درکار ہے وہ اس اکیلے کے لئے درکار ہے اور جس جس چیز کی اسے احتیاج ہے اس سے تعلق خاطر بھی ہے پس انسان کے تعلقات سب سے زیادہ ہیں اور ہر ایک تعلق اللہ تعالےٰ سے روگردانی کا باعث۔ پس اس لحاظ سے مخلوقات میں سب سے زیادہ محروم انسان ہے اور مخلوقات میں سے اس کے افضل و اشرف ہونے کی وجہ بھی

سنت کے مطابق کرتے۔ آپ کے حالات میں مذکور ہے کہ اوقات نماز و مراقبات کے حلقے کے بعد آپ اکثر کسی قاری سے قراءت سنا کرتے اور ظہر کی نماز کے بعد تلاوت میں مشغول رہتے۔ آپ کی تلاوت تکلف اور تعسف سے پاک ہوتی اور سننے والے کے دل پر اثر کرتی۔

(ب) شیخ الاسلام مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کو مجدد صاحب سے سخت عداوت تھی ایک روز آپ کو خواب میں دیکھا کہ آیات قرآنی تلاوت کر رہے ہیں غور سے سنا تو آپ کی قراءت کی دل آویزی سے اتنے متاثر ہوئے کہ بے چین ہو گئے۔ آنکھ کھلی تو دل کو ذاکر پایا۔ چند روز تک برابر ذکر جاری رہا۔ اس کرامت کو دیکھ کر آپ سے عقیدت ہو گئی۔ حاضر خدمت ہو کر ۱۰۲۲ھ میں بیعت کر لی۔

(ج) ۱۰۳۱ھ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ سے ملنے آئے

(د) وفات بروز چہارشنبہ ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ بوقت اشراق واقع ہوئی۔

(بقیہ سلسلہ ۱۷۳) یہی جامعیت ہے اس لئے کہ اس کا آئینہ پورا اور کامل ہے اور اس جہت سے تمام مخلوقات سے بہتر ہے اور وہ بہتری بالقوہ ہے۔ بالفعل بہتر ہونا اس کا اختیاری ہے۔

(۸) اول عقائد کو کتاب وسنت کے مطابق درست کریں دوسرے احکام شرعی از قسم حلال وحرام فرض وواجب حاصل کریں۔ تیسرے اس علم کے مطابق عمل کریں چوتھے تزکیہ وتصفیہ کریں جو طریقہ صوفیائے کرام سے مخصوص ہے۔ جب عقائد درست نہ ہوں گے احکام شرعیہ کا علم کچھ نفع نہیں دیتا جب تک دونوں متحقق نہ ہوں عمل نفع نہیں دیتا اور جب تینوں حاصل نہ ہوں تصفیہ وتزکیہ کا حاصل کرنا محال ہے اور یہ چار رکن کامل کرنے والے ہیں باقی سب فضول۔

(۹) طہارت ظاہری پانی سے ہوتی ہے يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ اور طہارت باطنی قرآن سے۔ قرآن پانی ہے اور قلوب جنگل۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا۔ بقدر استعداد ہر شخص نے حصہ لے لیا۔ پس پانی مطہر ہے اور قرآن مطہر ان کے قائم مقام کوئی دوسری چیزیں نہیں۔ پانی ظاہر کو پاک کرتا ہے اور قرآن باطن کو شیطان کی نجاست کو دونوں دور کرتے ہیں۔ نیند غفلت ہے اور منجانب شیطان جس نے پانی کا استعمال کیا اور قرآن پڑھا اس نے دو مطہر چیزوں کو اکٹھا کیا جس سے شیطان کی پلیدی دور ہوتی ہے۔ ان میں قلب کو روشن کرنے کی تاثیر ہے۔ ابوحنیفہؒ نے قہقہہ لگانے کے بعد تجدید وضو کا حکم دیا ہے تاکہ شیطان کی ناپاکی دور ہو اگر حوادث وعوارض پیش آئیں یا ضعیف ہو تو غسل کرنا قلب کی تنویر کیلئے موثر ہوگا۔ سزاوار ہوگا اگر ہر بندہ ہر نماز کے لئے غسل کرے انابت اور توبہ کے بعد غسل کرنا باطن کے فرز... کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حرج وتنگی کو دور کر دیا اور وضو کو غسل کا معاوضہ کر دیا مگر خواص جو اہل عزیمت ہیں ایک ... ان کے لئے ان کے باطنوں سے بہت مطالبے ہیں۔

مجدد صاحب کے اہم کام

۲۲۷ (۱) اکبر کے زمانے میں جو بے دینی پھیل گئی تھی اس سے حکومت کا رخ اسلام کی طرف پھیرا۔

(۲) علمائے اسلام جو عرصہ دراز سے قرآن و حدیث کے مطالعہ سے غافل ہو گئے تھے۔ ان کو اس طرف رغبت دلائی۔

(۳) تصوف اور صوفیوں کے نظریات میں انقلاب پیدا کر دیا۔

(۴) مسئلہ وحدت الوجود پر جرح و قدح کی۔

(۵) اتباع سنت پر زور دیا۔

(۶) سلوک و تصوف میں بہت سے مقامات کو تفصیلی طور پر بیان کیا اس طرح سلوک کے حدود کو وسعت دی۔

(۷) مسلمہ نظریہ تصوف میں اس حد تک بنیادی اختلاف کیا کہ ولایت اور نبوت دونوں بہ اعتبار ماہیت ایک دوسرے سے مختلف ہیں یعنے ان کے درمیان مدارج کا نہیں بلکہ نوعیت کا فرق ہے۔

(۸) مسلمانوں کے لئے سلوک تصوف نہیں بلکہ دین ہی ایسی حقیقت ہے جو ناگزیر ہے (مکتوب ۴۸) حضرت کی صلائے دعوت یہ تھی کہ "بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست۔ اس تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ سلوک تصوف۔ علم دین (یعنے علم ظاہر) اور علم باطن کا رخ سنت نبویؐ کی جانب پھر گیا۔

(۹) تصوف سے غیر اسلامی اثرات کو علیحدہ کیا تاکہ سلوک براہِ راست حضور اکرمؐ سے اخذ کیا جائے۔

(۱۰) بہتر فرقے ہونے کی بھی یہی وجہ بتائی کہ جو کچھ انہوں نے اپنی طرف سے تجویز کیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو محمد رسول اللہ سے وابستہ کر دیں۔ عقائد و اعمال میں کتاب و سنت کے مطابق ہو جائیں۔ اس طرح ملت اسلامی سے افتراق رفع ہو جائے گا۔

۲۲۸ آپکے صاحبزادوں میں حافظ محمد سعید (جو حفظ و قراءت میں اورنگ زیب کے استاد تھے) حافظ قاری خواجہ معصوم۔ قاری خواجہ محمد یحییٰ عرف خواجہ جیو۔ خلفاء میں قاری شیخ طاہر لاہوری۔ خواجہ میر نعمان سمرقندی قاری شیخ بدیع الدین۔ حافظ قاری محمود گجراتی۔ شیخ آدم بنوری۔ انکے خلیفہ شیخ القراء سید عبداللہ راوی حفت قرات (استاد شاہ عبدالرحیم) یہ سب جید قاری تھے۔ نور الدین محمد آفتاب کشمیری جو خواجہ نظام الدین کے فرزند تھے اسی سلسلے کے بزرگ تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں۔ شاہ غلام علی صاحب بھی جن کا زمانہ ایک صدی بعد آتا ہے ماہر قراءت تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی وفات ۱۰۱۲ھ

- حافظ محمد حسن دہلوی
- مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی ۱۰۳۴ھ
  - فرزند: شیخ محمد صادق
  - فرزند: شیخ محمد سعید ۱۰۷۰ھ
  - خلیفہ: شیخ آدم بنوری ۱۰۵۳ھ
    - خلیفہ: سید عبدالرحمٰن
    - خلیفہ: شیخ القرا سید عبداللہ
      - شاہ عبدالرحیم ۱۱۳۱ھ
        - شاہ ولی اللہ ۱۱۷۶ھ
    - خلیفہ: شیخ عبدالخالق حضوری ۱۰۸۶ھ
  - فرزند: خواجہ محمد معصوم ۱۰۷۹ھ
    - خلیفہ قاری حافظ احمد
    - فرزند شیخ سیف الدین
      - نور محمد بدایونی
        - مرزا مظہر جانجاناں ۱۱۹۱ھ
          - شاہ غلام علی ۱۲۴۰ھ
            - قاری نسیم
            - شاہ ابو سعید
              - عبدالرشید ۱۲۸۷ھ
              - شاہ محمد عمر ۱۲۹۰ھ
                - شاہ ابوالخیر ۱۳۴۰ھ
                  - شاہ ابوالحسن زید
          - شیخ ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۱۶ھ
          - شیخ احمد ... فرزند شیخ شنا ... ۱۱۹۸ھ
  - فرزند: خواجہ محمد یحییٰ عرف خواجہ جیو
  - خلیفہ: قاری شیخ طاہر
  - خلیفہ: قاری شیخ بدیع الدین
  - حافظ محمود گجراتی
  - خواجہ ... سمرقندی
- سید شمس الدین یحییٰ

نقشہ ہندوستان
دور مجددیہ (سنہ ۱۰۰۰ھ تا سنہ ۱۲۰۰ھ) میں
قرات کی وسعت

باب ہفتم (دوسرے سات ادوار)

دور ہشتم منوفیہ

زمانہ :- ۱۰۵۰ھ تا ۱۲۰۰ھ ہجری

مرکزی شخصیت :- شیخ القراء عبد الخالق منوفی الازہری (مصری)

وا۲۳۱۔ شاہ جہاں کے عہد حکومت میں ایک جید قاری۔ صاحب سلسلہ عبد الخالق منوفی قاری ہفت قرات جو جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل اور شمس الدین محمد بن اسمٰعیل المقری کے شاگرد تھے۔ ۱۰۵۰ھ میں دہلی آئے۔ شاہ جہاں نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اور احترام سے رکھا۔ بادشاہ کی سرپرستی سے دہلی قراءت کا مرکز بن گیا۔ متعدد علماء و فضلاء نے شیخ القراء سے تجوید کا درس حاصل کیا۔ پرانے قراء نے تجدید سلسلہ کے لئے آپ کی شاگردی اختیار کی اورنگ زیب کے زمانے تک آپ دہلی میں مقیم رہے یہ سلسلہ دہلی اور پانی پت میں تقریباً دو سو سال تک جاری رہا۔ کہتے ہیں کہ دہلی میں اس زمانے میں مسجد خانقاہوں۔ مدرسوں اور مکانوں سے صبح کے وقت روزانہ تلاوت ہی کی آوازیں بلند ہوتی رہتی تھیں جدھر جائیے خوش الحانی سے تلاوت کی آوازیں سنائی دیتیں۔ دلوں کو عجیب کشش ہوتی تھی۔ حضرت کے تلامذہ میں ممتاز قراء کے نام یہ ہیں :-

(۱) قاری حافظ عبد الغفور دہلوی

(۲) قاری حافظ محمد فاضل ٹھٹھی ثم دہلوی

(۳) قاری حافظ عبد الرسول دہلوی۔

ان کے بعد آنے والے حافظ غلام محمد گجراتی ثم الدہلوی

(۴) قاری حافظ عبد السلک بن نواب حبش خاں۔ پھر قاری حافظ غلام مصطفٰے ابن شیخ محمد۔

پھر مولانا حافظ شاہ عبدالمجید المعروف بہ صوبۂ ہند۔ پھر مولانا حافظ محمد المعروف بہ مولانا کرم اللہ دہلوی اور قاری حافظ قادر بخش اور قاری حافظ محمدی ابنائے خواجہ خدا بخش۔ پھر مولانا حافظ مرزا محمد بیگ دہلوی اور قاری حافظ سید امام الدین امروہی نقش بندی اس سلسلے میں ہوئے۔

و۲۳۲ قاری حافظ عبدالرسول صاحب سے حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ نے قرات سبعہ سیکھیں۔ غرض شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے زمانہ میں دہلی اور پانی پت میں اکثر و بیشتر قراء شیخ القراء عبدالخالق منوفی ہی کے شاگرد تھے۔ حضرت کی شخصیت بڑی اثر انداز رہی۔ بعض گجراتی اور بنگالی بھی حضرت سے مستفید ہوئے۔ حضرت کے شاگردوں کے شاگرد محمد شاہ اور شاہ عالم کے زمانے میں بھی پائے جاتے تھے۔

و۲۳۳۔ شیخ القراء عبدالخالق منوفی علامہ الجزری کی کتاب النشر کا ایک قلمی نسخہ اپنے ساتھ لائے تھے جو ۸۳۲ھ ہجری میں لکھا گیا تھا۔ کاتب کا نام شریف الدین بن محی الدین محمد شیرازی احمدی ساکن منصورۂ مصر جامع فرج بن مرقوق ہے۔ کاتب نے اس نسخے کی یہ خصوصیت بیان کی ہے۔ یہ مصنف کے اصل نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کی جلد ۱۲۱۴ھ کی بنی ہوئی چرمی ہے۔ اور بہت خوبصورت ہے۔ اس پر یہ مصرعے لکھے ہیں:۔

إِنَّ الْيَتِيمَ يَتِيمُ الْعِلْمِ وَالْأَدَبِ — لَيْسَ الْيَتِيمُ الَّذِي قَدْ مَاتَ وَالِدُهُ

إِنَّمَا فَخْرُنَا بِالْعِلْمِ وَالْأَدَبِ — مَا كُنْتُ مُفْتَخِرًا بِالْمَالِ وَالنَّسَبِ

یہ قلمی نسخہ اس وقت حیدرآباد اسٹیٹ لائبریری میں موجود ہے۔ بڑا بابرکت تحفہ ہے جو شیخ القراء ہندوستان میں چھوڑ گئے۔

شیخ القراء عبدالخالق منوفی

- شاگرد: حافظ قاری عبدالغفور دہلوی
  - حافظ غلام محمد
    - حافظ غلام مصطفیٰ
      - حافظ شاہ عبدالمجید (صوبہ ہند)
        - حافظ مولانا کرم اللہ دہلوی
          - حافظ مرزا محمد بیگ دہلوی
- شاگرد: حافظ عبدالرسول دہلوی
  - مرزا مظہر جان جاناں دہلوی
    - قاری شاہ غلام علی دہلوی
      - قاری حافظ شاہ ابوسعید
        - قاری شاہ احمد سعید
          - قاری شاہ محمد عمر
            - قاری حافظ ابوالخیر
- شاگرد: حافظ محمد فاضل ٹھٹھی ثم [illegible]
  - ٥
    - ٥
      - قاری حافظ خدابخش
        - قاری حافظ قادر بخش
          - رحیم النساء
            - قاری نجیب اللہ
        - قاری حافظ شاہ محمد
          - قاری عبداللہ
            - حافظ خواجہ خلیل اللہ
          - قاری حافظ عبدالرحمن
            - قاری عبدالسلام
          - قاری [illegible]
        - قاری حافظ [illegible]

نقشہ ہندوستان

دورِ صوفیہ (۱۰۵۰ء تا ۱۲۰۰ء) میں

قراءت کی وسعت

دورِ نہم عنایت اللٰہی

زمانہ :- از ۱۰۶۰ھ تا ۱۳۰۰ھ

مرکزی شخصیتیں :- سیّد شاہ عنایت اللہ بالاپوری

۲۳۵ یہ دور سید شاہ عنایت اللہ سے شروع ہوتا ہے اور پشت ہا پشت تک تجوید ا
نقشبندی کی خدمت کے لئے ممتاز رہا۔ اس خاندان نے بالاپور اور برار میں قراءت کا بڑا اچھا
پیدا کر دیا۔ شمال میں برہان پور۔ اور جنوب میں اورنگ آباد آپ کی خدمت سے فیض یاب ہو
آپ کی اولاد میں متعدد زبردست قراء گزرے۔ ناصر الدولہ کے زمانہ تک برابر کام کرتے رہے
خاندان کے مورث اعلیٰ سیّد شاہ ظہیر الدین خجند سے امین آباد (مضافاتِ لاہور) آئے اور سکون
کی۔ ان کے فرزند موسیٰ اور پوتے سید الحداد (الہٰ داد) اور پڑپوتے سید محمد تھے۔ سید محمد کے ف
سید شاہ عنایت اللہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں قراءت وعلوم متداولہ سے فارغ
خوشنویسی بھی سیکھی۔ مرشد کی تلاش میں برہان پور آئے۔ شیخ ابوالمظفر صوفی نقشبندی
بیعت کی۔ ۱۰۵۹ھ میں بالاپور منتقل ہوئے۔ یہاں فضا سازگار پاکر یہاں درس وتدریس واشاعت
نقشبندیہ میں مصروف ہوئے۔ بعض لوگوں نے عالمگیر بادشاہ کو حضرت سے بدگمان کر دیا۔ دلی
ہوئی آپ تشریف لے گئے۔ مجددی بزرگ جو دہلی میں مقیم تھے اور جو حضرت سے واقف تھے
کیفیت معلوم ہوئی تو بادشاہ سے تعریف وسفارش کی۔ بادشاہ اعزاز واکرام سے پیش آیا۔ تحف
دیئے جن کو حضرت نے قبول نہ کیا۔ واپس آکر بالاپور میں خدمت خلق کرتے رہے۔ آپ کو تجوید
سے بے حد شغف تھا۔ رسم الخط قرآن شریف کے اچھے ماہر تھے۔ خوش نویس ہونے کی وجہ سے
قرآن شریف اپنے ہاتھ سے لکھے۔

(ب) حضرت بڑے متشرع اور اوقات وظائف کے پابند تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم
کثرت سے لوگ مرید ہوئے۔ آپ نے ایک مدرسہ بھی کھولا۔ جس میں تعلیم وتعلم کا کام ہوتا۔ خانق

اذکار و مراقبات سکھلائے جاتے۔ اتباع سنت کے بڑے پابند تھے۔ نماز باجماعت کبھی قضا نہ کی۔ مرنے سے پہلے جب اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو گئے تو تیمم سے نماز ادا کی۔ فرزندوں اور مریدوں کو بلا کر کہا کہ تلقین و تعلیم میں عمر ہی گزری۔ اب وقت آخر ہے۔ سب بیٹھ کر تھوڑا تھوڑا قرآن شریف بلند آواز سے پڑھیں۔ مجھ پر ایک سفید چادر سر سے پاؤں تک ڈال دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم تلاوت شروع کرو۔

"من بہ خدائے خود مشغول می شوم"

سب قراء باری باری سے تلاوت کرتے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ہلکی سی حرکت چادر پر محسوس ہوئی اور پھر سکوت۔ دیکھا تو جان بحق تسلیم کر چکے تھے۔ مردان خدا کی زندگی ایسی ہوتی ہے اور موت بھی ایسی موت ۱۰۸۷ھ میں وفات ہوئی۔ بالاپور میں دفن ہوئے۔ مزار ایک پر فضا بلند مقام پر واقع ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ امجدی از امجد حسین خطیب ایلچپور)

(ج) آپ کے تین فرزند تھے۔ اور تینوں اچھے قاری تھے

(۱) قاری محب اللہ (متوفی ۱۱۱۹ھ)

(۲) قاری منیب اللہ (متوفی ۱۱۶۱ھ)

(۳) قاری مبین اللہ (متوفی ۱۱۶۸ھ)

(د) قاری محب اللہ فرزند کلاں کے دو فرزند تھے

(۱) قاری سید ظہیر الدین (متوفی ۱۱۰۵ھ)

(۲) قاری سید معصوم (متوفی ۱۱۷۵ھ)

(ھ) قاری سید منیب اللہ کے تین فرزند تھے۔

(۱) قاری مجیب اللہ متوفی ۱۱۵۶ھ

(۲) حاجی حافظ قاری سید قمر الدین متوفی ۱۱۹۳ھ

(۳) قاری سید شمس الدین متوفی ۱۲۲۲ھ

۲۳۶ حاجی حافظ قمر الدین بڑے عالم و فاضل۔ حافظ و قاری تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۲۳ھ میں بالاپور میں ہوئی علوم متداولہ والد اور چچا سے سیکھے۔ حفظ و قراءت کی تکمیل کی۔ ۱۱۵۵ھ میں دہلی گئے۔ مرزا مظہر جانجاناں آپ کی علمی استعداد دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ دو سال وہاں قیام کرنے کے بعد سرہند گئے۔ پھر لاہور جا کر ۱۱۵۸ھ میں واپس بالاپور آئے۔ وہاں سے اورنگ آباد روانہ ہوئے۔ جہاں قاری غلام حسین صاحب

سے ملتے رہے۔ ۱۱۷۶ھ میں حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ جا کر مکہ معظمہ آئے۔ ۱۱۸۵ھ
واپسی ہوئی۔ بالاپور میں درس و تدریس کا شغلہ رہا۔ پھر اورنگ آباد آکر یہاں درس و تدریس میں مشغول
رہے۔ ۱۱۹۳ھ میں اورنگ آباد میں انتقال ہوا وہیں دفن ہیں۔ حضرت کے تین لڑکے تھے :-

(۱) قاری حافظ نورالہدیٰ

(۲) قاری حاجی نورالعلیٰ

(۳) قاری نورالمصطفٰے

۲۳۷ سید شمس الدین ابن منیب اللہ نے ملفوظات عنایت اللٰہی لکھے جس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں موجود ہے۔ سید شمس الدین کا انتقال ۱۲۷۲ھ میں ہوا

۲۳۸ قاری حافظ نورالہدیٰ ابن قاری حافظ قمرالدین ۱۱۵۳ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ والد سے علوم حاصل کئے۔ سولہ سال کی عمر میں عالم ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں حفظ و قراءت کی۔ بیس سال کی عمر میں والد کے ساتھ حج کیا۔ فن تجوید میں کمال حاصل تھا۔ خوش تقریر۔ خوش بیان تھے رفتہ رفتہ آپ کی شہرت پھیلتی گئی۔ دور دور سے لوگ قراءت سننے آتے تھے۔ آپ کی وجہ سے اورنگ آباد میں بہت سے قاری تیار ہو گئے۔ جن کے منجملہ سترہ تلامذہ بلند پایہ قاریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے ماجد جو خود بڑے جید قاری تھے نماز میں آپ کو امام بناتے تھے اور خود مقتدی ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ چچا محب اللہ، بھائی ظہیرالدین کی امامت سے خوش ہوتے اور لذت اندوز ہوتے تھے اسی طرح میں نورالہدیٰ کی امامت سے خوش ہوتا ہوں اور لطف اٹھاتا ہوں اور جس طرح مولانا روم" فرماتے تھے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے (میں بھی یہی کہتا ہوں)۔ آپ کے تلامذہ بھی لائق و فائق ہوئے۔ ازآں جملہ سید مجاہد الدین بالاپوری اور برادر نورالعلیٰ۔ مولوی محمد صفدر۔ مولوی غلام صادق۔ قاضی بندگی اور امیر حیدر نبیرہ غلام علی آزاد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

صاحبِ گلزار آصفیہ لکھتے ہیں کہ آپ بڑے خوش الحان تھے۔ جب مسجد شاہ گنج واقع اورنگ آباد میں پڑھاتے تھے تو سننے والے وجد و ذوق میں سر ٹکراتے تھے اور سننے والوں میں ہندو مسلمان سبھی ہوتے تھے۔ الفاظ صاحبِ گلزار آصفیہ :-

" در رمضان مبارک در مسجد شاہ گنج بہ نماز تراویح قرآن مجید می خواندند۔ ہندو وان و مسلمانان تمامی شہر برائے شنیدن کلام شریف می آمدند۔ وہمہ زار و قطار می گریستند۔ سرِ خود ہا را از جوش و خروش بے اختیار بر سرِ دیوار می زدند۔ در ہر سال در ماہ مبارک چہار کس یا پنج کس بہ اسلام مشرف می

۲۳۹ و ۔ ۱۲۰۱ھ میں امیر حیدر بلگرامی کو رخصت کرتے بالاپور اور ایلچ پور (ضلع امراوتی۔ برار) تشریف لے گئے۔ اہل برار آپ سے مستفید ہوئے اور سید خلیل اللہ نے بھی استفادہ کیا۔ اپنے والد (مولانا قمرالدین) کے انتقال کے بعد اورنگ آباد سے حیدرآباد منتقل ہوگئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ عارف شب بیدار تھے۔

بقول صاحب گلزار آصفیہ آپ کے تین فرزند تھے۔

(۱) قاری حافظ نورالانبیاء

(۲) قاری نورالاولیاء

(۳) قاری نورالاصفیاء

ان تینوں نے حیدرآباد میں درس کا سلسلہ جاری رکھا۔

حافظ نورالہدیٰ کا انتقال ۱۳ ربیع الاول ۱۲۳۰ھ کو حیدرآباد میں ہوا۔ نورالاصفیاء کے چبوترے پر دفن ہوئے۔ مگر صاحب نورالعنایت کی تحقیق مختلف ہے وہ کہتے ہیں:۔

"مذکورہ بالا تینوں صاحب زادے نورالعلیٰ کے تھے۔ نورالہدیٰ کے فرزند لڑکپن میں فوت ہوگئے اور سلسلہ جاری نہ رہا"

نیز فرماتے ہیں کہ:۔

"رحلت ۱۲۰۳ھ میں ہوئی۔ اورنگ آباد میں والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ پچاس سال کی عمر تھی" یہی صحیح معلوم ہوتا ہے:۔

شاہ ظہیر الدین

- سید موسیٰ
  - سید الحداد (الہ داد)
    - سید محمد
      - حافظ قاری سید شاہ عنایت اللہ لاہوری ثم بالاپوری سنہ ۱۱۱۷ھ
        - قاری محب اللہ سنہ ۱۱۹ھ
          - قاری سید ظہیر الدین سنہ ۱۱۸۱ھ
          - قاری امام الدین سنہ ۱۱۶۵ھ
        - قاری منیب اللہ سنہ ۱۱۶۱ھ
          - قاری امام الدین سنہ ۱۱۹۸ھ
          - قاری مجیب اللہ سنہ ۱۱۵۶ھ
          - حافظ حاجی سید قمر الدین سنہ ۱۱۹۳ھ
            - حافظ نور الہدیٰ سنہ ۱۲۳۰ھ
              - نور الانبیاء
              - نور الاولیاء ۱۲۲۹ھ
              - نور الاصفیاء سنہ ۱۲۵۰ھ
                - نور الحسنین سنہ ۱۲۸۸ھ
            - حاجی نور العلیٰ سنہ ۱۲۳۳ھ
            - نور المصطفیٰ وفات سنہ ۱۲۳۰ھ
              - نور المقتدیٰ ۱۲۹۶ھ
                - نور الاتقیاء سنہ ۱۳۰۸ھ
                  - سید نور الضیاء المخاطب بہ ضیاء یار جنگ (وفات سنہ ۱۳۶۳
          - قاری سید شمس الد[ین] ۱۲۴۲ھ
            - فرزند: سید میراں سنہ ۱۲۲۴ھ
            - شاگر[د]: حافظ سید ا[...] الجبپوری [...]۱۲
        - قاری مبین اللہ سنہ ۱۱۶۸
      - قاری محمد سعید

نقشہ ہندوستان

دورِ عنایت الٰہی (از سنہ ۶۰۰ھ تا سنہ ۱۳۰ھ) میں قرادت کی وسعت

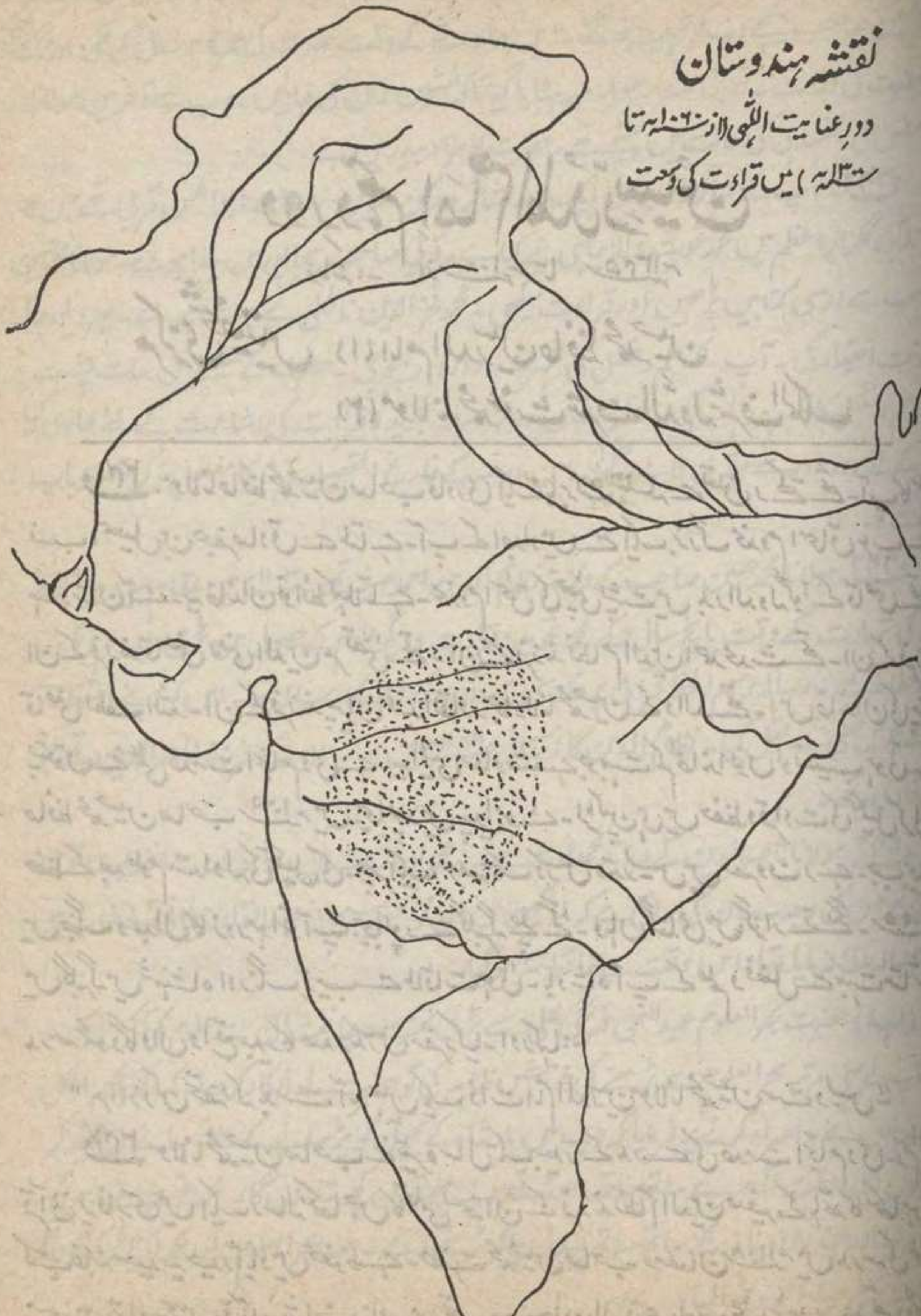

دورِ دہم اِمامُ المدرّسین

زمانہ:- از ۱۰۸۰ھ تا ۱۳۴۵ھ

مرکزی شخصیتیں (۱) امام المدرسین حافظ محمد حسین
(۲) مولانا محمد غوث شرف الدولہ شرف الملک

---

۲۴۱ - مولانا حافظ محمد حسین صاحب قادری ایک بابرکت سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اسمٰعیل بن جعفر صادق سے ملتا ہے۔ آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ مخدوم اسحاق عرب سے ہندوستان آئے۔ یہ خاندان نوائط کہلاتا ہے۔ مخدوم اسحٰق کی چھٹی پشت میں بدرالدولہ گوا کے قاضی تھے۔ ان کے فرزند قاضی رضی الدین مرتضیٰ تھے۔ ان کے فرزند نظام الدین احمد محدث تھے۔ ان کے فرزند قاضی لطف اللہ۔ ان کے فرزند پیران عبدالقادر جو مولانا محمد حسین کے والد تھے۔ اس خاندان کی پندرہ پشتوں نے علمی خدمت انجام دی ہے۔ یہ ایسی سعادت ہے جو بہت کم خاندانوں کو نصیب ہوتی ہے۔ حافظ محمد حسین صاحب ۱۰۶۹ھ میں بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن ہی میں حفظ و قراءت کی تکمیل کرلی۔ حفظ کے بعد علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ پھر ایک عرصہ تک درس و تدریس میں مصروف رہے۔ جب بیجاپور میں جنگ و جدال کا زور ہوا تو آپ بیجاپور سے گلبرگہ چلے گئے۔ وہاں گمنامی میں گزارنے لگے۔ ۱۰۹۵ھ میں گلبرگہ میں شہنشاہ اورنگ زیب سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ آپ کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوئے مدرسہ محمود گاواں واقع بیدر کا صدر مدرس مقرر کیا۔ اور کہا:-

"مرا از دکن تحفہ کہ بدست آمد ہمیں یک ذات امام المدرسین مولانا محمد حسین ست و بس۔"

۲۴۲ - مولانا محمد حسین صاحب نے تیرہ سال تک بیدر کے مدرسے کی خدمت انجام دی۔ رسم الخط قرآنی پر فارسی میں ایک رسالہ لکھا جس کا قلمی نسخہ ان کے فرزند نظام الدین صغیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ حضرت محمد حسین صاحب رمضان ۱۰۸۰ھ میں مدرسہ کی مسجد میں تراویح میں قرآنِ شریف سنا رہے تھے۔ سبحان الذی اسریٰ پڑھ رہے تھے دوگانہ

تشہد میں بجلی گری۔ بارود خانہ قریب تھا۔ وہ پھٹ پڑا اور مسجد کی چھت گر پڑی جملہ مصلیان اور حضرت محمد حسین صاحب نیچے دب کر شہید ہو گئے۔ اس حادثے کے وقت حضرت کی عمر ۳۹ سال کی تھی اورنگ زیب کو حضرت کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا۔ ملبہ ہٹایا گیا تاکہ نعشیں دفن کی جائیں۔ سب سے آخر میں مولانا کی نعش ملی۔ تشہد ہی کی حالت میں بیٹھے تھے۔ حضرت کا مزار بیدر میں ہے۔

۲۴۳۔ آپ کے شاگردوں میں ایک جید شاگرد رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی تھے جس کا ذکر تذکرہ گلزار اعظم میں محمد غوث والاجاہی نے کیا ہے۔ قربی صاحب بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد حسین صاحب سے درسی کتابیں پڑھیں اور قراءت سیکھی۔ محمد فخر الدین نائطی سے بیعت ہوئے۔ پھر ویلور جا کر سکونت اختیار کی۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دور پہنچی۔ حضرت کے سلسلے میں سات پشت تک علم و فضل کا شہرہ رہا۔ ایک عظیم الشان مدرسہ صرف تجوید و قراءت کی اشاعت کے لئے جاری کیا جس کے لئے دور دور سے مقری بلائے گئے۔ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل قراء کا مفصل ذکر متعلقہ باب میں ملے گا۔

۲۴۴۔ مولانا محمد حسین صاحب کے فرزند نظام الدین احمد صغیر تھے۔ ۱۱۰۳ھ میں بمقام بیدر پیدا ہوئے۔ والد کی شہادت کے وقت پانچ سال کے تھے تجوید و قراءت و دیگر علوم کے حصول میں بڑی جد و جہد کی۔ اچھے خطاط تھے۔ رسالہ رسم الخط قرآنی پر فارسی میں آپ کے والد کا رسالہ تھا۔ اس کو اپنے استفادے کے لئے خوش خطی سے نقل کیا۔ نظام الدین کا انتقال ۱۱۸۹ھ میں ہوا۔ ان کے فرزند ناصر الدین تھے جو اچھے قاری تھے۔

۲۴۵ مولانا ناصر الدین کے فرزند محمد غوث تھے۔ یہ محمد پور ارکاٹ میں پیدا ہوئے۔ حافظہ بہت قوی رکھتے تھے جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ لڑکپن میں ان کو محبوب سبحانی عبد القادر جیلانیؒ نے خواب میں دودھ کا پیالہ عطا فرمایا تھا۔ اس وقت سے حافظہ تیز ہو گیا۔

(ب) حضرت بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی سے بڑی محنت و جانفشانی سے علوم کی تکمیل کی۔ جب آپ نے پہلی مرتبہ بحر العلوم سے پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت نے انکار کر دیا۔ کہا کہ مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔ اصرار کرنے پر فرمایا کہ جب میں بادشاہ کے بچوں کو پڑھانے کے لئے میانے میں بیٹھ کر جاتا ہوں اس وقت اگر میرے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے چلو تو میں کچھ بتا دوں گا۔ محمد غوث نے اس کو قبول کر لیا اور چند روز میانہ کے ساتھ ساتھ پیدل جا کر پڑھتے رہے۔ جب بحر العلوم نے دیکھا کہ لڑکے کو واقعی شوق ہے تو پھر میانہ میں بٹھا لیا۔

(ج) دوسرے استاد امین الدین بن سیف الدین تھے جو لکھنؤ جا کر تحصیل علوم کے بعد مدراس واپس آئے
تھے۔ اساتذہ مذکورہ سے تحصیل علوم کے بعد محمد غوث صاحب والاجاہ کے پاس ملازم ہو گئے۔ اپنی مستعدی
ذکاوت اور معاملہ فہمی کی بدولت ترقی کرتے ہوئے والاجاہ کے مدار المہام ہو گئے۔ ۱۲۱۳ھ میں حیدرآباد آئے
اور ۱۲۲۳ھ میں خدمت سے علٰحدگی اختیار کر کے اپنی جگہ اپنے بڑے فرزند عبدالوہاب کا تقرر کرایا۔ اور خود
گوشہ نشینی اختیار کر کے تصنیف و تالیف میں لگے رہے۔ اٹھائیس کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سب سے
زیادہ گراں قدر تصنیف "نثر المرجان فی رسم القرآن" ہے جس کو ۱۲۳۶ھ میں ختم کیا۔ یہ ضخیم
کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد ۵۰۰ صفحہ سے لیکر ۷۰۰ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ سلیس عربی میں لکھی
ہے۔ رسم الخط قرآنی پر یہ کتاب بڑی معتبر ہے۔

عشرہ کے اختلافات۔ ان کی صرفی و نحوی ترکیب پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ کتاب تقریباً
ایک سو سال تک غیر مطبوع رہی۔ مولوی انوار اللہ خاں صاحب صدر الصدور حیدرآباد۔ دکن نے حکومت
کو توجہ دلا کر ۱۳۳۲ھ میں اشاعت العلوم سے اس کی طباعت شروع کرائی۔ ۱۳۴۱ھ میں مولانا حبیب الرحمن خاں
شیروانی صدر الصدور کے زمانے میں اس کی طباعت ختم ہوئی۔ یہ کتاب اس پایہ کی ہے کہ ہندوستان
اس کی تصنیف و طباعت پر جتنا بھی فخر کرے بجا ہے۔ عرب ممالک میں اس کی بہت مانگ ہے۔

(۲۴۶) نواب صاحب موصوف اچھے عالم و قاری ہونے کے علاوہ بڑے اچھے خوشنویس تھے۔
چنانچہ قرآن شریف کے سات نسخے۔ دلائل الخیرات کے چالیس نسخے حدیث میں صحاح ستہ اور فتح الباری
یہ سب کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف جو حمائل کی تقطیع پر ہے اور جس پر
سبعہ کا حاشیہ چڑھا ہوا ہے آپ کے خاندان میں مفتی حبیب اللہ صاحب کے پاس موجود ہے۔ سنہ
کتابت ۱۲۱۲ھ ہے۔ ہر پارہ دکی۔ ہر پارہ کی جلد علٰحدہ باندھی گئی ہے۔ ابو جعفر محمد ابن طیفور السجاوندی کی
"کتاب الوقوف" کا ایک نسخہ جس کو نواب صاحب نے ۱۲۰۶ھ میں اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ کتب خانہ
عام اہل اسلام مدراس میں ۱۲۶۷ھ میں داخل ہوا تھا۔ یہ نسخہ چھوٹی تقطیع پر ہے اور اب بھی اچھی حالت
میں موجود ہے۔

(۲۴۷) محمد غوث صاحب نثر المرجان میں مولانا محمد حسین صاحب کو جیتن سنا کہہ کر یاد فرماتے
ہیں۔ نواب صاحب نے جس محنت و مشقت سے علم حاصل کیا تھا۔ اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں کہ میانہ کے
ساتھ ساتھ چلنا بھی عار نہ سمجھا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اس قدر نوازا کہ دین و دنیا سے وافر حصہ لے گئے۔
محمد غوث صاحب کا انتقال ۱۲۳۸ھ میں ہوا۔ والاجاہی مسجد میں بحر العلوم کے مزار کے پاس مدفون

یں۔ آپ نے ایک مدرسہ محمدیہ کے نام سے قائم کیا تھا جو اب تک جاری ہے۔ مدرسہ سے متعلق ایک
تب خانہ بھی ہے۔ جس میں اس خاندان کے جمع کردہ کتابیں موجود ہیں۔

۲۴۸ محمد غوث صاحب کے دو فرزند تھے :۔

(۱) مولوی عبدالوہاب مدارالامراء۔

(۲) مولوی صبغتہ اللہ بدرالدولہ بدرالملک۔

یہ دونوں بڑے عالم و فاضل اور جید قاری تھے۔ اپنے والد کے بعد مولوی عبدالوہاب صاحب نے
ار المہامی کی خدمت انجام دی۔ مگر مولوی صبغتہ اللہ درس و تدریس میں لگے رہے۔ آپ نے تجوید و قرات
ی اشاعت اور اس فن کی کتابیں طبع کرانے میں بڑا حصہ لیا۔ مولوی عبدالوہاب صاحب کے فرزندوں میں،
فظ محمد غوث اچھے حافظ و قاری تھے۔ مولوی صبغتہ اللہ صاحب کی اولاد میں مفتی محمد محمود صاحب قاری
شہرہ ہوئے۔

مخدوم اسحاق

٥

٥

قاضی احمد

قاضی محمود

قاضی بدرالدولہ (گوا کے قاضی)

قاضی رضی الدین مرتضیٰ

نظام الدین احمد محدث

قاضی لطف اللہ

پیران عبدالقادر

شیخ القراء حافظ مولانا محمد حسین قادری - امام المدرسین ۱۱۰۸ھ

فرزند

نظام الدین ثانی
۱۱۸۹ھ

ناصر الدین
۱۲۰۶ھ

محمد غوث اشرف الدولہ شرف الملک ۱۲۳۸ھ

مولوی عبدالوہاب مدار الامرا
۱۲۸۵ھ

(ان کے فرزندان)

(۱) غلام محمود متوفی الدولہ
(۲) عبدالرحمن قسمت خان

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۹۳ پر ملاحظہ ہو)

مولوی صبغۃ اللہ بدرالدولہ بدرالملک
۱۲۸۰ھ

(ان کے فرزندان)

(۱) محمد عبداللہ المخاطب بہ صدارت خان
(۲) محمد غوث المخاطب بہ اعانت خان

بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۹۳ پر ملاحظہ ہو)

شاگرد

سید شاہ ابوالحسن قربی
۱۱۸۲ھ

شاہ محی الدین عبداللطیف ذوقی
۱۱۹۲ھ

سید شاہ ابوالحسن ثانی محوی
۱۲۴۲ھ

قطب ویلور محی الدین سید شاہ لطیف
۱۲۸۹ھ

رکن الدین سید شاہ محمد قادری
۱۳۲۵ھ

محی الدین سید شاہ لطیف
۱۳۳۸ھ

(۳) حسین لطف اللہ خاں

(۴) غلام احمد قاسم جنگ

(۵) غلام احمد شرف الدولہ

(۶) حافظ محمد غوث (قاری تھے) المخاطب بہ انتظام خاں

(۳) ناصر الدین عبدالقادر المخاطب بہ امیر نواز جنگ

(۴) نظام الدین احمد منقذ جنگ

(۵) مفتی محمد سعید (صدارت العالیہ حیدر آباد)

دوسری بیوی سے

(۶) منشی عطاء اللہ خاں

(۷) مولوی احمد

(۸) مفتی مقری محمد محمود ۱۳۴۵ھ

(۹) شمس العلماء قاضی عبید اللہ

(۱۰) خلیل اللہ (ان کے فرزند ڈاکٹر حمید اللہ بھی قاری ہیں اپنے چچا مفتی محمود سے قراءت سیکھی جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد میں پروفیسر تھے۔ اب پیرس میں مقیم ہیں۔)

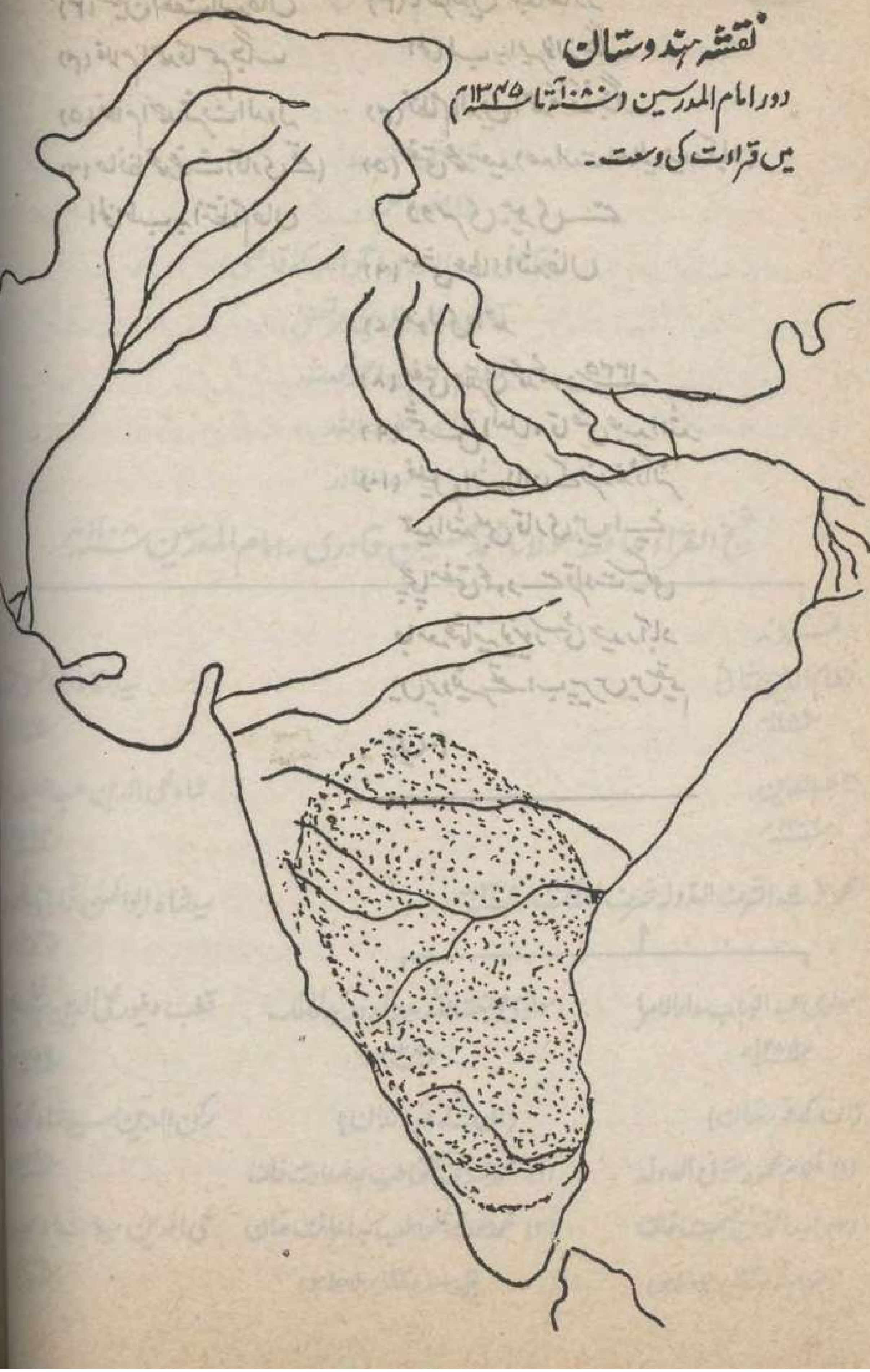

نقشہ ہندوستان

دور امام المدرسین (سنہ ۱۰۸۰ء تا سنہ ۱۳۴۵ء)

میں قراءت کی وسعت۔

دورِ یازدہم ولی اللّٰہی

زمانہ از ۱۱۵۰ھ تا ۱۲۵۰ھ

مرکزی شخصیتیں

(۱) قاری سید عبداللہ
(۲) قاری عبدالرحیم
(۳) قاری شاہ ولی اللہ

۲۵۰۔ اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ذات گرامی تھی۔ حضرت کے دادا۔ والد۔ اور چار فرزندوں نے دہلی۔ اتر پردیش میں علمی اور دینی تعلیم و تربیت کا جو اثر چھوڑا ہے وہ اپنی آپ مثال ہے۔ شاہ ولی اللہ کے دادا شاہ وجیہہ الدین بڑے صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ آپ کو قرآن مجید سے خاص شغف تھا۔ عالمگیر کی فوج میں ملازم تھے اور فوجی زندگی کے عادی تھے اس کے باوجود تہجد میں قرآن مجید پڑھتے اس کے بعد روزانہ چھ پارے سوز و گداز سے پڑھنے کا معمول تھا۔ ایک رات تہجد کی نماز کے بعد تلاوت فرما رہے تھے کہ ڈاکوؤں کا حملہ ہوا اور شہید ہوگئے۔

۲۵۱۔ شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم دہلی میں ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ تجوید۔ قراءت تفسیر و حدیث کے عالم اور بڑے متبع سنت تھے۔ شاہ صاحب کا معمول تھا کہ بڑی خوش الحانی و سوز و گداز سے روزانہ تلاوت کرتے تھے۔ آپ نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ کے نام سے ایک مدرسہ کھول رکھا تھا، جس میں قراءت و تفسیر و حدیث و فقہ کا درس ہوا کرتا تھا۔ قراءت میں آپ حافظ سید عبداللہ راوی ہفت قراءت کے شاگرد تھے۔

۲۵۲ حافظ قاری سید عبداللہ خوش الحانی و تجوید و قراءت میں یکتائے روزگار تھے ان کا وطن کھیڑی ضلع مظفر نگر تھا۔ عہدِ طفولیت میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مگر نیکی کی طرف رجحان تھا مرشد کی تلاش میں ترک وطن کیا۔ شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں حضرت کے متعلق ایک

استاد و شاگرد دفورِ مسرت میں فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور بے چین ہو کر صرف اشارے سے بتایا کہ ادھر وہ بزرگ بھی اسی جانب چلے گئے۔ استاد و شاگرد بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ صحرا چھان مارا۔ کہیں پتہ نہ چلا۔ شاہ ولی اللہ صاحب انفاس العارفین میں اپنے والد سے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں کہ "والد نے شاید یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک عرصے تک یہ صحرا عجیب و غریب قسم کی خوشبو سے مہکتا رہا۔"

اس واقعے سے جو اتنے ثقہ راویوں کی روایت سے ہم تک پہنچا ہے کئی رموز منکشف ہوتے ہیں پہلے تو یہ قاریوں کی قراءت کا حال حضور تک برابر پہنچتا رہتا ہے اور بعض وقت تو حضور اس قدر دلچسپی کا اظہار فرماتے ہیں کہ بہ نفس نفیس تشریف فرمائی ہوتی ہے۔ پھر حضور اکرمؐ نے تقریباً ۱۴ سو برس پہلے جو قرآن شریف سنایا تھا اس کی تلاوت ایک ہندی کی زبانی سُن کر تصدیق فرماتے ہیں کہ صحت لفظی اور مخارج و صفات کی ادائی کے لحاظ سے تو نے قرآن کا حق اسی طرح ادا کر دیا جو پسند خاطر ہے۔ یہ شہادت پھر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ ان اللہ یُحِبُّ اَنْ یُقْرَءَ الْقُرْاٰنَ کَمَا اُنْزِلَ کی پابندی ہزار برس کے بعد بھی ہندوستان کے ایک خطۂ صحرا میں ہو رہی تھی۔ جس پر حضور اکرمؐ نے مسرت کا اظہار فرمایا۔

۲۵۳ قاری حافظ سید عبداللہ نے اپنے استاد کے فیض سے کلام اللہ حفظ کیا تھا اور تجوید کے سیکھنے کے بعد قرات سبعہ کی تکمیل کی تھی۔ پھر استاد سے وہ رخصت ہوئے۔ وہاں سے سامانہ پہنچے۔ وہاں شیخ ادریس قادری کی (جو مجدد صاحب کے ہم عصر تھے) خدمت کرتے رہے۔ شیخ ادریس صاحب کو مجدد صاحب سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ جو پورا نہ ہوا۔ کیوں کہ اسی زمانہ میں مجدد صاحب کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد شیخ ادریس صاحب شیخ آدم بنوری سے جو مجدد صاحب کے خلیفہ تھے اپنے شکوک و شبہات کا ازالہ فرماتے رہے۔ شیخ ادریس کے انتقال کے بعد سید عبداللہ شیخ آدم بنوری کی خدمت میں پہنچے سید عبداللہ کے چچا عبدالرحمٰن پہلے ہی سے آپ کے مرید تھے چچا بھتیجے ایک عرصے تک شیخ آدم کی خدمت میں رہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سید عبداللہ آنکھیں بند کئے ایک درخت کے نیچے تلاوت میں مصروف تھے۔ درخت پر جو چڑیاں بیٹھی تھیں نیچے گرنے لگیں۔ اور اُنہی سے کچھ لوگ شیخ آدم بنوری سے بیعت ...نے آئے تھے وہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ بھی وجد میں آ کر مردوں کی طرح گر پڑے۔ جب شیخ نے ...ل سنا تو اس جگہ تشریف لے گئے اور فرمایا:۔

"حافظ بس کن"

...پ نے آنکھیں کھول دیں اور حضرت شیخ کو دیکھ کر فوراً کھڑے ہو گئے۔ اس واقعہ کا ذکر بھی شاہ ...ی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں کیا ہے۔

و۲۵۴ دارا شکوہ کی بھیجی ہوئی نو قاریوں کی ایک جماعت ایک دفعہ امتحان کے لئے سید عبداللہ کے پاس آئی۔ ہر شخص نے ایک روایت سنانے کی درخواست کی۔ آپ نے ظہر کے بعد کا وقت دیا۔ ظ کے بعد جب سب جمع ہوئے تو آپ نے قرآن مجید کا ایک خاص حصہ پہلے قالون کی مد منفصل میں اثر والی۔ اور میم جمع میں سکون والی روایت سے پڑھا۔ اور پھر بصری کی قرات سے پڑھا۔ انتخاب ا تھا کہ اس میں سب کی فرمائشیں پوری ہوگئیں۔ سب نے قبول کرلیا اور عاجز ہو کر چلے گئے۔

و۲۵۵۔ جب شاہ جہاں کے حکم سے شیخ آدم حج کو تشریف لے گئے تو سید عبداللہ نے مرشد کے ساتھ جانا چاہا۔ مگر حضرت نے منظور نہیں کیا۔ شاہ عبدالرحیم آپ سے فیض یاب ہوئے۔ اس وقت سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ نے مجھے آپ کی تربیت کے لئے یہاں چھوڑا تھا۔ بعد ازاں سید اپنے چچا عبدالرحمن کے ساتھ آگرہ منتقل ہو گئے۔ عبدالرحمن فوجی لشکر میں ملازم ہو گئے۔ اور سید درس وتدریس میں لگے رہے۔

و۲۵۶۔ سید عبداللہ عمر بھر مجرد رہے۔ شادی نہیں کی۔ جس وقت اورنگ زیب اکبر آباد تھے۔ شاہ عبدالرحیم اکبر آباد ہی میں میر زاہد ہروی محتسب لشکر شاہی کے درس میں تحصیل علم میں مشغو تھے۔ کچھ عرصہ علیل بھی رہے۔ اسی زمانے میں سید عبداللہ بیمار ہوئے اور ان کا انتقال ہوگیا۔ بوقت رحلت وصیت کی کہ عام قبرستان میں دفن کیا جائے تاکہ قبر کوئی نہ پہچانے۔ شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں

"اس زمانے میں میں ایسا سخت علیل تھا کہ جنازے کے ساتھ نہ جا سکا۔ جب مجھے صحت ہوئی تو ایک ایسے دوست کو ساتھ لیا جو ان کی تجہیز و تکفین میں شریک تھا تاکہ اس کی مدد سے قبر پر فاتحہ پڑھ سکوں۔ نفس مبارک کی تاثیر سے میرا دوست قبر کی شناخت نہ کر سکا۔ آخر کار قیاس سے ایک دوسری قبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اس قبر پر بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا آپ نے فوراً پس پشت سے ندا دی کہ فقیر کی قبر یہ ہے۔ لیکن جو شروع کیا ہے اسی جگہ ختم کر کے صاحب قبر کو ثواب پہنچاؤ۔ اور جلدی مت کرو۔"

حسب الحکم تعمیل کی گئی اور بعد ختم اپنے دوست سے کہا کہ خوب غور کر کے بتاؤ کہ حضرت کا مزار مبارک یہ ہے یا پشت والا۔ اس نے غور و تامل کے بعد کہا کہ میں نے خطا کی اصل میں حضرت کا مزار والا ہے۔ غرض کہ میں نے مزار پر بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ چوں کہ قلب اس وقت اندوہگیں پر ملال تھا بوقت قرآن خوانی قواعد قرات میں کئی جگہ فروگزاشت ہوئی۔

آپ نے فرمایا کہ فلاں فلاں مقام پر غلطی کی ہے۔ امر قرات میں حزم و احتیاط واجب ہے۔"

۲۵۷و ۔ شاہ ولی اللہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے ۔ والد سے علوم سیکھے ۔ تجوید قرأت سبعہ میں جو تین پشت سے آپ کے خاندان میں وراثتاً چلی آرہی تھی ۔ کمال حاصل کیا ۔ طریقت میں والد کے خلیفہ بھی ہوئے ۔ آپ کی عمر سترہ برس کی تھی جب آپ کے والد کا انتقال ہوا ۔ مگر اسی مدت میں آپ نے علوم کی تکمیل کرلی تھی ۔ والد کے انتقال کے بعد مدرسہ رحیمیہ کا انتظام اور اس کی تعلیم اپنے ہاتھ میں لی ۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو ایک سال وہاں رہ کر بڑے بڑے علماء و اولیاء کی صحبت سے فیض یاب ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد آپ بہت بڑے عالم حدیث مانے گئے ہیں ۔ تصانیف کثرت سے ہیں حجۃ اللہ البالغہ بڑی معرکۃ الارا تصنیف ہے ۔ فوز الکبیر کی تمہید میں حضرت نے بتایا ہے کہ آپ نے قرأت روایتاً و درایتاً حاصل کیں ۔ ۱۱۷۶ھ میں وفات ہوئی دہلی میں والد کی قبر کے پاس دفن ہوئے ۔ آپ کے چار فرزند تھے ۔ چاروں قاری ہفت قرأت و محدث تھے ۔ آپ کے پوتے بھی مقریان ہفت قرأت ہوئے

۲۵۸و شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں قرآن مجید کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ۔

"قرآن مجید واجب التعظیم و کثیر البرکات است و تلاوت آن موثر درجات بنی آدم ۔ کہ

الْقُرْآنُ لِمَا قُرِئَ لَهُ"

۲۵۹و ۔ شاہ صاحب نے ایک قرآن مجید پر سبعہ کا حاشیہ اپنے ہاتھ سے لکھا تھا ۔ یہ قرآن حضرتؒ کے خاندان میں رہا ۔ وہاں سے قاری ظہورالدین ساکن بھلک (نواح دہلی) کے پاس منتقل ہوا ۔ قاری ظہورالدین صاحب کی بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح اس حاشیہ کے ساتھ یہ قرآن مجید طبع ہوجائے ۔ مگر روپے کی مدد نے کسی نے ساتھ نہ دیا ۔ قاری ظہورالدین کے انتقال کے بعد یہ قرآن مجید ان کے فرزند قاری راغب حسین کے پاس محفوظ ہے ۔

و ۲۶۰

شاہ وجیہ الدین

شاہ عبدالرحیم
سنہ ۱۱۳۱ھ

شاہ ولی اللہ
سنہ ۱۱۷۶ھ

شاہ عبدالعزیز
وفات سنہ ۱۲۳۹ھ
شاگرد
شیخ القراء عبدالرحمٰن محدث انصاری
پانی پتی

شاہ عبدالقادر
وفات سنہ ۱۲۳۰ھ

شاہ رفیع الدین
وفات سنہ ۱۲۳۸ھ
حافظ قاری شاہ مخصوص اللہ
شاگرد
قاری سر سید احمد خاں

شاہ عبد
وفات
شاہ محمد اسمٰعیل ش
سنہ ۱۲۴۷ھ

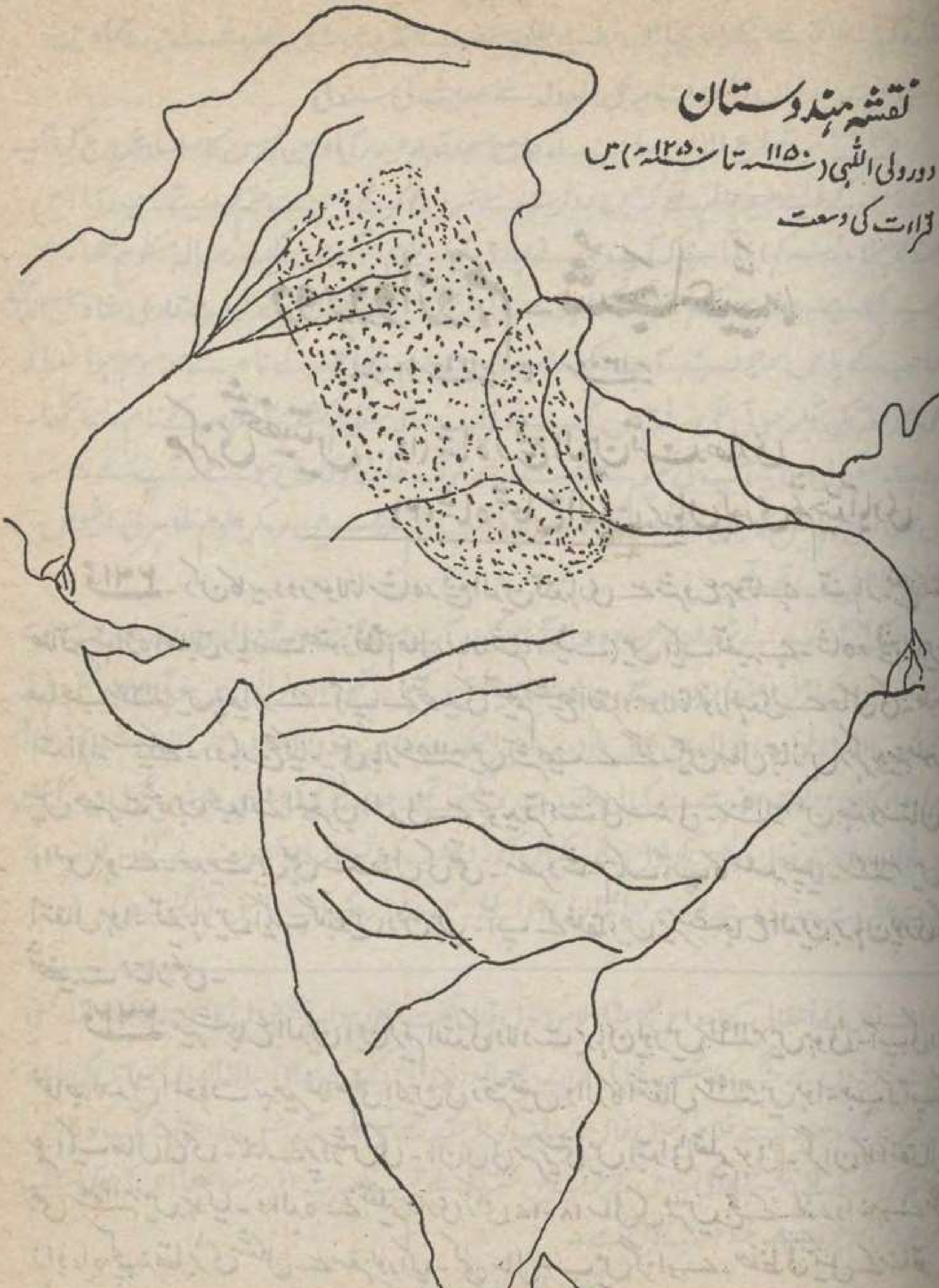

نقشہ ہندوستان

دور ولی اللّٰہی (۱۱۵۰ھ تا ۱۲۵۰ھ) میں
قرأت کی وسعت

دورِ دوازدہم ۔ شُجاعیّہ

زمانہ از ۱۲۱۰ھ تا ۱۳۰۰ھ

مرکزی شخصیتیں (۱) شاہ رفیع الدین قندھاری

(۲) شاہ شجاع الدین برہان پوری ثم حیدرآبادی

ف ۲۶۱ ۔ دکن کا یہ دور مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے شروع ہوتا ہے۔ قندھار ضلع ناندیڑ علاقہ مرہٹواڑہ (سابق ریاست حضور نظام حال مہاراشٹرا اسٹیٹ) میں ایک قصبہ ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب ۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تجوید کی تعلیم شیخ القراء مولانا نورالہدیٰ سے حاصل کی۔ علوم متداولہ سیکھے۔ دوبار حج کیا۔ پہلی بار ۱۱۸۷ھ میں تشریف لے گئے۔ تین سال حجاز میں رہکر مدینہ منورہ میں حضرت محمد بن عبداللہ المغربی المدنی سے تجوید قراءت کی سند لی۔ ۱۱۹۰ھ میں ہندوستان واپس ہوئے۔ حدیث میں بھی سند حاصل کی تھی۔ مصر و شام تک آپ کا سلسلہ پھیلا۔ ۱۲۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ قندھار میں ایک گنبد میں دفن ہیں۔ آپ کے خلفاء میں میر شجاع الدین برہان پوری کی شخصیت ممتاز تھی۔

و ۲۶۲ میر شجاع الدین ابن کریم اللہ کی ولادت برہان پور میں ۱۱۹۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ خواجہ صدیق المعروف بہ میر غلام محی الدین کی دختر تھیں والد کا انتقال ۱۱۹۲ھ میں ہوا۔ جب کہ آپ کی عمر ایک سال کی تھی۔ نانا نے پرورش کی۔ ان ہی کی سرپرستی میں ابتدائی تعلیم ہوئی۔ نگران کا انتقال بھی ۱۲۰۶ھ میں ہوگیا۔ والدہ نے تعلیم جاری رکھی ۱۷۔۱۸ سال کی عمر میں حج کے لئے روانہ ہوئے کچھ زادِ راہ کچھ نہ تھا بڑی مشکل سے سفر پورا کیا۔ کئی سال عرب میں گزارے۔ حفظ کی تکمیل کے ساتھ قرأت سبعہ سیکھیں۔ ۱۲۱۵ھ میں برہان پور واپس ہوئے۔ ۱۲۱۶ھ میں حیدرآباد تشریف لائے نواب فتح اللہ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ انہوں نے نواب محمد فخرالدین خاں شمس الامراء سے خو

تذکرہ کیا۔ ملاقات کے بعد پچاس روپے بطور منصب مقرر ہوئے۔ حضرت نے حیدرآباد میں نواب عزت یار خاں المعروف بہ محی الدولہ سے حدیث کی سند لی۔

و۲۶۳ میر شجاع الدین صاحب نے جامع مسجد قدیم حیدرآباد میں درس کا سلسلہ شروع کیا آپ قرأت سبعہ کے ایسے جید عالم تھے کہ جس روایت سے شروع کرتے اسی سے ختم کر دیتے۔ حیدرآباد میں حفظ کا پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے کہ آپ ہی نے جاری کیا۔ علوم تجوید میں ایک رسالہ منظوم لکھا۔ جو چھپ چکا ہے۔ حضرت کے ہاتھ کا لکھا ہوا رسالہ مذکور کا ایک نسخہ ان کے نواسے قاری شاہ تاج الدین صاحب کے پاس موجود ہے۔ آپ کے مدرسہ میں جو مدرسہ شجاعیہ کے نام سے موسوم ہوا حفظ و تجوید و فقہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ فقہ میں آپ نے ایک رسالہ منظوم کشف الخلاصہ کے نام سے لکھا۔ جو بہت مقبول ہوا۔ آپ کی تعلیم سے بہت سے لوگ حافظ و قاری ہوئے۔ آپ کے مدرسہ میں طلباء کی رہائش کا بھی انتظام تھا۔ صدہا طالب علم مدرسہ میں رہ کر علوم ظاہری و فیوض باطنی حاصل کرتے تھے۔

و۲۶۴ آپ نے بڑھاپے میں دوسرا حج بھی کیا۔ آپ مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے بیعت تھے اور ان کے اجل خلفاء میں تھے۔ بے انتہا ریاضتیں کیں۔ تہجد اور نوافل میں قرآن مجید ختم فرماتے شمس الامراء نواب فخر الدین خاں نواب نصیر الملک۔ راجہ چندو لال اور جملہ اکابر و مشائخ۔ علماء و امراء و ارکان دولت حضرت سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت کی کرامات و پیشین گوئیاں بہ کثرت ہیں نواب الف خاں رئیس کرنول نے بہ کمال آرزو طلب کیا تو حضرت تشریف لے گئے۔ نواب نے نہایت عقیدت مندی سے لوازم مہمانداری ادا کئے۔ تین روز رہ کر آپ واپس آ گئے [۱]

---

[۱] الف خاں کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا غلام رسول خاں تخت نشین ہوا۔ انگریزوں کا سخت مخالف تھا۔ مخفی طور سے انگریزوں سے جنگ کا منصوبہ بنایا۔ نواب ناصر الدولہ والئ دکن کے بھائی مبارز الدولہ بھی اس کی رائے سے متفق ہو گئے۔ حضرت سے غلام رسول خاں کے باپ کو جو عقیدت تھی اس کے پیش نظر اس نے آپ کو راز میں خط لکھ کر دعا کے لئے استدعا کی۔ اس کے جواب میں حضرت نے عجیب بصیرت افروز خط لکھا اس کی نقل مناقب شجاعیہ میں موجود ہے۔ خط حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"معرفت الٰہی جل شانہٗ بر ہر ذی عقل واجب است۔ چوں ظلمت بر عقل حجاب شدہ است برائے

حضرت کی کرامتوں میں سے ایک یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ شنبھو پرشاد کالیستھ مع خاندان،

دفع حجاب حق تعالےٰ پیغمبران را (صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین) فرستاد وہر کرا در ازل سعید نوشتہ بود۔ بعضے را بہ اندک اشارہ و بعضے را بدلائل و بعضے را بہ اظہار معجزات آں حجاب دور شد معبود و خود را بقدر حوصلہ خود شناختند و اولاد آنہا را از پدر و مادر وا (استاد و مرشد تعلیم یافتہ در زمرۂ مومنان داخل می شوند۔ تا قیامت ہم چنیں طریقہ جاری خواہد ماند۔ مگر آں کہ پیغمبر با افضل مخلوقات وسید المرسلین وخاتم النبیین شدند صلی اللہ علیہ وسلم و بعد آنحضرت پیغمبر نیست) کار دین ومعرفت الٰہی بہ تعلیم علما آنحضرت جاری ست۔ و بعد معرفت خالق خود انچہ امر فرمودہ بجا آوردن ضرور افتاد و آنچہ او سبحانہٗ منع فرمودہ باز ماندن لازم شد۔ و گرنہ صرف ایمان با عصیان قبول نیست اگر مقبول بودے شیطان بہ مخالفت یک امر راندہ نہ شدے و آدم علیہ السلام بہ ارتکاب یک نہی از بہشت نہ بر آمدے۔ و امر و نہی بعضے بر عام و خاص وادنیٰ و اعلیٰ و غنی و فقیر برابر است چناں کہ گفتن کلمہ طیبہ و نماز و روزہ۔ و بعضے بہ احوال مردمان مختلف چناں کہ زکوٰۃ و حج بر غنی است نہ بر فقیر و حق زوجہ بر متاہل نہ بر مجرد۔ و رعایا پروری و عدل و دادرسی بر بادشاہ و رئیس است۔ نہ بر عوام الناس۔ و جہاد کفار و اجرائی احکام دین نیز بر رئیس ست پس باید کہ ہر شخص احوال خود را خوب بہ بیند کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ اورا در کدام مرتبہ داشتہ۔ موافق آں بہ عقل سلیم و مشورت اہل دیں عمل کند۔ تا در دو جہاں مقبول درگاہ الٰہی و جناب حضرت رسالت پناہی گردد۔ و گفتہ اند کہ مردمان بر سہ قسم اند۔ یکے مرد کامل و او آنست کہ عقل کامل داشتہ باشد۔ و مشورت با مردمان نیز کند زیرا کہ بسیار تدبیرہا اگرچہ در عقل موجود می باشد لاکن بمشورت مردمان تائید یابد و استحکام می پذیرد۔ و دوم نصف مرد آنست کہ عقل کامل باشد و مشورت با کسے نہ کند و عقل کامل نہ داشتہ باشد۔ سوم لاشے یعنے ناکارہ و او آنست کہ عقل کامل ہم نداشتہ باشد و مشورت ہم با کسے نکند آمدیم بر سر مطلب پارۂ ملک کہ حق تعالےٰ بہ آں والا مراتب سپردہ است۔ و از مخالفان امن داشتہ است و قوم نصاریٰ کہ ہنوز دریں ملک در اسلام خلل نہ انداختہ اند مددگار و نگہبان ملک اسلام اند کہ بسبب ایشاں کسے از کفار مقابل اہل اسلام نمی شود۔ و ایں در خاطر نہ گزرد کہ ایں مدح و تعریف نصاریٰ ست بلکہ در حدیث است کہ

إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ

پانچ سو اشخاص کے ساتھ حضرت کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ شنبو پرشاد کا اسلامی نام غلام رسول

تحقیق خدا تعالیٰ یاری می دہد ایں دین را بہ مرد فاجر و فاجر کا فر را ہم می گویند۔ و فاسق را ہم می گویند
فقیر بچشم خود دیدہ است کہ قوم پنڈھار در ملک برار و خاندیش چہ ظلم ہا بر مسلمانان کردہ اند کہ بر دشمن
مباد و چہ بے حرمتی مستورات و اشراف نمودہ اند کہ کسے مبیناد۔ و از تدبیر نصاریٰ ہم مقتول و مخذول
شدند۔ حالا کسے نام پنڈھارہ نمی داند۔ غرض ایں کہ در ایں زمانہ نہ از نصاریٰ خلل در احکام اسلام
است و نہ طاقت اخراج ایشاں ازیں ملک۔ پس مخالفت ایشاں موجب اہانت اسلام و کشتہ شدن
اہل اسلام است۔ چناں کہ آں فرقہ کہ در ہندوستان ارادہ جہاد با سکھ ہا کردند، ہزار ہا علماء و صلحا
مقتول شدند نعوذ باللہ۔ پس دریں زمانہ بجا آوردن احکام دین و جاری کردن نماز و روزہ و رعایا
پروری و خدمت علماء و صلحا و ہمہ مردمان ہم تقیید بجا آوردن احکام اسلام افضل عبادت و کمال رضامندی
خدا و رسول است۔ چنانچہ آنحضرت فرمودہ اند کہ مَنْ یَحْمِلُ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ
اَجْرُ مِائَۃِ شَہِیْدٍ یعنے ہر کہ عمل کند بر سنت من نزدیک فساد امت من پس او را ثواب صد شہید
است خوب تامل باید فرمود کہ برائے شہادت چہ مشقت می کشند و چہ خون دل می خورند و خال الصالاللہ
میسر نمی شود و ایں صد شہادت یقیناً از قائم شدن بر طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل می شود
و افسوس کہ فقیر از ملاقات سامی دور افتادہ است۔ حکم الٰہی ہمیں ست کہ راضی باید بود۔ دریں ولا
بزرگانِ آنجا از معاش عاجز شدہ و خانماں گزاشتہ در مصیبت افتادہ اند باید کہ ہمہ را طلبیدہ بر مکان
آنہا نشانیدہ خبر گیری معاش ضروری کنند و دلجوئی نمایند۔

چوں بدانستی کہ ہر دل خدا است ؎ پس ترا تعظیم ہر دل مدعا ست

دریں ملک یقین بدانند کہ جہاد در طریق فرمودہ خدا و رسول ممکن نیست۔ ایں جنگ نفسانی و ملک
ستانی ست دریں چنیں جنگ مقتول شدن و قتل نمودن بے شرع و قیاس است۔ فقیر بسیار
سخت نوشتہ است۔ ع

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد ؎ مگری نوید و خیر خواہی داریں می نماید

کہ ہرگز خیال جنگ و جدل نہ نمودہ دو چیز بر خود لازم دارند۔ یکے اجرائی احکام دیں آنہم بہ تالیف
قلوب و سہولت و حکمت کہ در قرآن مجید واقع است کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ
وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ۔ دوم خدمت محتاجان کہ در عمل خود اند و طلبیدن بندگان و درویشان

اور ان کی بیوی کا نام جیلانی بیگم رکھا گیا تھا۔ ان دونوں کی قبریں ایک چوکھنڈی میں حضرت کے گنبد کے قریب ہیں۔

بر مکان آنہا و راحت رسانی آنہا۔ پس بہ برکت ایں دو امر شاہد و کنند کہ چہ قدر ظہور می کند۔ و فقیر را مفصلاً احوال خود و ملک خود نوشتہ باشند و فقیر نیز خیر خواہی نمودہ انچہ او سبحانہٗ تعالیٰ در دل انداختہ می نوشتہ باشد و دعائے خیر می نمودہ باشد

ما چہ چیزیم و دعائے ما چہ چیز — تا قبول افتد بدرگاہِ عزیز

زیادہ چہ نویسد"

اس خط سے حضرت کے تدبر۔ دقت نظر۔ معاملہ فہمی۔ سیاسی بصیرت اس زمانے کے حالات سے واقفیت ان حالات پر گہری نظر۔ اس وقت نصاریٰ کی جو قوت تھی اس کا اور اس کے مقابل نواب کرنول کی جو حیثیت تھی اس کا پتہ چلتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں غلام رسول خاں نے امراء و صلحاء میں سے بعض کو شہر بدر کر دیا تھا اور بعض پر مظالم کئے تھے۔ جس کی وجہ سے رعیت بددل تھی ــــ اور یہ کہ نواب انگریزوں کی طاقت کا صحیح اندازہ کئے بغیر اور اپنی قوت کو بڑھائے بغیر محض ملک گیری کی ہوس میں انگریزوں سے آمادہ پیکار ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ حضرت نے المستشار موتمن کو پیش نظر رکھ کر پہلے تمہید میں واضح فرمادیا کہ اولین فرض کیا ہے اس کے بعد نبیوں کی اہمیت کا ذکر فرمایا۔ پھر واضح کیا کہ ہر حکم کی اہمیت مختلف ہے اور کس وقت کس کام کو اہمیت حاصل ہوتی ہے پھر ہر طبقے کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تصریح فرمائی۔ پھر عقل و تدبر اور عدم تدبر کے لحاظ سے انسانوں کی تین تقسیمیں بیان فرمائیں کہ راست بات نہ کہنی پڑے اور واضح ہو جائے کہ مشورے کی کیا اہمیت ہے یہ مکتوب نہ صرف غلام رسول خاں کے لئے ہدایت تھا بلکہ اس میں جو نکات بیان کئے گئے ہیں وہ آج بھی پڑھنے والوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے سکتے ہیں۔ یعنی معرفتِ الٰہی کی اہمیت۔ رسالت کی ضرورت۔ سعید و شقی کا فرق۔ علمائے حق کا مقام۔ ان کے ارشادات کی مفہومیت اوامر الٰہی کی متابعت۔ نواہی سے باز رہنے کی ہدایت۔ مختلف طبقات کے فرائض اور ذمہ داریاں۔ نصاریٰ کی ملک میں موجودگی کے مصالح۔ احیاء و سنت کی کوشش کی اہمیت ان سب نکات سے ہر انسان ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد اسمٰعیل شہید کی تحریک میں پوری تنظیم اور قوت کی کمی کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کا حضرت کی طبیعت پر برا ردِ عمل ہوا۔

---

[1] میر شجاع الدین صاحب کا تذکرہ تاریخ برہان پور۔ تاریخ گلزار آصفی۔ تذکرہ اولیائے دکن۔ مآثر دکن۔ مناقب شجاعیہ میں تفصیلی طور سے درج ہے

حضرت کیفی نے اس وقت کی علم دوستی کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک قطعہ لکھا:۔ (قطعہ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۱۱)

و۲۶۵۔ حضرت کے فرزند حاجی میر عبداللہ بھی قاری و عالم و عابد تھے۔ برہان پور تشریف لے گئے تھے واپسی کے وقت ادگیر کے نواح میں رات کو قیام کیا آدھی رات کو تہجد کے لئے اٹھ کر وضو کے ارادے سے باؤلی پر گئے۔ اندھیرے میں باؤلی میں گر کر شہید ہو گئے۔ وہاں سے نعش حیدرآباد لا کر دفن کی گئی۔ حضرت کی ایک لڑکی بھی تھی جن کی شادی عبدالکریم سے کی گئی ان سے ایک لڑکا محمد اسمٰعیل نامی ہوا۔

و۲۶۶۔ حضرت میر شجاع الدین کا انتقال ۱۲۶۵ھ میں ہوا۔ حاجی میر عبداللہ کے فرزند مولوی میر دائمؒ صاحب جو ہمہ صفات موصوف تھے۔ حضرت کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ مولوی محمد دائمؒ صاحب کے چار فرزند ہوئے (۱) میر عبداللہ (۲) میر شجاع الدین ثانی (۳) میر عبدالقادر (۴) میر احمد حسین۔ میر دائمؒ کے ہمشیرہ کی شادی سید محمد بادشاہ حسینی سے ہوئی۔ جن کا ذکر بعد ازاں آئے گا۔

میر شجاع الدینؒ صاحبؒ کی قبر میر جملہ کے تالاب کے کنارے ایک بڑے گنبد میں ہے۔ اطراف و جوانب میں بہت سے مریدین و قراء کی قبریں ہیں جن میں ایک قاری عبدالحق بھی ہیں۔

جب محمد نے بسایا حیدرآباد دکن	؎	درسنین حفظ از روئے جمل کر لو حساب (محمد قلی قطب شاہ)
چار مینار بنایا مدرسے کے واسطے	؎	اور دیا حافظ نے تاریخ بنائے لاجواب
کیسے کیسے تھے دکن میں قدردانِ علم و فن	؎	لوگ کیا کیا جمع ہوتے تھے فضیلت انتساب
شیخ عین الدین گنج العلم تھا جن کا لقب	؎	تھے یہی اطوار الابرار۔ ان کی ابتک ہے کتاب
تین دن ہفتے میں خود فیروز شاہ بہمنی	؎	درس دیتا تھا فرشتے نے لکھا ہے اس کا باب
ملا فتح الدین شیرازی۔ حبیب اللہ شاہ	؎	شیخ علم اللہ محدث۔ جن کا علامہ خطاب
اور علامہ محمد ابن خاتون یا فقیہہ	؎	مولوی عبدالکریم اک ایک فرد لاجواب
مولوی حافظ شجاع الدین صاحب قادری	؎	درس گاہیں ان سبھوں کی تھیں نہایت کامیاب

شیخ القراء نور الھدیٰ ۱۲۳۰ھ

شاگرد

شیخ القراء شاہ رفیع الدین قندھاری ۱۲۴۱ھ

خلیفہ
شاہ شجاع الدین

فرزند و خلیفہ
شاہ قیام الدین
شاہ رفیع الدین
شاہ سعید الدین

شاگرد
قاری قمر الدین

شاگرد
قاری شمس الدین فیض

فرزند
حاجی عبداللہ

شاگرد
قاری بادشاہ حسینی ۱۲۸۶ھ

فرزند
محمد دائم حافظ و قاری

لڑکی + عقد
بادشاہ حسینی وفات ۱۲۸۶ھ

میر عبداللہ — میر شجاع الدین ثانی — میر عبدالقادر — میر احمد حسین

قاری سید محمد صدیق
قاری سید عثمان حسینی
شاگرد تونسی صاحب

قاری سید احمد علی
شاگرد قاری تونسی صاحب

قاری سید محمود بکی

قاری حافظ سید عمر برادر [illegible]
شاگرد قاری تونسی صاحب
وفات ۱۳۳۰ھ
سید بادشاہ حسینی صاحب

نقشہ ہندوستان

دورِ شجاعیہ سنہ ۱۲۰۰ھ تا سنہ ۱۳۴۰ھ میں قراءت
کی وسعت

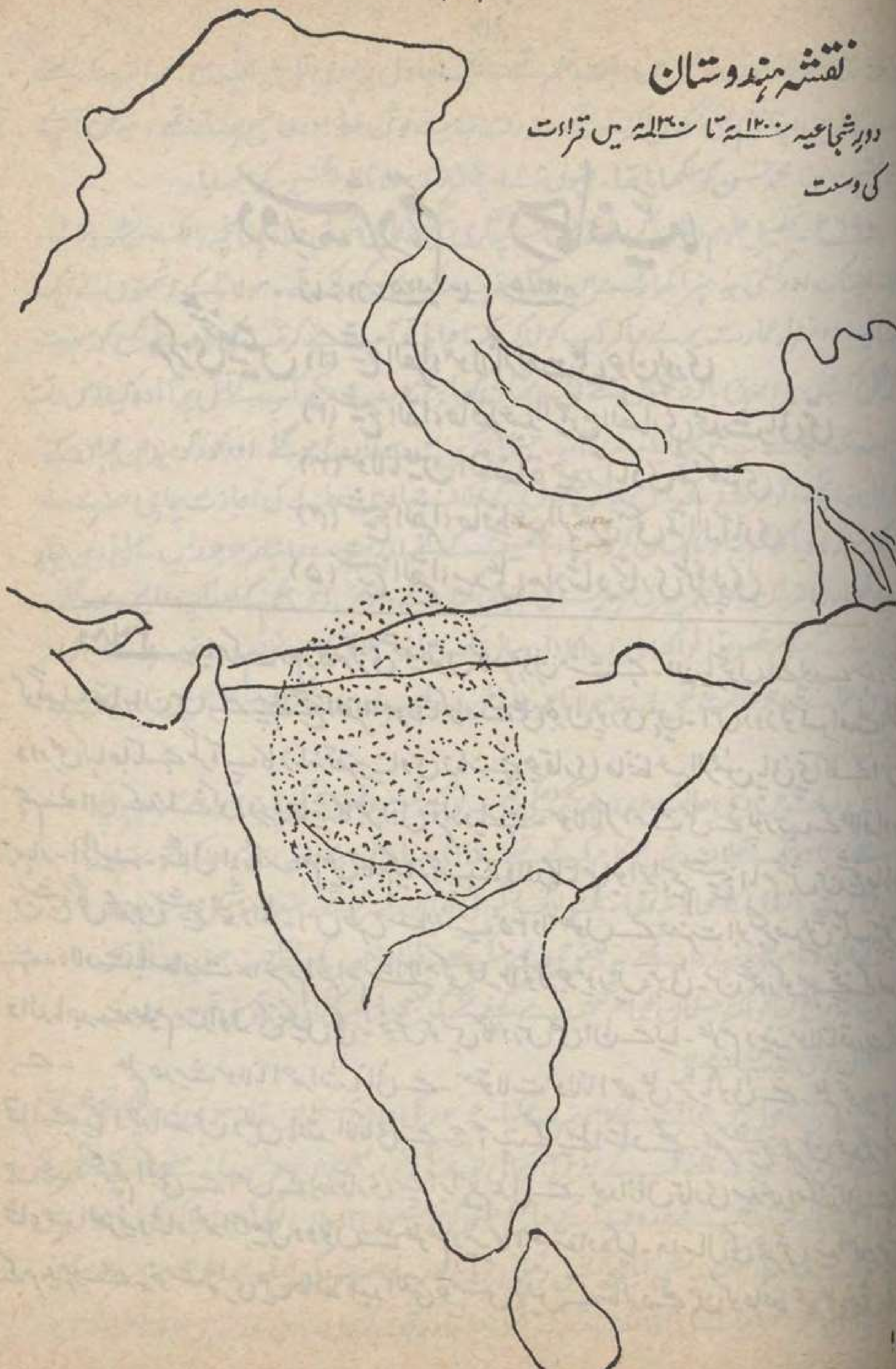

دورِ سیزدہم رحمانیہ

زمانہ از ۱۲۵۰ھ تا ۱۳۷۵ھ

مرکزی شخصیتیں (۱) شیخ القراء مولانا کرامت علی جون پوری
(۲) شیخ القراء حافظ عبد الرحمٰن انصاری محدث پانی پتی
(۳) مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی ثم لکھنوی
(۴) شیخ القراء حافظ عبد الرحمٰن مکی ثم الہ آبادی
(۵) شیخ القراء سید علی مراد شاہ بخاری کڑپوی

---

۲۶۸ - یہ بابرکت دور ۵ مرکزی شخصیتوں کا مرہونِ منت ہے۔ ان پانچوں نے پورے ہندوستان کو گھیر لیا تھا ان میں سے پہلے شیخ القراء مولانا کرامت علی جون پوری ہیں۔ اس دور کو کرامت اللّٰہی دور بھی کہا جاتا ہے مگر آپ کا زمانہ تقریباً وہی زمانہ ہے جو قاری حافظ عبد الرحمٰن پانی پتی کا ہے اس لئے ہم نے ان کے زمانے کو دورِ رحمانیہ کا جزاول قرار دیا ہے۔ مولانا کرامت علی نے پورب کے علاقہ اودھ بہار۔ اڑیسہ۔ بنگال اور آسام میں کام کیا۔ آپ کے والد کا نام ابو ابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ بن شیخ گل محمد بن شیخ محمد دائم۔ اس طرح سلسلۂ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ ولادت باسعادت ۱۸ محرم الحرام ۱۲۱۵ھ کو محلہ ملا ٹولہ جونپور میں ہوئی۔ سن شعور کو پہونچنے کے بعد والد ماجد سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ خوش نویسی کا درس بھی ان سے لیا۔ علوم دینیہ مولانا قدرت اللہ سے۔ علم حدیث مولانا احمد اللہ انامی سے۔ معقولات مولانا احمد علی چڑیا کوٹی سے۔ علم تجوید و قراءت شیخ احمد اللہ بن دلیل اللہ الانامی سے۔ جو آپ کے پہلے استاد تھے۔ پھر شیخ عمر بن عبد الرسول بن عبد الکریم المکی سے اس کے بعد قاری سید ابراہیم مدنی سے۔ بعد ازاں قاری سید محمد اسکندرانی سے شاہ عبد العزیز و شاہ محمد اسمٰعیل دونوں سے علوم دینیہ کا استفادہ کیا۔ ۱۸ سال کی عمر میں سید احمد بریلوی کے مرید ہوئے۔ خوشنویسی میں حافظ عبد الغنی خوش نویس کے شاگرد تھے جن کو حافظ محمد علی خوش رقم

سے تلمذ تھا۔ مولانا خوش نویسی میں ہفت قلم تھے۔ ایک چاول پر پوری قل ہو اللہ مع بسم اللہ کے لکھتے تھے اور آخر میں اپنا نام بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ حروف نہایت خوش خط اور واضح ہوتے تھے۔ یہ فن آپ نے اپنے بھتیجے مولانا محمد حسن کو سکھایا تھا۔ انہوں نے اپنے فرزند مولانا ابوالحسین کو سکھایا۔

۲۶۹ تحصیل علوم دینیہ کے ساتھ فن سپہ گری سیکھنے کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ بانک۔ پٹہ۔ بنوٹ۔ گتکا۔ بھینک اور کشتی یہ ہنر اکھاڑے میں جا کر مغرب کے بعد سیکھا کرتے۔ مولانا کے دشمنوں نے ایک دفعہ ایک دو منزلہ عمارت پر لے جا کر آپ کو ہلاک کرنا چاہا تو آپ اپنے کرتب کی مدد سے مجمع کو مبہوت بنا کر نکل آئے۔ دوسری بار دشمنوں نے ایک پٹھان کو پانچ سو روپے دیکر آپ کے قتل پر آمادہ کیا اس وقت بھی اللہ تعالےٰ نے آپ کو بچا لیا۔ جب آپ جسمانی تربیت سے فارغ ہو گئے اور خود کو میدان جہاد کے لئے اہل بنا چکے۔ تو مرشد کے پاس جا کر سکھوں کے خلاف جہاد میں جانے کی اجازت چاہی حضرت نے آپ کو مشورہ دیا کہ تم جہاد باللسان کرو جہاد بالسیف کے لئے اور بہترے جانباز موجود ہیں۔ تبلیغ دین جہاد اکبر ہے تمہاری زبان اور قلم میری ہدایت کی ترجمانی کریں گے۔ غرض اس حکم کے بعد آپ واپس ہو گئے۔ بنگال۔ بہار۔ آسام خصوصاً نواکھالی میں اکاون سال تک برابر اصلاحی کام انجام دیتے رہے۔ اس زمانہ میں اس علاقے کی جو حالت تھی اسے مولانا عبدالباطن نے "سیرت مولانا کرامت علی" میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ:۔

"اس زمانے میں دینی حالت حد درجہ بگڑ چکی تھی۔ لوگ صوم وصلوٰۃ کی پابندی سے آزاد ہو چکے تھے۔ بلا درنگ خلاف شرع کام کرتے تھے۔ شادی بیاہ میں ہندوانہ رسوم ادا کرتے۔ ستر اور لباس کی پابندی کا لحاظ نہ تھا۔ اکثر لوگ لنگوٹی ہی میں بسر کرتے۔ ہندوانہ شکل وشباہت کے علاوہ نام بھی ہندوانہ تھے۔ بعض جمعہ سے منکر تھے۔ ظہر اور عصر کے لئے جب حضرت نے اذان دینا شروع کیا تو اکثر مسلمان عوام تعجب سے کہنے لگے کہ صبح وشام کی اذان تو سنی تھی یہ دن کی اذان تو نئی حدت ہے"

غرض اس ماحول میں حضرت نے کام شروع کیا۔ جونپور کی جامع مسجد میں نماز موقوف ہو چکی تھی۔ عبادت کے بجائے کھیل تماشے کے لئے کلب کے طور پر استعمال ہونے لگی تھی۔ صحن میں مویشی باندھے جاتے تھے جن کا گوبر بھی وہیں پڑا رہتا۔ آپ نے جد وجہد کر کے جامع مسجد کو مویشیوں اور ان لوگوں سے پاک کیا اور اس میں نماز باجماعت کا انتظام کیا۔ منشی امام بخش رئیس جونپور نے حضرت کی ایما سے اس مسجد میں مدرسہ حنفیہ قائم کیا۔ جس کے اخراجات کی کفالت کے لئے بڑی جائداد وقف کر دی۔ اس مدرسہ میں اکابر علماء درس

دیتے رہے۔ یہاں تجوید و قراءت تفسیر و حدیث کا درس دیا جاتا تھا۔ پہلے مدرس مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (والد مولانا عبدالحی لکھنوی) مقرر ہوئے۔ حافظ احمد صاحب نے مولانا سے قرآن حفظ کیا۔ قراءت سیکھی اور کتب درسیہ پڑھیں۔ مولانا عبدالحی مدرسہ حنفیہ میں رہ کر قرآن پاک حفظ کرتے رہے۔

۲۷۰ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں حضرت کرامت علی صاحب نے دو یورپین لیڈیوں کو قتل سے بچایا۔ اس کے معاوضے میں حکام نے راجہ ادارت جہاں کا ضبط شدہ علاقہ آپ کو انعام میں دینا چاہا۔ مگر آپ نے اس کو قبول نہ کیا۔

۲۷۱ جب آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں سید محمد اسکندرانی سے دو ڈھائی سال قراءت سیکھتے رہے ان سے سند حاصل کرنے کے بعد عربی کے ایک مختصر رسالے کا جو اس وقت بہت مقبول تھا اردو میں ترجمہ کیا اور سید محمد کے فرزند سید ابراہیم کو دکھایا صاحب موصوف نے اس کا نام زینت القاری تجویز کیا۔ کرامت علی صاحب نے اس رسالے کے ساتھ مزید مضامین بھی شریک کئے اور اس مزید مضمون کا نام "رسالہ معروف بہ مخارج الحروف" رکھا۔ اس کے بعد آپ نے شرح جزری ہندی لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔ اب تک کئی بار چھپ چکی ہے۔ بازار میں ہر جگہ ملتی ہے۔ آپ نے اس کتاب کی تمہید میں اس زمانے کی حالت پر بہت اچھی روشنی ڈالی ہے جس کو ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں:۔

"سارے علوم سے افضل قرآن مجید کے حرفوں کی تجوید اور اس کے لفظوں کی تحسین و تصحیح کا علم ہے جو قرآن مجید کے علموں میں سے اصل اور جڑ ہے۔ کیوں کہ یہ علم اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے علم مانند شاخ کے ہیں بجائے احوال و صفات قرآن کے۔ مگر اس وقت ہمارے ملک میں اس کا نور بجھ گیا اور اس کا نشان باقی نہیں رہا۔ ایسے لوگ جو اس کو سیکھنے سکھلانے میں مشغول ہوں کھوئے گئے اور ایسے لوگ جو اس علم کی تلاش کریں اور اس کو درست کرنے میں لگے رہیں گم ہو گئے لوگ پڑھتے ہیں مگر سین و صاد میں فرق نہیں کرتے اس کی تلاوت کرتے ہیں مگر ضا اور ضاد کو جدا نہیں کرتے یہ خاکسار بھی اس غلط خوانی اور تحریف کلمات قرآنی کی بلا میں (اگرچہ قصداً نہ تھی) گرفتار تھا۔ حروف کی تجوید اور قرآن کی تحسین نہیں جانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ میں جانتا ہوں۔ بارے الحمد للہ کہ ازل کی توفیق کے سبب سے اپنی غلط خوانی پر مطلع ہوا اور اپنی ناواقفی پر شرمندہ و پشیمان ہوا۔ تجوید کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو واجب جانا تب ایک مدت دراز تک اس کے سیکھنے اور تحقیق کرنے پر کمر ہمت باندھی۔ دن رات کی محنت کو اپنے اوپر برداشت کیا۔ عرب کے قاریوں کی صحبت اختیار کی۔ خصوصاً قاری

بجو دقرآنی سید محمد اسکندرانی رحمتہ اللہ علیہ کی شاگردی میں داخل ہو کر دو ڈھائی سال ان سے قراءت سیکھتا رہا۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ جس قدر مقدور تھا اس علم کا حصہ دیا شرح ہندی کو اپنے مقدور بھر تجوید کے بھیدوں کو کھولنے۔ بیان کرنے اور سمجھانے کے لئے رکھا"

۲۷۲ ہندوستان واپس آنے کے بعد مولانا کرامت علی کی قراءت کی شہرت ہوئی۔ خوش الحان تھے۔ پرسوز آواز سے پڑھتے تھے جس سے سننے والوں پر اثر ہوتا۔ مصنف "تجلی نور" ان کے بارے میں فرماتے ہیں "از علمائے ناموراں دیار واز مشاہیر واعظ ہندوستان بود۔ ذات بابرکاتش سرمایہ ناز جونپور بود۔ قاری ہفت قراءت بودے۔ کلام مجید را بہ آواز خوش و بہ لحن پُر درد خواندے۔ خامہ اش اصل اصول کلک خطاطان زمن و در خوش خطی نستعلیق و نسخ و طغرا دستگاہش احسن بریک دانہ برنج قل ہو اللہ تمام نوشتے۔"

۱۲۹۰ھ میں رنگ پور میں انتقال ہوا۔ وہیں دفن ہیں

۲۷۳ مولانا کرامت علی نے شرح شاطبی بھی لکھی ہے۔ نیز کوکب دری کے نام سے سلیس اردو میں لغات قرآنی کا ترجمہ کیا۔

اقوال وملفوظات ۲۷۴ (۱) جب تک ہر مسلمان اپنے سارے مقدمات و معاملات کو شریعت محمدی کی طرف رجوع نہ کرے گا اور اس کے رسول کو (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مقدموں اور معاملوں میں حکم نہ مقرر کرے گا اور جو فیصلہ شریعت میں نکلے گا اس کو دل کی خوشی سے قبول نہ کرے گا تب تک وہ شخص مومن نہ ہوگا۔

(۲) جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ باطنی باتوں کی تعلیم کا بیان کتاب میں نہیں ہے سینہ بہ سینہ چلی آتی ہے سو وہ غلط ہے۔ کیوں کہ جو بات کتاب میں نہیں ہے وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے اور دین کی بات نہیں ہے۔

(۳) نیک لوگوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے۔ اور بد لوگوں کی صحبت بد کام سے بدتر ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی عادت یوں ہی جاری ہے کہ اپنے بندوں کو مرشد کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کرتا ہے اس کو مرشد نہیں ملتا۔ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا

(۵) طریقت آدمی کے نفس کے تزکیہ اور نفس کے فساد کی اصلاح کے واسطے ہوتی ہے اور نفس کا فساد ہر ملک و ہر زمانہ میں بدلا کرتا ہے۔ اسی واسطے طریقے بھی اس وقت کے لوگوں کے نفس کے فساد کی اصلاح کے مناسب ہوا کرتے ہیں۔

(۶) اس خاکسار نے خوب تجربہ کر لیا ہے کہ جب آدمی فضول کام میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کی سابق

کی پرہیزگاری بھی جاتی رہتی ہے۔ سو آدمی سے فضول کام ہو جائے تو فی الفور توبہ کرے۔ اور پھر فضول کام کے پاس نہ جائے۔

(۷) مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے واسطے قرآن کی تلاوت کا کچھ حصہ مقرر کرے۔ دن رات کے سارے وقتوں میں سے ایک وقت قرآن کی تلاوت کے واسطے مقرر کرلے۔

(۸) یہ خاکسار کہتا ہے شریعت محمدی نے ہم کو ساری شریعتوں سے بے نیاز کر دیا ہے کیا چیز ہے جو شریعت محمدی میں نہیں ہے یہاں تک کہ توریت تک کے پڑھنے سے حضرت ناراض ہوئے تو شرکوں اور جوگیوں کے طریقے کے موافق عمل کرنے یا نجوم کے موافق عمل کرتے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب میں کس قدر گرفتار

(۹) عید کے روز سیویاں کھانے کے متعلق خاکسار نے حضرت مرشد سے پوچھا۔ سن کے فرمایا کہ مولانا کھانے پینے میں بدعت نہیں ہوتی۔ عید کے روز میٹھا کھانا مسنون ہے۔ سیویاں بھی اسی میں داخل ہیں۔

(۱۰) جو کوئی نماز نہ پڑھے گا وہ شخص کتنی ہی عبادت و نیکی۔ خیرات و عمل صالح کرے مگر اس کا نفس نہ بنے گا۔ اور یہ بات بھی بدیہی ہے کہ اپنے نفس کی خرابی کسی کو پسند نہیں تو اسی صورت میں بے نمازی رنج کب کسی کو پسند آئے گا۔

۲۷۵ مولانا کرامت علی نے چار بیویاں کیں۔ پہلی بیوی سے (۱) حافظ احمد علی (۲) حافظ محمود علی اور چھ لڑکیاں ہوئیں۔

دوسری بیوی لاولد رہیں۔

تیسری بیوی سے مولانا حامد علی پیدا ہوئے۔

چوتھی بیوی سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے (۱) محمد عمر علی (۲) مولانا عبدالاول۔ ان میں اکثر قاری و حافظ تھے۔ جن کے تفصیلی حالات آئندہ آئیں گے۔

آپ کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل ممتاز تھے۔

(۱) قاری محمد جاوید سلہٹی (۲) قاری غلام سرور تبروی

(۳) قاری محمد احمد تبروی (۴) قاری حافظ محمد حاتم امام مسجد کولوٹولہ کلکتہ

(۵) قاری عبدالرحمٰن ڈھاکوی (۶) قاری آقا شجاعت علی — گوال پاڑوی

(۷) قاری مولانا حافظ احمد علی جونپوری فرزند (۸) قاری مولانا عبدالقادر۔ جونپوری بھتیجے

(۹) قاری مصلح الدین بھتیجے (۱۰) قاری حافظ محمود علی فرزند

(۱۱) قاری مولانا محمد محسن بھتیجے (۱۲) قاری مولانا محمد علی جونپوری

(۱۳) قاری مولانا حامد علی فرزند　　(۱۴) قاری حافظ عبدالاول جونپوری فرزند

ف ۲۷۶ مولانا کرامت علی کے بھائی قاری رجب علی بھی فن تجوید و قراءت کے عالم تھے۔ ان کے تین فرزند قاری ہوئے (ملاحظہ ہو شجرہ)

ف ۲۷۷ قاری حافظ احمد علی دوسرے فرزند تھے۔ چوں کہ بڑے لڑکے عبداللہ نوعمری میں انتقال کر گئے اس لئے بعض سوانح نگاروں نے ان کو پسر اکبر ہی لکھا ہے:۔

"علوم متعارفہ از دانایان دیار خواندہ۔ بر مماثل و اقران خود برتری یافتند۔ عالم۔ حاجی۔ حافظ و قاری قرآن مجید بود۔ بعد از پدر سجادہ نشین شد"

ولادت سنہ ۱۲۵۰ھ وفات سنہ ۱۳۱۶ھ۔ ڈھاکہ میں مزار ہے۔

ف ۲۷۸۔ دوسرے فرزند قاری حافظ محمود علی تھے ولادت سنہ ۱۲۵۶ھ وفات سنہ ۱۲۹۶ھ عمر ۴۰ سال آپ کے فرزند عبدالرب اور پوتے قاری حافظ محمود علی ہیں۔ سنہ ۱۳۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ تجوید و قراءت اپنے ماموں ابوالبشر سے سیکھی۔ بہت اچھے قاری ہیں۔ پُردرد آواز سے پڑھتے ہیں۔ جونپور میں قیام ہے تبلیغی و اصلاحی دوروں پر بنگال جاتے رہتے ہیں۔

ف ۲۷۹ قاری حافظ عبدالاول مولانا کرامت علی کے پانچویں فرزند تھے۔ بروز چہار شنبہ سنہ ۱۲۸۳ھ میں بمقام سندیپ ضلع نواکھالی پیدا ہوئے۔ علوم پہلے والد سے اور پھر چچازاد بھائی مولانا مصلح الدین سے سیکھے۔ دوسرے چچازاد بھائی حافظ محمد حسن سے قرآن حفظ کیا۔ قراءت سیکھی۔ کتب عربیہ کی تکمیل برادر حافظ محمود علی سے کی۔ سنہ ۱۲۹۰ھ میں والد کا انتقال ہوا۔ سنہ ۱۲۹۷ھ میں حفظ ختم کیا۔ سنہ ۱۲۹۸ھ میں تراویح میں ختم سنایا۔

ف ۲۸۰ سنہ ۱۳۰۳ھ میں عبدالاول صاحب اپنے خالو حافظ عابد حسین کے ساتھ حج کے لئے گئے۔ بعد ازاں بغرض حصول علم مکہ معظمہ میں قیام کیا۔ مدرسہ صولتیہ میں مولانا رحمت اللہ ہندی سے علوم سیکھے۔ پھر مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی سے مل کر تفسیر و حدیث کا دور کیا۔ قاری حفیظ الدین مکہ معظمہ میں حفظ کر رہے تھے۔ وہ آپ کی خدمت کرتے رہے۔ حافظ عبدالاول حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ دوبارہ حج کر کے ایک بار زیارت نبویہ سے مشرف ہو کر سنہ ۱۳۰۵ھ میں واپس ہوئے۔ مولانا محمد حسن ابن مولانا رجب علی کی دختر سے شادی ہوئی۔ پانچ لڑکے چھ لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) عبدالآخر ولادت سنہ ۱۳۱۳ھ

(۲) محمد حماد عبدالظاہر　ولادت سنہ ۱۳۱۶ھ　وفات سنہ ۱۳۵۸ھ

(۳) عبدالباطن ولادت ۱۳۱۸ھ (زندہ ہیں)

(۴) عبدالسلام ولادت ۱۳۲۰ھ وفات ۱۳۷۶ھ

(۵) محمد عبدالاخر ولادت ۱۳۲۴ھ (زندہ ہیں)

ان میں سے اکثر عالم و قاری تھے۔

۲۸۱ مولانا عبدالاول صاحب تلاوت قرآن کے بڑے پابند تھے بلا تعین وقت برابر یہ سلسلہ جاری رکھتے بعد ختم قرآن ارواح مسلمین کو ثواب بخش دیتے۔ قرآن مجید سے آپ کو ایسا لگاؤ تھا کہ اگر کوئی اچھا پڑھنے والا قاری مل جاتا تو اس سے قرآن سنتے۔ اس کی عزت و تکریم کرتے۔ رمضان شریف میں اکثر راتوں میں مساجد کی سیر کرتے اور حفاظ کا پڑھنا سنتے۔ ایک مرتبہ بریلی کے ایک اچھے قاری حافظ آئے تو ان کی قراءت سن کر اس قدر خوش ہوئے کہ اپنی گھڑی ان کو دے دی۔

۲۸۲ عید الفطر کے بعد فالج ہوا۔ شب شنبہ ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ کو کلکتے میں وفات ہوئی۔ مانک تلہ کے باغ میں دفن کیا گیا وفات کے وقت ۵۵ سال کی عمر تھی۔

۲۸۳ قاری مولانا رجب علی کے تین فرزند تھے

(۱) قاری مولانا عبدالقادر جن کی ولادت ۱۲۵۵ھ میں اور وفات ۱۳۳۰ھ میں ہوئی۔ یہ اچھے قاری اور عالم تھے۔ مولانا کرامت علی کے بھتیجے اور داماد تھے۔ تجوید کی سند اپنے چچا سے لی

(۲) مولانا قاری محمد محسن قاری سبعہ۔ مولانا کرامت علی صاحب نے ۱۲۸۶ھ میں سند دی جو ان کے خاندان میں مولانا مظفر احمد صاحب کے پاس موجود ہے۔ جو میں نے دیکھی ہے۔ وفات ۱۳۲۱ھ میں ہوئی۔ آپ کے متعلق نور الدین نے تجلی نور میں لکھا ہے کہ

"علوم درسیہ از مفتی اسد اللہ خاں محمدی و علوم قراءت و مشق خط نستعلیق و نسخ از عم خود مولانا کرامت علی حاصل کردند۔ بر یک دانہ برنج سورۂ اخلاص می نوشتند۔ از خوان نعمائے افضل الفقہاء والمحدثین مولانا شیخ عبدالرحمٰن مغربی ذلہ ہائے فیض وافر برچیدند قراءت سبعہ مشق می کردند و استفادۂ تحصیل کتب حدیث ہم نمودند۔ قرآن مجید را بہ الحان خوش و آواز پُر درد می خواندے۔"

ایک بار قاری عبدالرحمٰن مکی سے الہ آباد میں ملاقات ہوئی۔ قاری محمد محسن صاحب سے قراءت سن کر قاری عبدالرحمٰن صاحب لپٹ گئے اور فرمایا کہ ایسے قاری سے ہندوستان میں کم ملاقات ہوتی ہے۔

(۳) مولانا رجب علی صاحب کے تیسرے فرزند قاری حافظ مولانا محمد احسن تھے ولادت ۱۲۶۴ھ

وفات ۱۳۷۷ھ - عمر ۸۰ سال یہ بھی اچھے قاری حافظ و عالم تھے۔ شبینہ میں قرآن سناتے تھے۔ تہجد میں اپنے طور پر ختم کرتے۔

۲۸۴ قاری عبد القادر کے دو لڑکے تھے (۱) قاری عبد المتین (۲) قاری ابو الفرح۔ قاری عبد المتین کی ولادت ۱۲۷۶ھ۔ وفات ۱۳۳۶ھ۔ عمر ۶۰ سال۔ تجوید و قراءت و علوم اپنے والد سے سیکھے۔ دوسرے فرزند مولانا ابو الفرح کی ولادت ۱۲۸۷ھ۔ وفات ۱۳۵۷ھ عمر ۷۰ سال۔ والد ہی سے قراءت و علوم سیکھے۔ قاری عبد القادر کے فرزندوں کے علاوہ ایک شاگرد قاری عبد الرحیم بھی ہیں جو پورتیہ میں درس تجوید دیتے ہیں ان کی عمر ۹۰ سال کی ہو گئی ہے

۲۸۵ مولانا قاری ابو البشر قاری عبد الاول کی بڑی بہن کے بیٹے تھے عمر میں عبد الاول صاحب سے چھوٹے اور بچپن کے ساتھی تھے ولادت تقریباً ۱۲۸۵ھ وفات تقریباً ۱۳۵۰ھ۔ تجوید و قراءت و علوم حافظ احمد علی اور قاری عبد القادر سے حاصل کئے پھر درس و تدریس میں لگے رہے۔

۲۸۶ قاری مولانا ابو الحسین ابن مولانا محمد محسن بن قاری رجب علی۔ وطن جونپور ولادت ۱۳۰۲ھ تجوید و قراءت اپنے والد سے سیکھی۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے مرید ہوئے درس و تدریس و تبلیغ میں لگے رہے۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ کو وفات ہوئی۔

---

[1] تجلی نور تذکرہ مشاہیر جونپور از ابو البشارت سید نور الدین زیدی حصہ دوم و تذکرہ علمائے ہند از رحمٰن علی و شرح جزری ہندی و سیرت مولانا کرامت علی جونپوری از مولانا عبد الباطن و سیرت مولانا عبد الاول جونپوری از مولانا ابو البشر و مولانا عبد الباطن۔

شیخ جار اللہ

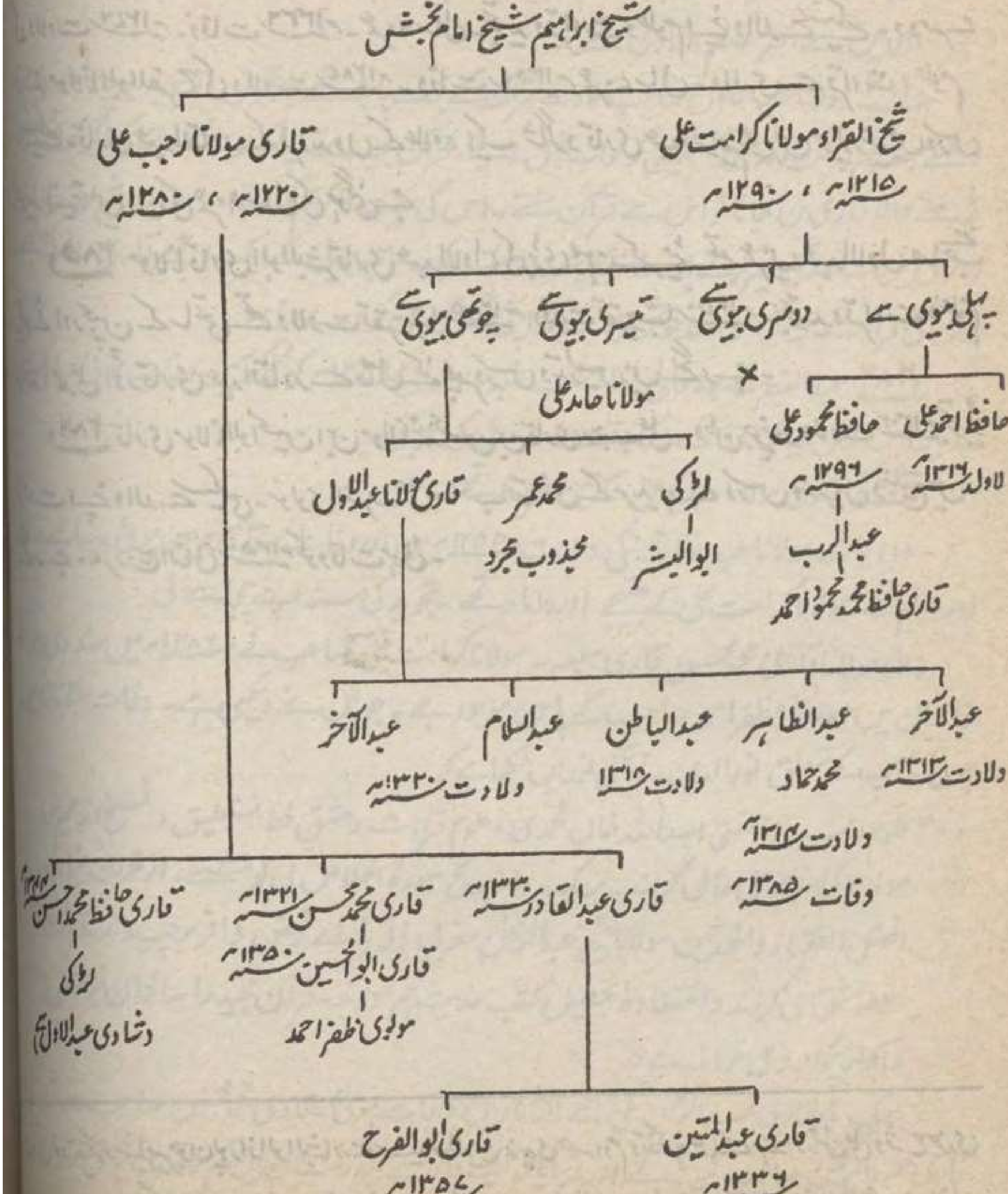
شیخ ابراہیم شیخ امام بخش
قاری مولانا رجب علی
۱۲۲۰ھ ، ۱۲۸۰ھ
شیخ القراء مولانا کرامت علی
۱۲۱۵ھ ، ۱۲۹۰ھ
پہلی بیوی سے
دوسری بیوی سے
تیسری بیوی سے
چوتھی بیوی سے
×
مولانا حامد علی
حافظ احمد علی
لاولد ۱۳۱۶ھ
حافظ محمود علی
۱۲۹۶ھ
عبد الرب
قاری حافظ محمد محمود احمد
لڑکی
ابوالبشر
محمد عمر
مجذوب مجرد
قاری مولانا عبد الاول
عبد الآخر
ولادت ۱۳۱۳ھ
عبد الظاہر
محمد حماد
ولادت ۱۳۱۴ھ
وفات ۱۳۸۵ھ
عبد الباطن
ولادت ۱۳۱۶ھ
عبد السلام
ولادت ۱۳۲۰ھ
عبد الآخر
قاری عبد القادر ۱۳۳۰ھ
قاری محمد محسن ۱۳۲۱ھ
قاری ابوالحسین ۱۳۵۰ھ
مولوی ظفر احمد
قاری حافظ محمد احسن ۱۳۲۴ھ
لڑکی
(شادی عبد الاول)
قاری عبد المتین
۱۳۳۶ھ
قاری ابوالفرح
۱۳۵۷ھ

شیخ القراء، حافظ محدث عبدالرحمٰن انصاری پانی پتی

۲۸۸ - مولانا کرامت علی صاحب کے بعد یہ دور دو عبادالرحمٰن کے مساعی جمیلہ کا مرہون منت ہے ان میں سے پہلے شیخ القراء، حافظ عبدالرحمٰن انصاری محدث پانی پتی ہیں۔ جنہوں نے دہلی۔ پانی پت۔ ٹونک باندا اور گجرات میں فیضان پہونچایا۔

دوسرے شیخ القراء عبدالرحمٰن مکی الہ آبادی ہیں۔ جن کا اثر اتر پردیش۔ بہار۔ اڑیسہ اور بنگال تک پھیلا۔ ان دونوں بزرگوں نے شمالی ہند اور بڑی حد تک مشرقی ہند کو برکات قراءت سے معمور کر دیا۔ ایسا عجیب ماحول پیدا کیا کہ خواص کے سوا عوام کو بھی قرات و تجوید سے دلچسپی ہوگئی۔ پہلے حضرت عبدالرحمٰن پانی پتی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۲۸۹ - حضرت عبدالرحمٰن انصاری پانی پتی حضرت ایوب انصاری رضؓ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے جد امجد خواجہ خدا بخش قاری تھے۔ حضرت عبدالخالق منوفی کے سلسلے کے قراء سے تجوید و قراءت سیکھی تھی۔ خواجہ خدا بخش کے تین فرزند تھے۔

(۱) بڑے فرزند قاری خدا داد بخش

(۲) منجھلے فرزند قاری مولانا شاہ محمد

(۳) چھوٹے فرزند قاری حافظ احمد۔

یہ تینوں یگانہ روزگار مجود تھے۔ ان تینوں بزرگوں نے شیخ القراء مصلح الدین عباسی پانی پتی سے تجوید و قراءت سیکھی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن محدث پانی پتی مولانا شاہ محمد کے فرزند تھے۔ مولانا شاہ محمد نے شیخ القراء مصلح الدین عباسی سے تجوید و قراءت و حفظ کی تکمیل کی تھی پھر مولانا شاہ عبدالعزیز سے دیگر علوم کی تکمیل کی تھی۔ عرصہ تک شاہ محمد اسمٰعیل کے ساتھ رہے۔ پھر حاجی شاہ عبدالمجید المعروف بہ صوبہ ہند سے قرات سبعہ و کتب فن پڑھیں۔ قاری نجیب اللہ سے بھی یہ فن سیکھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز سے بیعت ہوئے۔ شب بیدار متقی و پرہیزگار تھے آپ کے ساتھ آپ کے فرزند عبدالرحمٰن نے بھی حضرت

لہ شیخ القراء عبدالرحمٰن انصاری پانی پتی کے حالات کا بیشتر حصہ تذکرہ الصالحین المعروف بہ تذکرہ رحمانیہ از عبدالحلیم سے لیا گیا ہے کچھ حصہ حضرت کے تلامذہ کی زبانی سن کر درج کیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے قراءت سبعہ کی تعلیم پائی تھی۔ مولانا قاری حافظ شاہ محمد کا انتقال ۱۲۴۰ھ
میں ہوا۔ پیر محمد ماہ سجادہ نشین مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء حضرت عبدالرحمٰن کے نانا تھے۔

و ۲۹۰ حضرت عبدالرحمٰن کی ولادت نانا کے گھر میں ۱۲۲۷ھ میں ہوئی۔ بسم اللہ کے بعد آپ نے
اپنے والد سے تعلیم شروع کی۔ والد ہی نے تجوید سے قرآن مجید حفظ کرایا۔ پھر فارسی کی درسی کتابیں اور
کچھ عربی شروع کی۔ ہدایت النحو تک کتابیں پڑھ چکنے کے بعد والد نے بالضبط قواعد قراءت سبعہ
کی تعلیم دی۔ والد کے ہمراہ مولانا شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں جایا کرتے۔ ان کے مواعظ میں بھی
شریک رہتے۔ تیرہ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوا۔ اس وقت حضرت کے چچا قاری قادر بخش قلعۂ
معلٰی میں شہزادوں کے استاد تھے۔ چچا نے دہلی بلالیا۔ دہلی کی فضا میں حضرت کی طبیعت پڑھنے سے
اچاٹ ہوگئی۔ دو سال تک یہ سلسلہ رہا۔ اس عرصے میں کئی بار والد کو خواب میں دیکھا کہ ناراض ہیں
ایک مرتبہ حضور اکرم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور اکرمؐ نے سینے سے لگالیا۔ نتیجہ یہ کہ شرح صدر ہوگیا
تعلیم کا سلسلہ ۱۲۴۲ھ سے شروع ہوا۔ چچا سے تحصیل علوم کرنے لگے۔

حضرت کے اساتذہ

و ۲۹۱ حضرت مولانا قاری شاہ امام الدین صاحب یہ مولانا شاہ غلام علی
کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ نے تجوید و قراءت مولانا قاری محمد المعروف بہ مولانا
کرم اللہ دہلوی سے حاصل کی تھی اور ان کے شاگرد رشید مانے جاتے تھے۔ شاہ امام الدین صاحب امرائے
میں درس و تدریس میں مصروف تھے۔ ڈھائی سال تک قاری عبدالرحمٰن نے شاہ امام الدین سے پڑھا۔
یہ زمانہ عسرت کا تھا۔ کبھی فاقہ بھی ہوجاتا تھا۔ تاہم کام میں برابر منہمک رہے۔ قراءت سبعہ کی باقاعدہ
جمع الجمع تحصیل کی پھر شاطبیہ و دیگر کتب قراءت سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حاصل کی۔ ۱۲۴۵ھ تک یہ
سلسلہ جاری رہا۔

(۲) دوسرے استاد مولانا محمد قلندر صاحب محدث جلال آبادی سے حدیث کی تکمیل کی۔

(۳) مولانا مملوک علی صاحب سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔

(۴) ۱۲۵۳ھ میں شاہ محمد اسحاق صاحب کے درس میں داخل ہوئے اور ۱۲۵۶ھ میں دستار فضیلت
باندھی گئی۔!

(۵) علوم باطنی کی تکمیل ۱۲۵۸ھ میں ہوئی۔

(۶) قاضی شمہورش جنی صحابی سے حدیث مصافحہ کی سند لی۔

(۷) ۱۲۵۹ھ میں حج سے فارغ ہوئے ایک سال مکہ معظمہ میں قیام کیا۔ وہاں شاہ محمد اسحاق صاحب

نے سورہ صف سن کر سند عطا کی۔ پھر سند حدیث اور سند عام عطا کی۔

(۸) مکہ معظمہ میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے درس میں شامل رہے۔ دو سرا حج کر کے شاہ محمد اسحاق صاحب سے اجازت لے کر ہندوستان واپس آئے۔

۲۹۲ حج سے واپسی ۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔ کچھ دن پانی پت میں قیام کیا۔ وہاں وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔ پھر باندہ تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے والد مولانا عبدالحکیم صاحب جو باندہ میں نواب صاحب کے مدرسے کے مدرس اول تھے علوم سیکھتے رہے۔ رمضان میں جب قرآن مجید تراویح میں سنایا تو بڑی شہرت ہوئی نواب ذوالفقار علی خاں نے بڑی قدر و منزلت کی اور آپ کے لئے ایک جداگانہ مدرسہ قائم کیا۔ طلباء کا ہجوم ہونے لگا۔

۲۹۳ ۔ آپ کے ملنے والوں میں مولانا الطاف حسین حالی۔ ابن حسن۔ نواب صدر یار جنگ۔ حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی و مولانا اشرف علی صاحب تھے۔ حضرت اطمینان سے باندہ میں درس دے رہے تھے کہ غدر ہوا۔ حضرت نے لوگوں کو اس میں شرکت سے روکا۔ جہاد کے فتویٰ کی تردید فرمائی (۵۷) انگریزوں کو اپنے پاس پناہ دی۔ ڈنکن نامی ایک انگریز مدرسہ میں ۶ ماہ پناہ گزیں رہا۔ وہ اس کی بیوی اور لڑکی تینوں مسلمان ہو گئے مگر بعد میں وہ عیسائی ہو گیا اور یہ معلوم ہوا کہ وہ ڈر کر مسلمان ہوا تھا۔ غدر کے بعد آپ کئی ماہ صحرا میں رہے۔ پھر باندہ آکر درس و تدریس میں لگ گئے۔ امن قائم ہونے کے بعد کمشنر نے ایک لاکھ روپے کی جائداد کا مستحق قرار دیا مگر حضرت نے قبول نہ کیا۔

۲۹۴ آپ اتباع سنت کے سخت پابند تھے۔ اکثر وعظ و تلقین فرمایا کرتے۔ آپ کے وعظ میں بڑی جاذبیت ہوتی تھی۔ غوث علی شاہ صاحب آپ کے ہم عصر تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے وعظ میں شریک ہوئے تو سن کر فرمایا کہ میں نے بہت سفر کئے مجھے خبر نہ تھی کہ ایسا باکمال صاحب باطن بزرگ پانی پت ہی میں موجود ہے۔

۲۹۵ تجوید و قراءت اور دین کا علم عورتوں میں پھیلانے کے بڑے حامی تھے۔ چنانچہ ہر منگل کو عزیز و اقارب کے گھروں پر جاتے۔ ہر گھر میں تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر مسائل بتاتے جو عورتیں آپ کے گھر میں مسائل پوچھنے آتیں ان کے لئے الگ پردے کا انتظام تھا کہ مسئلہ پوچھ سکیں۔ حضرت کو تمبا کو ناپسند اور اس کی بو بھی ناگوار تھی۔ صاحب زادیوں کے ساتھ اور چند بی بیاں سبعہ قرات کا سبق لیا کرتی تھیں۔ آپ کی بینائی اخیر زمانے میں جاتی رہی تھی جس بی بی کی پڑھنے کی باری ہوتی وہ اچھی طرح کلی کر کے آتی تھیں تاکہ تمبا کو کی بو سے حضرت کو تکلیف نہ ہو۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ جن بی بی کی پڑھنے کی باری تھی وہ نہیں آئیں تو

آپ نے اپنی صاحب زادی کو پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ پاس جا کر پڑھنے لگیں۔ ادائی برابر نہ ہونے پر حضرت نے ٹوکا تیز تمباکو کی بو بھی آئی۔ تو حضرت نے جھلا کر کہا:۔

"جب منہ میں شیطان کا فضلہ بھرا ہو تو پھر صحیح تلفظ کی توفیق ہو چکی۔ چلی جاؤ میرے پاس سے"

اس جھڑکنے کا یہ اثر ہوا کہ ان سب بیبیوں نے تمباکو کھانا چھوڑ دیا۔ ان میں سے ایک سخت بیمار ہو گئیں طبیب نے تمباکو کا مشورہ دیا۔ مگر وہ نہ مانیں۔ بعض اوقات بزرگوں کی نصیحتیں اس طرح کارگر ہو جاتی ہیں

و۲۹۶ کچھ عرصہ کے لئے آپ ٹونک اور راندھیر بھی تشریف لے گئے۔ وہاں بھی لوگوں نے استفادہ کیا۔ ٹونک میں دوسرے طلباء کے ساتھ حافظ قاری عبد الرحیم خاں ابن نواب وزیر الدولہ والی ٹونک نے بھی حضرت سے قرات سبعہ سیکھ کر اجازت نامہ حاصل کیا۔ چنانچہ آپ کا ایک اجازت نامہ جو ۴ محرم ۱۲۹۶ھ کا تحریر شدہ ہے۔ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک میں موجود ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔

و۲۹۷۔ آپ کی پہلی شادی آپ کے چچا حافظ احمدی کی بیٹی نجد النساء سے ہوئی۔ جن سے خواجہ عبد العلی اور چند لڑکیاں ہوئیں۔ اس کے بعد ان بی بی کا انتقال ہو گیا۔ ایک دوسری بی بی سے عقد ہوا جن کا نام انس الحبیب تھا۔ ان سے ایک فرزند قاری محمد حسن پیدا ہوئے جو بڑے ہو کر بڑے اچھے قاری ہوئے۔ گیا کے مدرسے میں درس دیتے۔ تیسری شادی نجیب النساء سے غدر سے پہلے ہوئی ان سے (۱) قاری حافظ عبد السلام (۲) سیدۃ النساء (۳) میمونۃ النساء (۴) عبد العلیم یہ چار اولاد ہوئی۔

و۲۹۸۔ آخر عمر میں حضرت کو نقرس کا دورہ ہونے لگا تھا۔ اسی مرض میں ۵ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۸۹۶ء بروز دوشنبہ وفات ہوئی۔

و۲۹۹۔ یہ بات بہت مشہور ہے آپ کی سوانح عمری میں بھی اس کا ذکر ہے کہ بعض اجنہ بھی حضرت سے تجوید و قراءت کا درس لیتے تھے۔ بعض اوقات گھر کا کام بھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر حضرت اس کا ذکر کسی سے نہیں کرتے تھے۔

و۳۰۰۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے۔ بعض مشاہیر کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں

(الف) مولانا احمد علی مکی: زبردست فاضل تھے۔ حیدر آباد دکن چلے گئے۔

(ب) مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی فرزند مولانا مملوک علی صاحب نے حدیث پڑھی۔

(ج) مولانا قاری علی حسین صاحب رام پوری سالہا سال حضرت کی خدمت میں رہے۔ معقول منقول تجوید و قرات سبعہ کی تکمیل کی۔ یہ ذی استعداد بزرگ بڑے جید عالم اور خداداد قابلیت کے حامل تھے حضرت کو ان سے بڑی محبت تھی ان کا حضرت کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ مولانا ممدوح بجود دان

قاری مصلح الدین پانی پتی (متوفی ۱۳۶۹ھ) کے ہم درس اور دوست اور قاری نسیم صاحب رامپوری کے نواسے تھے

(د) قاری عبدالہادی بھوپالی۔ حضرت سے کتب فن کے ساتھ سبعہ قراءت کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے قصیدہ شاطبیہ کی شرح مسمیٰ بہ ہدایت القراء حضرت کی تقریظ کے بعد شائع کی۔ آپ بھوپال میں قاضی اور مفتی تھے۔

(ھ) مولانا پیر جماعت علی شاہ علی پوری

(و) مولانا سید الطاف حسین حالی

(ز) مولانا گل حسن۔ قراءت سبعہ کی تکمیل کی۔ مگر یہ جو مولانا شاہ غوث علی کے خلیفہ و جانشین خاص تھے جنہوں نے تذکرہ غوثیہ لکھی۔

(ح) عبدالسلام عباسی۔

انہوں نے حضرت سے تجوید و قراءت سبعہ سیکھی۔ حضرت سے قریبی رشتہ داری تھی اور وہ آپ کو اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ آپ نے حضرت کے آخری ایام میں تجوید و قراءت کا درس دینا شروع کر دیا تھا۔ اور عبدالحلیم نے ان ہی سے سبعہ قراءت بطریق جمع الجمع سیکھی۔ نیز قراءت کی درسی کتب تیسیر اور شاطبیہ کی تعلیم پائی۔

(ط) عبدالسلام انصاری۔

منجھلے صاحبزادے۔ سفر و حضر میں ساتھ رہتے۔ تجوید و قراءت سبعہ کے ماہر تھے۔ عبدالحلیم نے بھی ان سے سیکھا۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے تجوید قراءت سبعہ کا درس لیا۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ کو وفات ہوئی۔

(ی) مولانا عبدالعلیم۔ مہاجر مدنی

یہ عبدالحلیم کے والد تھے۔ طب کی تکمیل حکیم عبدالمجید سے کی۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ دس سال کی عمر میں تجوید کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۳۰۹ھ میں حضرت سے کتب فن کے ساتھ تجوید و قراءت سبعہ کی تکمیل کی۔ پھر عبدالرحمٰن ضریر (حضرت کے شاگرد خاص) سے تکمیل کی۔ باکمال کے ذہین تھے۔ پاکیزہ لب ولہجہ و طرز ادا کے مالک تھے۔ ۳۵ سال کی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ ۱۳۳۷ھ میں جب شریف حسین نے ترکوں سے بغاوت کی تو آپ پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے گئے۔ رابغ کے قریب یکایک انتقال ہو گیا۔ فن قراءت سبعہ و تجوید کے بڑے محقق اور زبردست فاضل تھے۔ بزبان فارسی ۳۲ صفحے کا ایک رسالہ لکھا۔ جس کا نام "مقدمہ علم قراءت سبعہ" ہے۔ دو سپارے بطریق جمع الجمع فارسی میں شائع کئے تھے اس میں سب اصول جمع الجمع آجاتے ہیں۔

(ک) قاری حافظ عبدالرحمٰن ضریر۔ تلامذہ میں بہت مشہور اور خداداد قابلیت و ذہانت کے حامل تھے۔

حضرت کے بعد آپ نے تجوید کے فن کو قائم و جاری رکھا۔ مزاج میں تواضع اور انکسار تھا۔ مرجع خلائق بن گئے

(ل) قاری نور الہدیٰ نے حضرت سے سبعہ قرات و تجوید کا علم سیکھا۔

(م) قاری محمد حسن، حضرت کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ... میں سکونت اختیار کی۔ وہاں لوگوں

کو کثرت سے فائدہ پہونچایا۔

(ن) شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب

(س) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی۔

(ع) نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن شروانی صدر الصدور محکمہ امور مذہبی ریاست حضور نظام

(ف) قاری نجیب اللہ پانی پتی۔ حضرت کے خواہر زادے تھے۔ تجوید و قرات حضرت سے سیکھی

بیعت بھی حضرت ہی سے ہوئے۔

و۳۰۱ ۔ تصانیف :- (۱) رسالہ تحفہ نذریہ (۲) فیوض رحمانی

و۳۰۲ ۔ مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی پوتی بڑی عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں یہ بی بی جوانی

میں بیوہ ہوگئیں۔ شیخ کی تلاش میں تھیں۔ ایک رات خواب میں آواز آئی کہ عبد الرحمن سے بیعت ہو جاؤ

وہ حضرت کے پاس آکر بیعت ہوگئیں۔ حضرت نے ان کو عقد ثانی کا مشورہ دیا۔ جس کو انہوں نے مان لیا

جو بی بیاں استفادے کے لئے حضرت کے پاس آتی تھیں ان بی بی کا بڑا مقام تھا۔ تجوید و قرات کی

تعلیم بھی پائی تھی۔

و۳۰۳ حضرت کے معمولات و مشاغل یہ تھے :-

آدھی رات کو اٹھ کر تہجد ادا کرتے۔ پھر ذکر و شغل فرماتے۔ نماز فجر تک اسی طرح مشغول رہتے۔ برسات

کے موسم میں صبح صادق سے قبل ایک گھنٹہ تک قرات سبعہ کا درس ہوتا۔ عصر سے مغرب تک پھر جمع الجوامع

پڑھایا جاتا۔ مغرب سے عشاء تک مسجد میں تجوید کا درس ہوتا۔

خصوصیات رحمانی

و۳۰۴ ۔ آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ قرآن مجید خوب یاد تھا۔ پڑھنے میں

بڑی سلاست و روانی تھی۔ ۱۸

(۲) فن تجوید و قراءت سے والہانہ عشق تھا۔ دل و جان سے اس کی خدمت کرتے تھے۔ بندوں

کو سکھانے میں دریغ نہ تھا۔ بڑی محبت سے پڑھاتے تھے۔ علماء وقت نے اس فن کو چھوڑ رکھا تھا۔ آپ نے

اس کی اشاعت و ترویج کے لئے بڑی جد و جہد کی۔ حضرت سے پہلے بھی قراء تھے مگر چند کے سوا سب

سب بہت جلد پڑھتے تھے۔ آپ نے تراویح میں تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی مثال قائم کی۔ ا

حضرت کے شاگرد تراویح میں ترتیل ہی سے قرآن شریف پڑھتے ہیں۔

(۳) حضرت سے پہلے قراءت سبعہ کی ترویج کم ہوگئی تھی۔ حضرت نے شوق دلایا۔ اور اس کی اہمیت بتلائی اور قراءت سبعہ کے شاگرد تیار کئے۔

(۴) آپ کی ادائی بڑی معیاری تھی۔ بلا تکلف و تعسف ادائی ہوتی۔ گو آواز زیادہ بلند نہ تھی۔ مگر الفاظ الگ الگ ایسے نکلتے تھے کہ جیسا پہلی صف والا سنتا ویسا ہی آخری صف والے کو سنائی دیتے اس کو حضرت کی کرامت کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ تجوید کی کرامت ہے کہ واضح اور صاف پڑھنے سے آخری صف والے بھی بخوبی سن سکتے تھے جب کہ مسجد دروازے تک بھری رہتی۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ:۔

"قاری عبدالرحمٰن صاحب بالکل سادگی سے کلمات ادا فرماتے تھے۔ جن قراء کا علم ناقص ہوتا ہے وہ اینٹھ مروڑ کر الفاظ ادا کرتے ہیں اور جو اس فن میں کمال رکھتے ہیں وہ سادہ طور پر پڑھتے ہیں۔ حتیٰ کہ عوام کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ قاری ہیں۔"

ایک گنوار نے ایک مرتبہ آپ سے قرآن مجید سنانے کی فرمائش کی۔ حضرت نے سنا دیا تو اس نے کہا "جیسا میں پڑھے ہوں ویسا ہی تو پڑھے ہے۔ میں مردانی بولی میں پڑھے ہوں تو جنانی (زنانی) بولی میں پڑھے ہے۔"

(۵) تراویح میں جب آپ قرآن سناتے تو ہزاروں کا مجمع ہوتا۔ ایک سناٹا چھا جایا کرتا تھا۔ آواز بلند نہ تھی مگر دور والا بھی یہ محسوس کرتا کہ پاس سے بول رہے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ تحریر فرماتے ہیں

"قرآن مجید جس کی تلاوت و خدمت میں اسّی سال گزرے گویا حضرت کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ اگر بالفرض سوتے سوتے بھی پڑھتے تو ایک جگہ بھی متشابہ نہ لگتا اور قواعد تجوید و ترتیل کے خلاف نہ ہوتا۔ مخارج سے ادائی حضرت کا سلیقہ بن گیا تھا۔ حضرت قرآن مجید ذرا جلدی پڑھتے تھے (یعنی تدویر سے) مگر کیا امکان تھا کہ تجوید و ترتیل کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکلے۔"

خواجہ خدا بخش

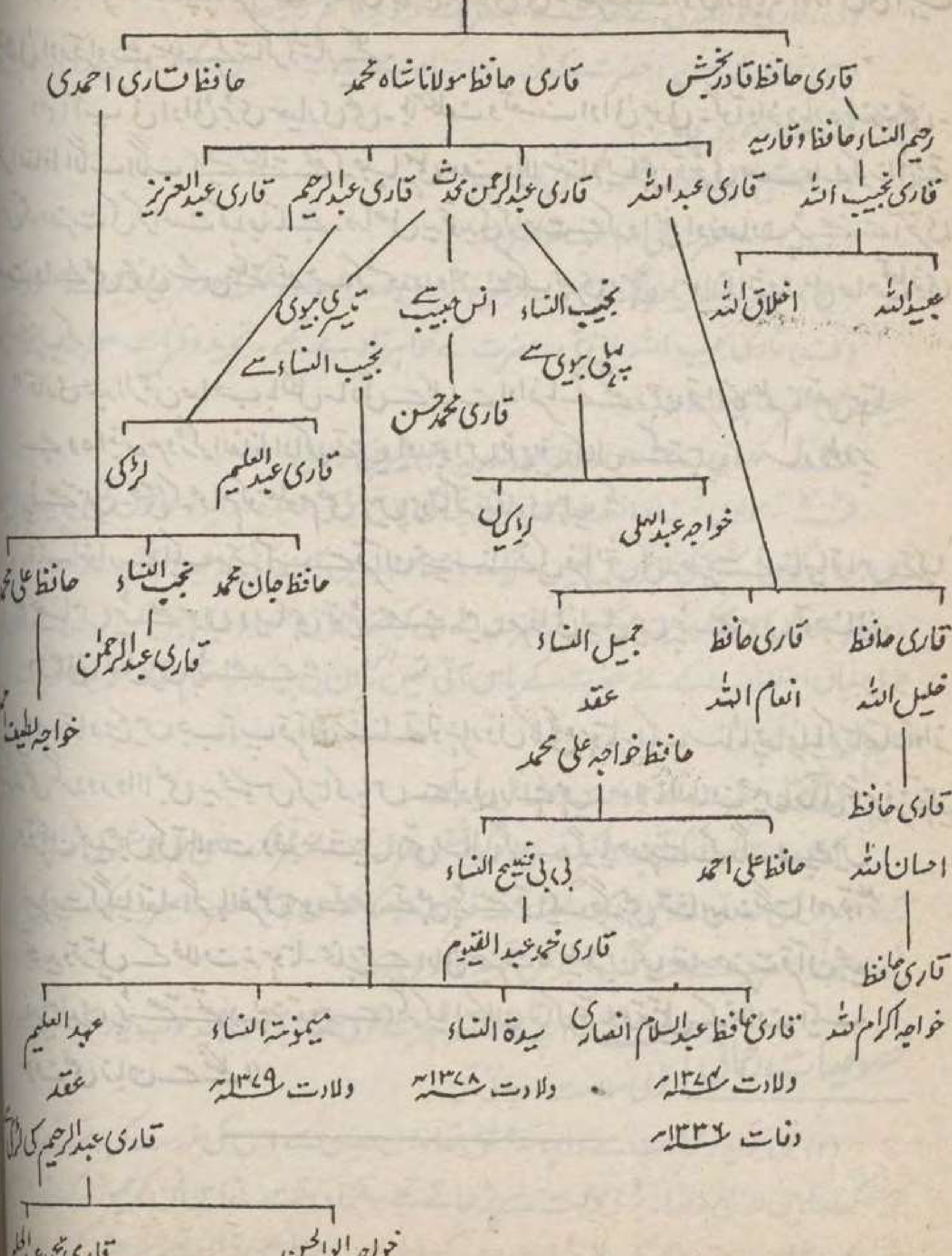

مولانا حاجی قاری سید شاہ محمد عین القضاۃ حیدرآبادی

۳۰۶ دورِ رحمانیہ کی تیسری عظیم المرتبت مرکزی شخصیت مولانا حاجی قاری سید شاہ عین القضاۃ کی ذاتِ گرامی ہے۔ والد کا نام حاجی سید شاہ محمد وزیر علی۔ سلسلہ نسب حضرت عبدالقادر جیلانی رحؒ سے ملتا ہے۔ حلیہ: چہرہ سرخ و سفید۔ میانہ قد۔ ڈاڑھی دراز۔ شرعی پاجامہ۔ کرتا۔ چوگوشہ منڈھی ہوئی ٹوپی۔ سلیم شاہی جوتا پہنتے تھے۔ ولادت بروز چہارشنبہ ۲۵ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ م ۳ نومبر ۱۸۵۸ء بمقام حیدرآباد (دکن)۔ آبا و اجداد بیجاپور میں مقیم تھے۔ وہاں سے حیدرآباد منتقل ہو گئے۔ والد عملیات میں درس گاہ کامل رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے حکام میں بڑی عزت تھی۔ افضل الدولہ کے متعلق پیشین گوئی کی تھی کہ فلاں دن فلاں وقت حکومت ملے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ افضل الدولہ نے ایک موضع جاگیر معافی میں نذر کیا۔ اس کے بعد وقت بے وقت بلانے لگے۔ یہ چیز حضرت کو ناگوار گزری اور یہ بات اندیشے سے خالی بھی نہ تھی۔ اس لئے آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ آپ کی زوجہ حیدرآباد میں وفات پا چکی تھیں۔ عین القضاۃ صاحب کی عمر تین یا چار سال کی تھی۔ گیارہ سال تک سید صاحب نے مکہ معظمہ میں قیام کیا۔ عین القضاۃ صاحب کی تعلیم مکہ معظمہ میں ناظرہ قرآن خوانی سے شروع ہوئی۔ پھر عربی۔ فارسی۔ اردو کی ابتدائی تعلیم دی گئی۔ تجوید و قراءت بھی سیکھی۔ مدرسہ صولتیہ میں شریک کیا گیا۔ مگر لڑکے کی ذہانت دیکھ کر سید صاحب نے چاہا کہ کسی بڑے عالم کے سپرد کیا جائے۔ ۱۲۹۰ھ میں واپس ہندوستان آکر بمبئی میں قیام کیا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی شہرت سن کر لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اور فرزند کو ان کے سپرد کر کے درس میں شریک کیا۔ علوم کی تکمیل فرنگی محل ہی میں ہوئی۔ سبعہ قرأت کے اچھے عالم تھے۔ آپ کے قائم کردہ مدرسہ میں اساتذہ جب سبعہ قرأت پڑھاتے وقت طلباء کی غلطی پر خاموش رہتے تو آپ ٹوک دیا کرتے۔ ادب میں شمس العلماء مفتی محمد عباس صاحب شوستری (ایرانی) سے تلمذ تھا۔ آپ بڑے ذہین و ذکی تھے۔ علوم میں بڑا تبحر حاصل کر لیا تھا۔ بہ اعتبارِ لب و لہجہ مولانا عبدالحی صاحب کا رنگ نظر آتا تھا۔ مولانا عبدالحی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں ان کو درس دینے کی اجازت دے دی تھی۔ مولانا عبدالحی صاحب کا انتقال ۱۳۰۴ھ میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں کی نظریں مولانا عین القضاۃ کی طرف اٹھنے لگیں۔ مولانا نے استقلال کے ساتھ مدرسہ قائم کر دیا۔ اس دلچسپی سے پڑھاتے تھے کہ خود فرماتے ہیں کہ:-

"ہم نے مسہل کے روز بھی پڑھایا ہے"

آپ کے والد نے ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ کی بنیاد رکھی۔ اس میں ناظرہ قرآن خوانی۔ پھر تجوید و حفظ کی تعلیم ہوتی تھی۔ ۱۴ صفر ۱۳۳۱ھ بروز چہار شنبہ سید وزیر علی صاحب کا انتقال ہوا۔ آپ کو مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے اندرون صحن چمن میں دفن کیا گیا۔

سید وزیر علی صاحب بڑی خوبیوں کے حامل تھے۔ فرزند کی تعلیم کا بڑا خیال تھا اور اس کے لئے بڑے اہتمام کئے۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے قیام کے بعد مدرسہ چلانے میں بھی امداد فرماتے رہے۔ ہر سال ربیع الاول میں ایک دعوتِ عام دیا کرتے تھے۔

۳۰۷ والد کے انتقال کے بعد مولانا عین القضاۃ نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کو ترقی دے کر بڑے پیمانے پر پہنچا دیا۔ حفظ قرآن و تجوید و قرأت سبعہ و دیگر علوم دینیہ کی اعلیٰ اور مکمل تعلیم کا نصاب مرتب کیا۔ مدرسہ میں ان علوم کے ساتھ خوشنویسی۔ اردو۔ فارسی اور علم الحساب کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ ابتدا سے بارہ سال میں پورے نصاب کی تکمیل ہوتی تھی۔ اس زمانے میں یہ ادارہ ہندوستان میں کلام پاک کی بہترین درس گاہ مانی جاتی تھی۔ مدرسہ کے ساتھ ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی قائم کیا۔ جس میں نایاب کتابیں فراہم کیں ۱۳۳۰ھ سے لے کر ۱۳۵۶ھ تک ۲۶ سال کی مدت میں اس مدرسے سے جو طلباء فارغ التحصیل ہوئے ان کی تعداد درج ذیل ہے۔

عالم ۱۷ قاری ۔۔۔ ۵۶۱ حافظ ۔۔۔ ۵۳۰

مولانا اپنی حیات میں تمام مستحق طلباء کو دونوں وقت کھانا۔ معمولی لباس کے سوا موسم سرما کا خاص لباس اور فی طالب علم ایک روپیہ ماہانہ دیا کرتے اس کے علاوہ علاج اور دوا کا انتظام بھی تھا۔ ... میں تراوت کی آوازوں کو بہت پسند فرماتے اور کہتے کہ "یہی ہمارے قوال ہیں"

(ب) شاگردوں میں ممتاز نام یہ ہیں:۔

(۱) شمس العلماء، مولوی حاجی حافظ قاری عبد المجید صاحب فرنگی محلی۔

(۲) قاری حافظ عبد الحمید فرنگی محلی۔

(۳) محمد قیام الدین

(۴) مولوی حاجی حافظ عبد الباری

(۵) مفتی قاری محمد یوسف

(۶) حاجی قاری محمد عبد الباقی

(۷) قاری محمد عبد الہادی انصاری

(۸) محمد عظمت اللہ

(۹) قاری حافظ احمد صاحب بہاری

(۱۰) قاری حکیم سید احمد حسن

(۱۱) حکیم سید امر حسن لکھنوی

(۱۲) حاجی قاری حافظ محمد وہاج الحق

(۱۳) قاری حاجی محمد عبد الشکور

(۱۴) مولوی نجیب اللہ وغیرہ۔

(ج) تصانیف کی تعداد گیارہ ہے۔

(د) مدرسہ کی عمارت کی مالیت ایک لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان ہوگی۔ ماہواری خرچ پانچ ہزار ہے

(ھ) والد سال میں ایک مرتبہ دعوت کرتے تھے۔ آپ ہر سال پانچ چھ دعوتیں کرتے۔ ربیع الاول کی دعوت میں دس بارہ ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے۔ دعوت کے روز بہ نفس نفیس پھاٹک پر بیٹھتے تھے۔ صبح کی نماز سے دو تین بجے تک برابر سلسلہ جاری رہتا۔ کھانے کے انتظام پر علیحدہ علیحدہ لوگ مقرر ہوتے۔ اسی ماہ ربیع الاول میں جلسہ میلاد بھی ہوتا۔ جس میں مدرسہ کے تمام حفاظ و طلاب شرکت کرتے۔ اول میلاد پڑھایا جاتا۔ پھر قرات ہوتی۔ پھر چند آیات پڑھ کر ختم کیا جاتا۔ پھر شیرنی تقسیم ہوتی۔ ہر سال ماہ صفر کے شروع میں آپ ایک قافلہ حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر شرکت عرس و قرآن خوانی کے لئے بھیجتے۔ یہ قافلہ ایک اسپیشل ٹرین سے سرہند جاتا۔ ایک سو چالیس حفاظ اور ان کے ساتھ منتظمین ہوتے۔ اس سفر پر چھ ہزار کا خرچ عاید ہوتا۔

(و) سخاوت بے انتہا تھی۔ غریبوں کی مالی امداد میں دریغ نہ فرماتے۔ بہت سے لوگوں کو پوشیدہ وظائف اور تنخواہیں جاری تھیں جس کا علم کسی کو نہ تھا۔

دو سو روپے وظیفہ ماہانہ خلیفہ صاحب سرہند کو جاتا۔ ایک سو چالیس روپے ماہانہ حاجی عبد القادر معلم کو دیے جاتے۔ بہت سی بیوائیں۔ یتیم بچے۔ فقرا اور مساکین کی پوشیدہ مالی امداد فرماتے۔ ایک دفعہ ایک چندہ جمع کرنے والا آپ سے چندہ وصول کرنے آیا تو آپ نے اسے پانچ ہزار روپے دیئے۔

(ز) حافظ عبد الحلیم مالک کا تیور ٹیلرز نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں مدرسے کی امداد کے لئے دس ہزار روپے پیش کئے۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ بیگم بھوپال جب لکھنؤ آئیں تو انہوں نے آپ کی خدمت

کرنی چاہی۔ اس کو بھی منظور نہ فرمایا۔ ۱۹۰۷ء میں مدح صحابہ پر مناقشہ ہوا تو مسلمانوں کو مقدمہ بازی کے لئے روپے کی سخت ضرورت ہوئی۔ اس کے لئے سب روپیہ مولانا نے دیا۔

(ح) ہزار ہا روپے ماہوار کے مصارف دیکھ کر لوگوں میں افواہیں پھیلیں کہ حضرت کو کیمیا بنانا آتا ہے کوئی کہتا ہے کہ آپ کے والد سید وزیر علی صاحب کیمیا گر تھے۔ بعض دست غیب سمجھے۔ کوئی کہتا کہ موکل یا جن تابع ہیں۔ کوئی کہتا تھا کہ رنگون اور بمبئی کے تاجر خفیہ رقوم بھیجا کرتے ہیں۔ کوئی کہتا تھا کہ حضرت ہی نے اپنا روپیہ تجارت اور جہاز رانی کی کمپنی میں لگایا تھا اس کا منافع ملتا ہے۔ مگر اصل حقیقت کا پتہ نہ چلا کہ اتنے وسیع اور گوناگوں مصروفیات کی پابجائی کے لئے آمدنی کے وسائل کیا ہیں۔ حضرت نے خود بھی اس کو پردہ راز میں رکھا۔ حکومت کو شبہ ہوا تو برسوں سی۔ آئی۔ ڈی ذرائع آمدنی معلوم کرنے میں لگی رہی۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جب لکھنؤ گئے تو مولانا عین القضاۃ نے ان کی دعوت کرنی چاہی۔ مولانا اشرف علی صاحب نے کہا کہ جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ آپ کی آمدنی کہاں سے ہے میں دعوت قبول نہیں کرسکتا۔ مولانا عین القضاۃ نے اس وقت بھی ذریعہ آمدنی ظاہر نہ فرمایا۔ اور دعوت نہ ہوئی۔ مگر معتبر راویوں کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نے اپنا روپیہ تجارت میں اس خوبی سے لگایا تھا اور ایسے ایمان دار ہاتھوں میں دیا تھا کہ وہ آپ کو آپ کا حصہ خاموشی سے دے جاتے تھے اور حضرت اس کو مدرسے کے چلانے میں صرف کرتے تھے۔ حضرت کے راز سے صرف ایک ملازم خاص عبدالقادر واقف تھے۔ جنہوں نے مولانا کی وفات کے بعد اصغر علی محمد علی عطر فروش کو بتایا تھا۔ مگر مولانا کی یہ توقع کہ میرے بعد بھی مدرسہ اسی شان و شوکت سے چلتا رہے گا، پوری نہ ہوئی۔

و ۳۰۸ مصارف مذکورہ پر ہزار ہا روپے خرچ ہوتا تھا۔ مگر اپنی ذات کے لئے کچھ نہ تھا۔ معمولی سادہ غذا کھاتے۔ ٹاٹ کے فرش پر سوتے۔ اخلاق کریمانہ تھے۔ حاضرین میں سب کے ساتھ یکساں برتاؤ ہوتا۔ درویشانہ زندگی کے عادی تھے۔ جس کسی کو ملنے جلنے کا موقعہ ملتا اس پر حضرت کا سلیقہ۔ شائستگی اور پاکیزہ مزاجی کا بڑا اثر ہوتا۔ عصر اور مغرب کے درمیان عام طور سے لوگوں سے ملتے اور اس کے بعد ملنا پسند نہ فرماتے۔ تعویذ کے لئے کوئی آتا تو فرما دیتے کہ

"بھائی ہمارے والد اس فن کو جانتے تھے ہم نے نہیں سیکھا۔"

حاجت روائی کے لئے سورہ الم نشرح اور والضحیٰ سو سو بار درود بتا دیتے۔ حاجی محمد فضل الرحمٰن کیرانوی مدرس مدرسہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آخر شب میں نے باورچی خانہ میں ان کو گھڑا بھرتے دیکھا۔ میں نے کہا میں بھر لاؤں؟ انکار کیا اور خود لے گئے۔ اپنے نعلین بھی خود ہی لے جاتے۔ کسی کی مصیبت سن کر آبدیدہ

ہوجاتے اور دعائے خیر فرماتے۔ ہمیشہ قبلہ رخ بیٹھتے۔ تراویح حیدبخش والی مسجد میں پڑھتے۔ جہاں حافظ نذر محمد امرادی مدرس مدرسہ فرقانیہ قرآن شریف سنایا کرتے۔ تہجد کی نماز قاری عبدالملک پڑھاتے۔ دو بجے نماز ختم ہوجاتی۔ خود کبھی امامت نہ کی۔ ہر کام پابندی سے ہوتا۔ موسیٰ جی کے ہاتھ پر نقش بندی مجددی سلسلہ میں بیعت کی تھی۔ مرید کسی کو نہیں کیا۔ یوں تو ہمیشہ خلوت گزینی کا شوق رہا۔ مگر آخیر عمر میں بالکل خلوت اختیار کرلی تھی۔ عیدین۔ جمعہ اور پنج وقتہ نماز کے سوا (جو مسجد میں باجماعت ادا کرتے) کہیں تشریف نہ لے جاتے۔

۳۰۹ وفات سے دو چار روز پہلے سے حضرت کچھ غیر معمولی طور سے کام کرتے رہے۔ وفات کی رات سے پہلے اپنے ملازم خاص کو نصف شب تک بہت سی ہدایتیں دیتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص آخری وصیت کر رہا ہے۔ وفات کے روز۔ صبح سے شام تک قرآن مجید کی قراءت سنی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی عصر کے وقت ایک ایرانی عالم اسداللہ نخعی ایک صاحب کے ساتھ ملاقات کے لئے آئے کہ آپ نے سائل سمجھ کر بیٹھنے کے لئے کہا۔ انہوں نے کہا ہم اہل علم ہیں اور آپ بھی عالم ہیں۔ بغرض ملاقات حاضر ہوئے ہیں یہ سن کر حضرت نے قریب بلالیا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا آپ بھی درس دیتے ہیں مولانا نے فرمایا کہ دل و دماغ کمزور ہوگئے ہیں پڑھانے کے قابل نہیں رہے۔ مولانا نے وطن پوچھا۔ انہوں نے نجف اشرف بتلایا انہوں نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ تارک الدنیا ہیں اس لئے آپ کی زیارت کا اشتیاق ہوا۔ پھر کہا مولانا ترک دنیا دنیا کے لئے تو مذموم ہے۔ لیکن مولانا کے لئے ممدوح ہے جیسا کہ امیر علیہ السلام، حضرت علیؓ کے چند اشعار جنمیں دنیا کی مذمت۔ ترکِ دنیا کی ترغیب اور عقبیٰ کی تشویق ہے خوش الحانی سے پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَقًّا حَقًّا ۔ صِدْقًا صِدْقًا	(اللہ کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں۔ یہ حق ہے۔ یہ سچ ہے
لَوْلَا حِلْمُهٗ كُنَّا نَشْقٰى جِدًّا جِدًّا ۔ صِدْقًا صِدْقًا	اگر وہ حلیم نہیں ہوتے تو ہم سب بدبخت ہوجاتے یہ صحیح ہے اور سچ ہے
اِنَّ الْمَوْلٰى يَسْئَلُ عَنَّا وَيُحَاسِبُنَا وَيُوَافِيْنَا	آقا ہم سے دریافت کرے گا۔ حساب لے گا اور معاف کرے گا۔
يَا مَوْلَانَا اِبْنَ الدُّنْيَا مُهْمَلًا مُهْمَلًا	(اے مولانا دنیا دار مذموم اور برا ہے)
ما مِنْ يَوْمٍ يَمْضِيْ عَنَّا اِلَّا اَوْهَنَ مِنَّا رُكْنًا	کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں ہماری عمر کم نہیں ہوتی
قد ضيعنا دار البقیٰ واستوطنا دار الفنا	بے شک ہم نے ہمیشگی کے گھر کو ضائع کردیا اور فانی گھر کو اپنا وطن بنالیا
كُلُّنَا مَوْتٰى كُلُّنَا مَوْتٰى	(ہر شخص کو ضرور مرنا ہے۔ ہر شخص کو ضرور مرنا ہے)
كُلُّنَا مَوْتٰى كُلُّنَا دَفْنًا	(ہر شخص کو مر کر دفن ہونا ہے۔)

پہلا شعر سن کر مولانا تحیّر میں نظر آنے لگے۔ وجد کی کیفیت طاری نظر آتی تھی۔ دوسرا شعر سنتے ہی چہرے پر تغیر ظاہر ہوا۔ سرخی زردی سے بدل گئی۔ تیسرا شعر سن کر آپ نے ایرانی کا چہرہ بغور دیکھا۔ تنفس تیز ہوگیا۔

چوتھے شعر پر آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور سربسجود ہو گئے ایک ہچکی کے ساتھ روح پرواز ہوگئی۔

حاضرین نے غفلت یا بے خودی سمجھا۔ یہ سجدہ اس چیز کا ثبوت تھا کہ ہم نے محض خدا کے لئے ترک دنیا کیا ہے۔ جب دیر لگی تو لوگوں نے سانس کو دیکھا معلوم ہوا کہ وصال ہوگیا۔ اسی مدرسے کے احاطے میں والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

وفات بروز چہارشنبہ ۲ رجب ۱۳۴۳ھ م ۸ جنوری ۱۹۲۵ء درمیانِ عصر و مغرب واقع ہوئی [۱]

ف ۳۱۰ آپ کی ذات ایسی ہر دل عزیز تھی کہ آپ کی وفات سے لکھنؤ کا بچہ بچہ مغموم تھا۔ غربا و مساکین چیخیں مار مار کر روتے تھے۔ شیخ القراء حافظ عبد الرحمن مکی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ۲۵-۳۰ قدم پر قبر کی جگہ تھی مگر ہجوم کا یہ عالم تھا کہ قبر تک لے جانے میں چارپائی ٹوٹ گئی۔ کفن کے اوپر کی چادر کی دھجیاں تبرک بن گئیں کمزور و ناتواں کچلے گئے۔ ۵ رفبروری کو فاتحہ ہوئی۔ ایک ہزار قرآن مجید ختم کئے گئے [۲]

---

[۱] مصباح المشائخ از حکیم محمد ہادی رضا خاں ماہر (۲) قرائے کرام جو پندرہ سال آپ کے ساتھ رہے۔ مثلاً قاری محمد ادریس صاحب حال مقیم کلکتہ و قاری محمد صابر اورنگ آبادی حال مقیم حیدرآباد۔ ان سے سن کر یہ واقعات قلم بند کئے گئے۔

شیخ القراء حافظ عبد الرحمٰن مکی الٰہ آبادی

۳۱۱و - یہ دوسرے عبد الرحمٰن مکی الٰہ آبادی ہیں۔ جن کی بدولت اتر پردیش۔ بہار۔ اڑیسہ اور بنگال میں تجوید و قراءت کا ذوق عام ہوا۔ حضرت کے والد محمد بشیر خاں صاحب قصبہ قائم گنج ضلع فرخ آباد (یوپی) کے رہنے والے تھے وہاں سے کانپور آکر رہ گئے تھے۔ غدر میں حصہ لینے کی وجہ سے انگریزی حکومت نے جائداد ضبط کر کے پریشان کیا تو ۱۲۸۳ھ میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ ان کے تین فرزند تھے (۱) محمد عبد اللہ (۲) محمد عبد الرحمٰن (۳) محمد حبیب الرحمٰن۔ والد نے تینوں فرزندوں کو مکہ معظمہ میں تعلیم دلوائی۔ محمد عبد اللہ نے مقری ابراہیم سعید مصری سے قرأت عشرہ کی سند لی یہ صاحب سلسلہ اور قراءت کے جید استاد تھے۔ آپ نے حسن بدیری سے اور انہوں نے شیخ محمد متولی مصری سے قرأت متواترہ متصلہ حاصل کی تھیں۔ قراءت کے ساتھ محمد عبد اللہ صاحب نے حفظ قرآن کی تکمیل بھی کی۔ پھر مدرسہ صولتیہ میں شیخ التجوید مقرر ہو گئے۔ آخر عمر تک قرآن پاک کی خدمت انجام دیتے رہے۔

(ب) حضرت کا معمول تھا کہ روزانہ درس کے علاوہ ایک گھنٹہ تجوید کی مشق کیا کرتے۔ اور اکثر فرمایا کرتے کہ جب تک مزاولت نہ ہو آواز و ادائی پر قابو نہیں رہتا۔ ہر قاری کو چاہئے کہ روزانہ کی مشق ترک نہ کرے۔

(ج) حضرت ہی سے آپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے قرأت عشرہ سیکھیں اور ہندوستان واپس آکر یہاں قراءت کا سلسلہ جاری کیا۔ شیخ القراء حضرت محمد عبد اللہ صاحب مہاجر مکی کا فیض سارے عالم میں پھیلا۔ چالیس سال سے زیادہ قرآن کی خدمت کر کے ۱۳۳۷ھ میں وفات پائی۔ مکہ معظمہ میں دفن ہیں۔

(د) قاری محمد عبد اللہ صاحب نے مکہ معظمہ میں ہی شادی کی تھی۔ چار لڑکے اور ایک لڑکی تولد ہوئی (۱) قاری حافظ محمد احمد (۲) قاری محمد احمد (۳) قاری محمد محمود (۴) قاری محمد سراج۔

لڑکی قاری مرزا محمود بیگ سے بیاہی گئی۔

۳۱۲و قاری محمد عبد اللہ کے سب فرزند مکہ معظمہ ہی میں رہے۔ قاری حافظ احمد صاحب بہت ہی اچھے قاری۔ حافظ تھا اور فقیہ تھے۔ بڑے ذہین و ذکی تھے۔ مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ جب حجاز میں نجدیوں کی حکومت قائم ہوئی اور نجدی علماء نے بعض مسائل میں علمائے کرام اہل مکہ سے اختلاف کیا اور بحث و مناظرہ کی نوبت آئی تو ملک عبد العزیز ابن سعود نے اپنے سامنے دونوں جانب کے

علماء کو بلا کر مناظرہ کرایا۔ وہاں جان کا بھی خطرہ تھا۔ مگر علماء نے اہلِ مکہ کی طرف سے قاری محمد احمد نے بحث کی۔ ملک عبد العزیز آپ کی قابلیت، ذہانت اور متانت سے اتنا متاثر ہوا کہ آپ کو قاضی القضاۃ بنا دیا

(ب) دوسرے فرزند قاری حافظ محمود بھی اچھے قاری تھے۔ دو سال ہندوستان میں کلکتہ اور الہ آباد میں مقیم رہے۔ پھر واپس چلے گئے۔

۲۱۳ ۔ قاری محمد عبد اللہ کے داماد قاری حافظ مرزا محمود بیگ کے والد مرزا احمد یار بیگ بھی غدر کے بعد دہلی سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ مکہ معظمہ میں مرزا محمود بیگ ۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مدرسہ صولتیہ میں ہوئی۔ قاری محمد عبد اللہ مکی سے قراءت سیکھی۔ پہلے بروایت حفص اور پھر سبعہ پڑھی۔ شاطبیہ بھی پڑھی ۱۳۳۵ھ میں سبعہ کی تکمیل کی۔ ستمبر ۱۹۱۸ء م ۱۳۳۷ھ میں ہندوستان آئے۔ پہلے چچا خسر قاری عبد الرحمٰن کے پاس الہ آباد میں قیام کیا۔ وہاں سے بھوپال آ گئے۔ ۱۹۲۳ء میں مدرسہ عبیدیہ میں مدرس اول بنا کر رکھے گئے۔ اس کے بعد شاہی قراء میں شمار ہونے لگا۔ جنرل عبید اللہ خاں مرض الموت میں آپ سے قرآن سنا کرتے تھے۔ اب مدرسہ حمیدیہ میں تجوید و قراءت کا درس دیتے ہیں۔ خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔ ادائی صاف ستھری اور مخارج و صفات پر بڑا عبور ہے۔

۲۱۴ شیخ القراء حافظ محمد عبد الرحمٰن مکی تقریباً ۱۳۰۱ھ میں ہندوستان کو واپس ہوئے۔ کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب کے مدرسہ میں مدرس ہوئے۔ کانپور کے تجار میں مولانا احمد حسن صاحب کا بڑا اثر تھا۔ ایک روز آپ نے تجار کو جمع کر کے ان سے فرمایا کہ آپ سب کو اپنی اپنی لڑکیوں کے لئے اچھے بر کی تلاش ہے اور مدرسے کے فارغ التحصیل یا قریب الفراغ طلباء میں بہت سے شریف بچے ہیں۔ تم لوگ امیر گھرانوں میں بیٹیاں دینے کے بجائے ان شریف زادوں کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے۔ غرض اکثر تجار نے اپنی لڑکیاں بیاہ دیں۔ ان میں سے ایک تاجر کی لڑکی سے قاری عبد الرحمٰن صاحب کا عقد بھی ہو گیا۔ قاری صاحب نے کانپور سے الہ آباد جا کر عبد اللہ کی مسجد متصل ریلوے اسٹیشن کے مدرسہ احیاء العلوم میں کام شروع کیا۔ یہاں طلباء کی تعداد چنداں زیادہ نہ تھی۔ اور نہ ان میں استفادے کا شوق تھا۔ اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر حضرت نے واپس مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ سفر کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ توشہ بھی تیار ہو چکا تھا رات گزارنی باقی تھی۔ صبح کی گاڑی سے روانہ ہونے والے تھے۔ رات کو خواب میں سرورِ کائنات حضرت رسول اللہ صلعم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"عبد الرحمٰن! تم ہندوستان ہی میں رہو۔ ہم کو تم سے بہت کام لینا ہے"

صبح ہوتے ہی حضرت نے تمام سامان کھلوا دیا اور ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔ ہندوستان میں حضرت

ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگ آشنا نہ تھے۔ مگر حضرت نے اس کے بعد سرگرمی سے تجوید و قراءت کی نشر و اشاعت کی طرف توجہ کی۔ رفتہ رفتہ شہرت ہوئی۔ اور وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ پورے ہندوستان سے لوگ کھنچ کر آنے لگے۔ حضرت کے شاگردوں کی تعداد اور ان کی جد و جہد دیکھ کر قاری عبد الرحمٰن صاحب کی خدمات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

(ب) کئی سال کے بعد دو مرتبہ حج کو گئے۔ آخری عمر میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہیں ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ کو انتقال ہوا۔ آپ کے ایک عقیدت مند شاگرد نے ایک قطعہ زمین قبور کے لئے جھوائن ٹولہ محبوب گنج میں لے رکھا تھا۔ اس میں دفن کیا گیا۔ ان صاحب نے درخت اور پودے لگا کر باغ بنا دیا تھا قاری محمد نذر بھی آپ کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔ عدم نگرانی کی وجہ سے باغ کی حالت خراب ہو گئی ہے[1]

---

[1] چند روز قبل قاری عبد الرحمٰن مکی کے شاگرد رشید قاری حفظ الرحمٰن صاحب لکھنؤ گئے تھے ان کا جی چاہا کہ استاد کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھیں یہ معلوم نہ تھا کہ قبر کہاں ہے اس لئے عبد المعبود اور دوسرے جاننے والوں کو ساتھ لے لیا۔ صبح ۸ بجے نکلے یہ حضرات بھی مدت سے قبر پر نہیں گئے تھے۔ قاری عبد المعبود صاحب کو یہ معلوم تھا کہ جنگل میں ہے۔ اسی اندازے باہر جا کر تلاش کی وہ قبرستان ہی نہ ملا۔ دن کے بارہ بج گئے۔ تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ قاری حفظ الرحمٰن نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگوں کو بڑی زحمت ہوئی اب آپ لوگ تشریف لے جائیں مجھے تو جب تک قبر کا پتہ نہ لگے گا گھر واپس نہ جاؤں گا۔ غرض پاس لحاظ سے دوسرے بھی ٹھہرے رہے۔ قاری صاحب نے ایک دیہاتی کو جو ادھر سے گزر رہا تھا پکارا۔ قاری عبد المعبود وغیرہ ہنسنے لگے کہ حضرت ہم لکھنؤ کے رہنے والے جب نہ بتا سکے تو یہ دیہاتی کیا بتلائے گا۔ جس نے کبھی قاری صاحب کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔ حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ کیا کیا جائے کسی سے تو پوچھنا ہے جب وہ دیہاتی نزدیک آیا تو قاری حفظ الرحمٰن صاحب نے پوچھا کہ اس نواح میں قاری عبد الرحمٰن صاحب کی قبر ہے؟ کیا تم کو اس کا پتہ ہے؟ اس نے کہا ہاں صاحب ہم بتلاتے ہیں۔ میرے ساتھ آئیے۔ غرض اس نے شہر میں آ کر اس قبرستان کو بتا دیا۔ سب نے قریب آنے کے بعد کہا کہ ہاں! یہی قبرستان ہے۔ غرض سب نے فاتحہ پڑھی۔ باغ کی بربادی اور قبر کے اطراف بندروں کا ہجوم دیکھ کر افسوس کیا اور واپس آ گئے۔

رات میں قاری حفظ الرحمٰن صاحب نے قاری عبد الرحمٰن مکی کو خواب میں دیکھا کہ اسی قبر پر بیٹھے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آٹھ بجے سے بارہ بجے تک گھومتے رہے تم کو ہماری قبر ہی نہ ملی۔ دیکھتے ہو یہاں کیا حالت ہے؟ دوسرے روز حضرت نے دو سو اپنے ساتھیوں کو دے کر فرمایا کہ تم لوگ درستی کا انتظام کرو۔ اور رقم کی ضرورت ہوئی تو میں وہ بھی فراہم کر دوں گا۔ (یہ واقعہ قاری حفظ الرحمٰن صاحب نے خود مجھ سے بیان کیا)

و۳۱۵ - کانپور - الہ آباد - اور اطراف کے شہروں میں آپ کا بہت فیض پہونچا - بنگال - برما [illegible]
اور کابل کے تلامذہ نے آکر آپ سے استفادہ کیا - آپ کے شاگرد بھی بڑے مستعد نکلے - حضرت سے سیکھ کر
خود سرگرم درس و تدریس ہوگئے - فقرہ نمبر (۲۰۷) کے شجرے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے - حضرت [illegible]
کا حافظہ بہت قوی تھا - شاطبیہ لامیہ - درّہ - طیبہ - یہ سب کتابیں اور قرات سبعہ و عشرہ کے اصول [illegible]
فروش بہ جمیع طرق بالکل ازبر تھے - ہر سال رمضان میں دو ختم سنانے کا معمول تھا - تراویح قدرے [illegible]
پڑھتے تھے - تیزی کے باوجود حروف کے مخارج و صفات و حرکات و سکنات و مدود کی ادائی میں فرق
نہ آتا - یہاں تک کہ ادنیٰ درجہ کا لحن خفی بھی واقع نہ ہوتا - قاری حفظ الرحمٰن صاحب شیخ التجوید مدرسہ
دیوبند کا بیان ہے کہ اشراق - چاشت تہجد اوابین میں الگ الگ سلسلے سے قرآن مجید ختم فرماتے - قرآن
کا حفظ اس پائے کا تھا کہ ایک دوسرے شاگرد پروفیسر قاری سراج الحق[1] کے قول کے مطابق جو خود انہوں
نے مجھ سے بیان کیا کبھی لقمہ لیتے ہم نے نہیں سنا - ان ہی شاگرد کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت نے شہنشاہ
شہنشاہ اجنہ کو بھی جدہ میں قرآن سنایا تھا -

و۳۱۶ - مجلس میں قرآن سنانے کی فرمائش کی جاتی تو کبھی تصنع یا تکلف سے نہ پڑھتے بہت
سادگی سے سنا دیتے تھے - قاری سراج الحق صاحب نے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ
سنہ ۱۳۴۳ھ میں مولوی غلام مجتبیٰ جعفری کے پاس قراءت کا جلسہ مقرر ہوا - جس میں قاری ابراہیم رشیدی
جو کہ مسجد حیدرآباد کے خطیب تھے وہ بھی شریک جلسہ تھے ان کی باری آئی تو انہوں نے اونچی آواز

---

[1] قاری محمد سراج الحق کے حالات جلد سوم میں انفرادی حالات کے تحت مذکور ہیں - یہ گورنمنٹ کالج الہ آباد میں عربی
کے پروفیسر تھے - سنہ ۱۳۷۲ھ میں پنشن لی - قاری عبدالرحمٰن صاحب کے شاگرد ہونے کی وجہ سے آپ کے حالات
سے خوب واقف ہیں - ان ہی کا بیان ہے کہ

"ایک مرتبہ تراویح میں حضرت قرآن ختم کر رہے تھے - سورۂ عصر کے بعد سورۂ فیل اور بعد کی
سورتیں پڑھ کر ختم کر دیا - سامعین میں سے کسی کو ٹوکنے کی جراءت نہ ہوئی - ختم کے بعد سامعین آپس
میں کھسر پھسر کرنے لگے - تو حضرت نے پوچھا کیا بات ہے ؟ -
کسی نے جواب دیا سورہ ھمزہ کا رہ گیا -
کہا یاد کیوں نہیں دلایا - پھر بڑے ہی متاثر ہو کر کہنے لگے - سچ ہے قرآن ہی حاوی ہے - بشر کی طاقت نہیں کہ
اس پر حاوی ہو - اس کے بعد دوگانہ دہرایا"

سے خوب للکار کر سنایا۔ ان کے بعد ہی قاری عبد الرحمٰن سے فرمائش ہوئی۔ حضرت نے مقابلہ کا خیال کئے بغیر نہایت سادگی کے ساتھ سنا دیا۔ عوام پر یہ اثر ہوا کہ قاری عبد الرحمٰن مکی سے تو ابراہیم رشید ہی نے اچھا پڑھا۔

۳۱۷۔ قاری عبد الرحمٰن صاحب کے صرف ایک لڑکی ہوئی جو بچپن میں انتقال کر گئی۔ اس کے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی۔ قاری محبوب علی صاحب کو متبنّیٰ بنایا تھا۔ چنانچہ کتب خانہ اور کل اثاث البیت انہیں کے حوالے کیا۔ قاری محبوب علی صاحب پاکستان چلے گئے۔ بہ مقام گولڑہ مقیم ہیں۔

۳۱۸۔ فن تجوید میں آپ کی اردو تالیف فوائد مکیہ اکثر نصاب میں داخل ہے۔ عربی میں فن رسم الخط عثمانی میں افضل الدرر تالیف کی۔ قصیدہ رائیہ کی ایک محققانہ شرح لکھی۔

۳۱۹۔ قاری حافظ عبد الرحمٰن صاحب کو فنون سپہ گری۔ کشتی۔ پہلوانی۔ اور بیراکی میں کمال حاصل تھا۔ روزانہ ورزش کرتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے جسم خوب بنا ہوا تھا۔ پٹا۔ بانک۔ بن اوٹ (بنوٹ) میں ماہرین بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا عین القضاۃ صاحب کے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے تجوید و قرأت کے سالانہ امتحانات کے لئے آپ کو بلایا جاتا تھا۔ جب آپ لکھنؤ تشریف لے جاتے تو تلامذہ کو ورزش کی ترغیب دیتے۔ عشاء کی نماز کے بعد کبھی کبھی ورزشی مظاہرے بھی کرتے۔

۳۲۰۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کئی ہزار کی تعداد میں تھے ان میں سے ممتاز شاگرد جن کی وجہ سے تجوید و قرأت پھیلی یہ تھے:۔

(۱) شیخ القراء حافظ ضیاء الدین احمد صدیقی۔

(۲) مقری عبد الوحید خاں الہ آبادی

(۳) شیخ القراء حافظ عبد الخالق صاحب علی گڑھی۔

(۴) شیخ القراء حافظ عبد المالک

(۵) شیخ القراء حافظ حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی۔

(۶) محمد نصیر نعمانی

(۷) مقری محمد عبد المعبود

(۸) محمد یوسف کلکتوی

۳۲۱۔ قاری حفظ الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ آخری عمر میں آپ مدینہ منورہ جانا چاہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ مجھے مدینہ منوّرہ جانا ہے۔ اس لئے خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے

اجازت لینا ہے۔ اس کے بعد آپ اجمیر تشریف لے گئے۔

واپسی پر فرمایا کہ اجازت نہیں ملی۔

یہ قصہ سنا کر قاری حفظ الرحمٰن صاحب فرماتے تھے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امور تکوینی میں بھی صاحبِ امر تھے۔ چند روز کے بعد حضرت نے خادم سے فرمایا کہ۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے خواب میں آکر اجازت دے دی ہے۔ اب میں مدینہ طیبہ جاؤں گا۔

پھر ایک رات خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا

"عبدالرحمٰن گھبراؤ نہیں۔ جہاں تم وہاں میں"

اس خواب کے دیکھنے کے بعد آپ نے مدینہ طیبہ جانے کا قصد منسوخ فرما دیا۔

قاری حفظ الرحمٰن ہی کا بیان ہے کہ انتقال سے پہلے استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

محمد بشیر خاں مہاجر (ساکن قائم گنج ضلع فرخ آباد)

شیخ القراء حافظ محمد عبداللہ مکی — حافظ محمد عبدالرحمٰن مکی — محمد حبیب الرحمٰن

شاگرد (شیخ القراء حافظ محمد عبداللہ مکی)

(۱) محمد عبدالرحمٰن مکی برادر
(۲) محمد عبدالرحمٰن برادر خورد
(۳) مولانا اشرف علی تھانوی
(۴) محمد سلیمان بھوپالی
(۵) محمد بختیار بھوپالی
(۶) سید محمد علی بنگالی
(۷) محمد یار بیگ داماد
(۸) محی الدین صاحب وغیرہ

حافظ محمد عبدالرحمٰن مکی کے شاگرد

شاگرد: ضیاء الدین احمد صدیقی

شاگرد: عبدالوحید خاں الٰہ آباد

شاگرداں:
(۱) محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند
(۲) محمد طاہر وغیرہ

شاگرد: عبدالمالک

شاگرداں:
(۱) محمد تیسیر نعمانی
(۲) محمد عبدالمعبود
(۳) عبدالخالق علی گڑھی
(۴) حفظ الرحمٰن برباب گڑھی
(۵) محمد یوسف لکھنوی

ضیاء الدین احمد صدیقی

شاگرد: محمد صدیق حسین نگمی

شاگرداں:
(۱) محمد قاسم لکھنوی — (۲) تاج الدین لکھنوی
(۳) محمد عمر بہاری — (۴) محمد انوار الحق لکھنوی
(۵) محمد نور الحق لکھنوی — (۶) محمد حسن صدیقی
(۷) کریم بخش پیلی بھیتی — (۸) محمد مظفر علی لکھنوی
(۹) محمد ادریس مظفر پوری — (۱۰) گوہر علی
(۱۱) سلامت اللہ — (۱۲) عزیز الرحمٰن
(۱۳) عبدالرزاق — (۱۴) سید محمد عثمان
(۱۵) خلیل احمد لکھنوی عباسی — (۱۶) محمد اظہر حسن عرف ابرار احمد امروہی مہتمم کرنول

شاگرد: عبدالمالک

شاگرداں:
(۱) مہدی حسن بخاری کلکتوی
(۲) محمد ادریس کلکتوی
(۳) فخرالدین گیائی

فرزند اول: عصام الدین

شاگرداں:
(۱) قاری غلام نبی کلکتوی

فرزند دوم: مستجاب الدین

فرزند سوم: محب الدین احمد

بقیہ شاگرداں:
(۱) عبدالمعبود — (۲) محمد نذیر نابینا
(۳) حکیم عبدالرحیم خاں — (۴) محمد عبداللہ تھانوی مراد آبادی
(۵) حکیم محمد عنایت اللہ — (۶) وصی الرحمٰن اسلام آبادی
(۷) محمد صالح لکھنوی — (۸) جمیل الرحمٰن لکھنوی
(۹) ریاست علی — (۱۰) خلیل احمد لکھنوی
(۱۱) محمد اظہر حسن عرف ابرار احمد امروہی مہتمم کرنول — (۱۲) محمد زکریا ملیح آبادی
(۱۳) محمد سلیمان دیوبندی — (۱۴) عبدالقوی کلکتوی

٣٢٣

عبدالرحمٰن پانی پتی اور عبدالرحمٰن مکی کے مابین امتیازی فرق

شیخ القراء عبدالرحمٰن پانی پتی کسی لحن پر زور نہ دیتے تھے۔ سیدھی صاف ادائی۔ مخارج و صفات کا لحاظ صحیح لمبائیاں بلالحاظ لحن کافی سمجھتے تھے۔ یہی خصوصیت ان کے تمام شاگردوں میں نمایاں ہے۔ شیخ القراء عبدالرحمٰن مکی نے چوں کہ حجاز میں تعلیم پائی تھی۔ حجازی لحن پر زور دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں بھی یہ چیز نمایاں ہے۔ شاگردوں میں عبدالخالق علی گڑھی اور عبدالمالک نے بھی سات سال مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس لئے لحنِ حجازی میں مہارت تھی۔ ان کے جملہ شاگرد بھی اسی لحن میں پڑھتے ہیں۔

٣٢٤ اس دور کی پانچویں ممتاز ہستی قاری ہفت قرات

سید علی مراد شاہ بخاری قاری ہفت قرات

سید علی مراد شاہ بخاری المتخلص بہ انفضل کی ہے۔ آپ کے والد کا نام سید جلال الدین عرف یوسف علی شاہ المتخلص بہ اکمل تھا۔ دادا کا نام شاہ کمال المتخلص بہ جامی تھا۔ آپ کا وطن کڑپہ (جنوبی ہند) ہے۔ ولادت ١٢٤٩ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ پھر علوم مشرقیہ کے مدارس میں شریک ہوکر دستارِ فضیلت باندھی مولانا غلام قادر قاری ہفت قرات مدراسی اور منشی غلام محمد سے تلمذ رہا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب یہ محسوس کیا کہ جنوبی ہند میں تجوید کا شوق بہت کم ہے تو عمر کا بڑا حصہ درس و تدریس میں گزارا۔ گنڈیور۔ مدن پلی۔ مدراس۔ گڑدیاتم۔ بنگلور۔ چینتامنی وغیرہ مقامات پر رہ کر تجوید کا درس دیا ہے۔ شاگردوں کی سہولت کے لئے تجوید کے مختصر قواعد جمع کرکے اس کا نام روح التجوید رکھا۔ یہ رسالہ ١٣١٩ھ میں مدراس سے طبع ہوا تھا۔ اس کتاب کے قلمی نسخے اب بھی سید شاہ پاشا صاحب شہمیری سے دستیاب ہوسکتے ہیں۔ قادر پاشا شاہ میری کی عنایت سے مجھے اس کا ایک نسخہ مل گیا ہے۔ قاری سید علی مراد شاہ بخاری کا انتقال ٦١ سال کی عمر میں۔ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۱۰ھ میں ہوا۔ کڑپہ میں شاہ نوراللہ صاحبؒ کی مزار کے قریب دفن ہوئے۔

٣٢٥ - آپ کے شاگردوں کی تعداد صدہا بتائی جاتی ہے۔ انمیں ممتاز یہ ہیں۔

(١) سید فقیر محی الدین شاہ مقبل میسوری

(٢) حضرت سید قادر پاشا حسینی صاحب قادری ساکن کڑپہ

(٣) سید حسینی پاشا امام مسجد امیرالنساء بیگم مدراس

(٤) سید محمود شاہ حسینی رائے چوٹی۔

۵) سید غیاث ساکن محل ضلع چتور

۶) سید سعید قاضی و امام مسجد بیلیہ

۷) سید نور اللہ بادشاہ حسینی امام جامع مسجد کدری

۸) سید معروف حسینی ساکن کرڈپہ

۹) عبد الغفور امام مسجد گرڈیاتم

۱) محمد عبد الرحمٰن ساکن کرڈپہ

۱) مولوی ذو الفقار علی خاں ضیا۔ ساکن کرڈپہ

۱) مولوی محمد اکبر خطیب جامع مسجد کرڈپہ

۱) سید مصطفیٰ حسین سر قاضی کرڈپہ

۱) مولوی سید نذر اللہ حسینی ساکن کرڈپہ

۱) مولانا سید عبد الحی عرف شاہ میر بادشاہ ساکن کرڈپہ

۱) مولوی سید نبی قاضی دہرمادرم (انت پور)

شجرہ یہ ہے

شاہ کمال جائی دکن سید کمال الدین

|

سید جلال الدین اکمل عرف یوسف علی شاہ

|

سید علی مراد شاہ بخاری افضل قاری ہفت قرأت

|

لڑکی

|

سید عبد الحق عرف شاہ میر بادشاہ حسینی (نواسے)

|

سید قادر علی بادشاہ عرف قادر شہ میری

نقشہ ہندوستان

دورِ رحمانیہ (سنہ ۱۲۵۰ھ تا سنہ ۱۳۲۵ھ) میں
قراءت کی وسعت

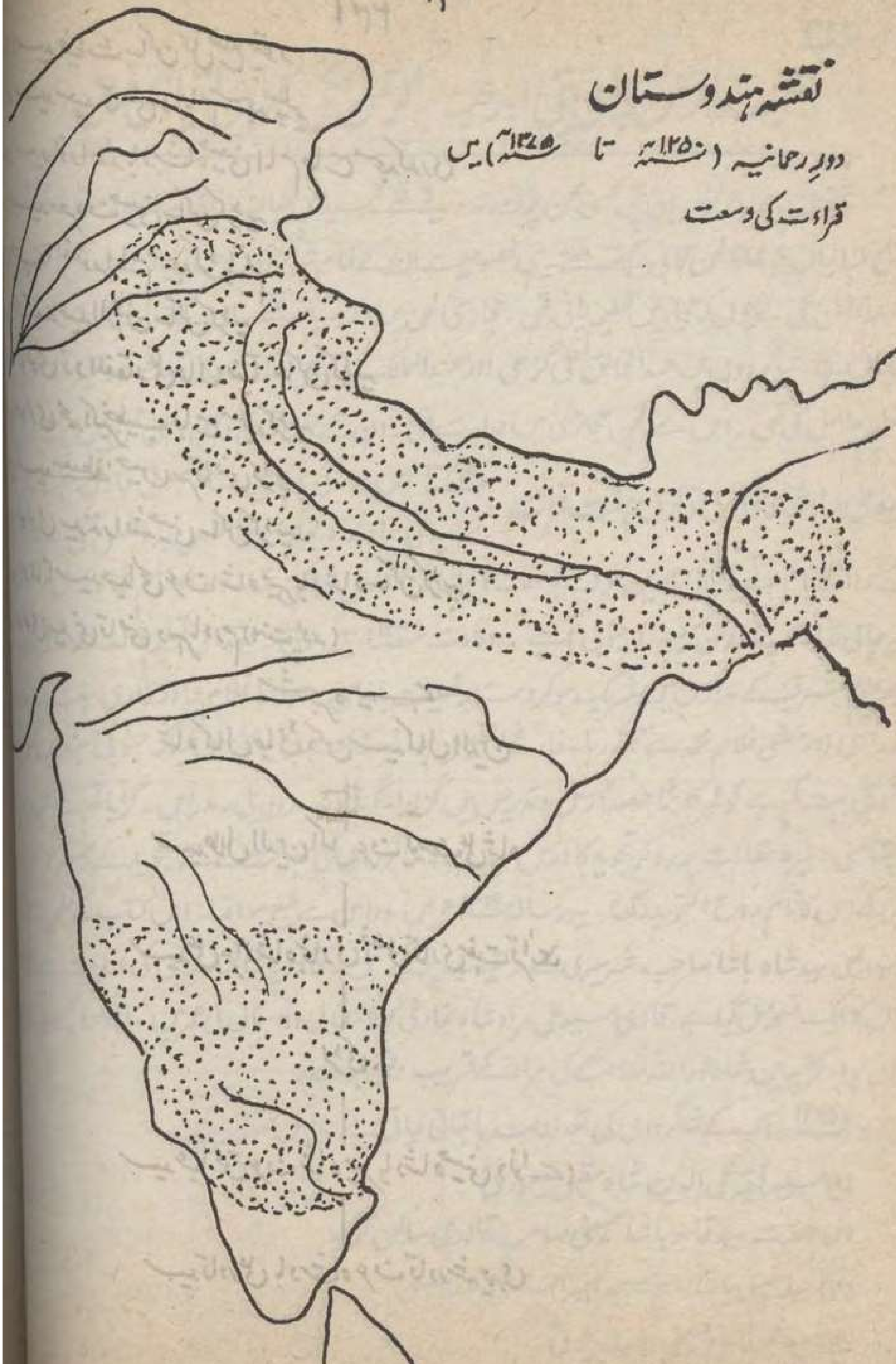

دورِ چہار دہم تونسیہ

زمانہ از سنہ ۱۳۱۰ھ تا سنہ ۱۳۷۵ھ

مرکزی شخصیتیں (۱) شیخ القراء سید محمد تونسی
(۲) شیخ القراء عبد الحق مکی

۳۲۶ - دکن میں یہ دور شیخ القراء حضرت سید محمد تونسی ابن سید احمد کی آمد سے شروع ہوتا ہے۔ آپ زبردست عالم۔ حافظ۔ قرأت عشرہ کے قاری تھے۔ حضرت نے قراءت کی سند حبیب محمد بن حمودہ الدراجی سے جن کا انتقال سنہ ۱۲۹۱ھ میں ہوا تھی۔ آپ مدینہ منورہ میں سالہا سال قرأت عشرہ کا درس دیتے رہے پہلی دفعہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۰۹ھ میں تشریف لائے۔ نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نے ایک سو پچاس روپے ماہوار منصب مقرر کیا۔ چار سال حیدر آباد میں رہ کر سنہ ۱۳۱۳ھ میں چلے گئے۔ حضرت نے اولاً مولوی حسن الزماں کے پاس قیام کیا بعد ازاں دیگر صاحب ثروت احباب نے اپنے پاس مہمان رکھا۔ حضرت کی آمد کے ابتدائی زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ حافظ محمد ایوب صاحب جو راولپنڈی کے باشندے تھے۔ اچھے حافظ اور ایک روایت کے خوش الحان قاری تھے۔ ان کے ایک دوست نے حافظ صاحب سے کہا کہ چلئے۔ ایک صاحب عرب سے آئے ہیں آج ان کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کریں گے۔ حافظ صاحب آمادہ ہوگئے۔ مغرب کی نماز دونوں نے قاری تونسی صاحب کے پیچھے ادا کی — جماعت کثیر تھی۔ جگہ امام سے دور ملی۔ حضرت قاری تونسی صاحب نے مغرب کی نماز میں سورہ الضحیٰ بقرأت امام کسائی پڑھا۔ حافظ ایوب صاحب نے اما لے کبھی نہیں سنے تھے۔ اس لئے خیال کیا کہ کوئی جاہل عرب ہے، قرآن غلط پڑھ رہا ہے۔ نماز ہی میں غصہ آگیا۔ فرض نماز جیسے تیسے ختم کی۔ سلام پھیرتے ہی اپنے دوست پر جھلا کر کہنے لگے۔

"لاحول ولا قوۃ۔ کہاں لے آئے کہ نماز بھی درست نہ ہوئی۔ کیا غلط قرآن پڑھتا ہے۔ ابھی

ڈنڈے سے سیدھا کر دیتا ہوں۔"

ان کے دوست نے روکا کہ حافظ صاحب کیا غضب کرتے ہو وہ تو عشرہ کے جید قاری ہیں چلو میں تم کو بلا دیتا ہوں یہ کہہ کر حضرت تونسی صاحب کے پاس لے گئے اور حافظ صاحب کو بلایا اور ساتھ ہی یہ واقعہ بھی بیان کر دیا کہ حافظ صاحب تو ڈنڈے سے آپ کی خبر لینے والے تھے۔ تونسی صاحب نے ہنس کر حافظ صاحب سے کہا کہ آپ کچھ سنائیے۔ حافظ صاحب نے ایک رکوع سنایا۔ تونسی صاحب نے فرمایا کہ آپکی صلاحیتیں اچھی ہیں آپ آیا کیجئے تو آپ کو قرأت عشرہ کے اختلافات بتاؤں گا۔ غرض اس کے بعد حافظ صاحب جانے لگے۔ چند ہی روز میں حافظ ایوب صاحب نے معلوم کر لیا کہ حضرت تونسی صاحب تجوید و قراءت کے بہت بڑے عالم ہیں۔ پھر تو روز بروز عقیدت بڑھتی گئی اور قرأت عشرہ کا ذوق بھی ترقی کرتا گیا۔ ایک روز حضرت تونسی صاحب نے حافظ ایوب سے فرمائش کی کہ

"حافظ صاحب! سورۃ الضحیٰ بقرات کسائی سنائیے۔ حافظ صاحب نے امالون کے ساتھ پڑھا تو قاری صاحب نے کہا" ہاں! کیا غلط پڑھتے ہو لوں ڈنڈا ہاتھ میں" حافظ صاحب! کو پہلی ملاقات کے الفاظ یاد آگئے۔ خجالت سے سر جھکا لیا اور بڑی عاجزی سے کہا کہ حضرت جہالت بھی بری بلا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی بدولت اس جہالت سے نکالا۔"

(ب) غرض لوگوں کو جب حضرت کے جید قاری ہونے کی اطلاع ہوئی تو شاگردوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ سب میں نمایاں شخصیت محمد ابراہیم صاحب قمیصی کی تھی۔ جو پہلے قاری عبدالولی کے شاگرد رہ چکے تھے آپ میر خانہ مبارک (یعنی سرکار نظام) میں ملازم تھے۔ قرأت سبعہ وعشرہ سیکھنے کے لئے حضرت تونسی صاحب کے پاس جانے لگے۔ اس وقت سید محمد تونسی صاحب سرور نگر میں مقیم تھے۔ میر خانہ کا دفتر ازل کی کوٹھی واقع محلہ سیف آباد میں تھا۔ کوئی دس میل کا فاصلہ ہوگا۔ محمد ابراہیم صاحب کے شوق کا یہ عالم تھا کہ دن بھر افسر الملک کے تحت کام کرتے۔ شام کو سیف آباد سے پیدل چل کر سرور نگر پہونچتے۔ وہاں عشاء کے بعد درس شروع ہوتا۔ تنہا استاد کو سناتے تھے۔ شوق کی وجہ سے جی چاہتا کہ جب تک استاد بس نہ کہیں پڑھے جاؤ۔ استاد کو پڑھانے میں یہ شغف تھا کہ جب تک شاگرد نہ تھکے پڑھنے دو۔ اس طرح پوری رات گزر جاتی۔ صبح کی نماز کے وقت درس ختم ہوتا۔ نماز سے فارغ ہو کر واپس لوٹتے۔ کئی روز اس طرح گزار دیئے۔ آخر کار قرأت عشرہ کی تکمیل کرلی۔

(ج) قاری تونسی صاحب کے شاگردوں میں ایک اور شاگرد مفتی محمد محمود مدراسی تھے آپ نے لڑکپن میں خاندان ہی میں تجوید و قراءت سیکھی تھی۔ اس کے بعد جب حج کو گئے تو مکہ معظمہ میں شیخ القرا سید محمد

ایک سال میں عشرہ کی تکمیل کی ۱۳۰۸ھ میں کی۔ بعدازاں مدینہ منورہ جاکر سید محمد تونسی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند لی۔ مفتی محمد محمود صاحب ۱۳۲۷ھ میں حیدرآباد آکر چند ماہ رہے تھے۔ اس وقت حیدرآباد کے بعض اساتذہ نے آپ سے استفادہ کیا تھا۔

۳۲۷ شیخ القراء کے دوسرے شاگرد یہ تھے۔

(۱) مولانا شاہ سید غلام غوث صاحب شطاری

(۲) سید شاہ محمد علی صاحب شطاری

(۳) حافظ قاری سید اسداللہ صاحب

(۴) حافظ مقری سید عمر صاحب

(۵) سید زین العابدین صاحب

(۶) نظام الدین صاحب

(۷) محمود حسین صاحب

(۸) محی الدین شریف صاحب

(۹) حافظ فخر الدین صاحب

(۱۰) قاری قادر خاں صاحب

(۱۱) قاری عبدالقدیر صاحب

یہ سب شاگرد مدت العمر تجوید وقراءت کی خدمت کرتے رہے۔ ان میں سے اب حافظ فخر الدین اور محی الدین شریف صاحب زندہ ہیں۔

۳۲۸ شیخ القراء حضرت سید محمد تونسی صاحب دوسری بار ۱۳۱۷ھ میں حیدرآباد آئے ایک سال حیدرآباد میں رہکر چلے گئے (ب) حضرت جہیر الصوت تھے آواز موٹی اور بلند تھی۔ قرآن شریف خوب یاد تھا۔ جس روایت سے فرمائش ہوئی اسی سے سوا پارہ تراویح میں سناتے تھے۔ شہرت ہوجانے کے بعد لوگ کثرت سے آکر تراویح اور دیگر نمازوں میں شریک ہوتے اور قراءت سن کر محظوظ ہوتے۔ حیدرآباد سے واپسی ۱۳۱۸ھ میں ہوئی ۱۳۲۴ھ میں وفات پائی جنت البقیع میں امام نافع کے پاس دفن ہوئے۔

شیخ القراء سید عبدالحق مہاجر مکی

۳۲۹۔ عشرہ کے دوسرے زبردست قاری حضرت سید عبدالحق صاحب مہاجر مکی تھے۔ آپ اصلاً فیض آباد (اترپردیش) کے رہنے والے تھے والد کا نام سید کفایت اللہ تھا۔ غدر کے بعد حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے ہجرت کرکے مکہ معظمہ چلے گئے۔

وہیں علوم کی تکمیل کی۔ بڑے اچھے ادیب تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اردو اور ترکی کے ماہر تھے۔ یہ چاروں زبانیں بڑی روانی سے بولتے تھے اور ان میں شعر کہتے تھے۔ قرأت عشرہ کی تکمیل سید حبیب الرحمن الکاظمی المدنی سے کی جن کا انتقال ۱۳۲۰ھ میں ہوا۔ الکاظمی حسن بن بریری کے شاگرد تھے جنھوں نے ۱۳۱۷ھ میں وفات پائی۔

۳۳۰ سید عبدالحق صاحب نے مکہ معظمہ ہی میں شادی کی۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا تولد ہوا۔ لڑکے کا نام سعید تھا۔ لڑکی کی شادی قاری محمد اسحق صاحب سے ہوئی۔ شیخ القراء عبدالحق صاحب نے وہاں مدرسہ فخریہ قائم کر کے درس و تدریس شروع کی۔ اپنے مدرسے کے لئے امداد جاری کرانے کی غرض سے ۱۳۳۵ھ میں حیدرآباد آئے۔ افسر الملک سے پہلی ملاقات اورنگ آباد میں ہوئی۔ وہاں سے حیدرآباد آنے کے بعد ان ہی کی کوٹھی راحت منزل میں مقیم رہے۔ افسر الملک کی مسجد میں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اعلیٰ حضرت حضور نظام نے حمایت سویمنگ باتھ کا افتتاح کیا تو اس وقت قاری صاحب نے ان کی مدح میں ایک عربی اور ایک فارسی قصیدہ پڑھا۔ افسر الملک کی سفارش سے اعلیٰ حضرت نے مدرسہ کے نام تین سو روپے کی امداد جاری کی۔ خود قاری صاحب کو ایک سو روپے اور ان کے فرزند سعید کو پچاس روپے ماہوار تاحیات منصب جاری کیا۔ ایک سال حیدرآباد میں رہکر قاری صاحب ۱۳۳۶ ہجری میں واپس تشریف لے گئے۔

(ب) حضرت کا انتقال ۱۳۳۹ھ میں مکہ معظمہ میں ہوا۔ جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے داماد محمد اسحاق صاحب نے مدرسہ فخریہ سنبھالا۔ وہ بھی دو مرتبہ حیدرآباد آکر گئے ہیں۔ میں نے بھی انہیں قرآن شریف کئی روز سنایا ہے۔

۳۳۱ حیدرآباد کے ایک سال کے قیام میں قاری عبدالحق صاحب نے بہت سے شائقین تجوید و قرأت سے قرآن مجید سنا۔ عشرہ سے ختم کرنے والوں میں چار نام بہت ممتاز ہیں:۔

(۱) شیخ القراء میر روشن علی صاحب

(۲) مقری منیر علی صاحب

(۳) مولانا قاری عبدالعزیز صاحب صدیقی خلف علامہ عبدالقدیر صاحب صدیقی

(۴) مقری ڈاکٹر سید کلیم اللہ حسینی صاحب۔

شیخ القراء سید محمد بن احمد تونسی وفات سنہ ۱۳۲۲ھ

- شاگرد
  - مقری محمد ابراہیم تمیمی وفات سنہ ۱۳۳۶ھ
- شیخ القراء سید عبد الحق صاحب مکی
  - شیخ القراء میر روشن علی
    - مقری شاہ تاج الدین
      - شاگردانِ عشرہ
        - (۱) شیخ سالم عمودی
        - (۲) مولوی اشرف علی
        - (۳) حمید احمد منذر
        - (۴) محمد لیاقت حسین
        - (۵) ہاشم علی
        - (۶) سید شاہ عبد الحق المحض القادری
    - مقری حافظ عبد الرحمٰن بن محفوظ
      - شاگردانِ عشرہ
        - (۱) سید حمید اللہ حسینی
        - (۲) عبد الستار خاں
        - (۳) شیخ صالح یافعی
        - (۴) ڈاکٹر وحید الزماں
        - (۵) سید انور حسین
        - (۶) حافظ سید محمود
        - (۷) محمد ولی اللہ
        - (۸) حامد علی
    - دیگر شاگردان عشرہ
      - (۲) مرزا اکبر علی بیگ
      - (۳) حافظ عبد الرحیم
      - (۵) حافظ سید حسن شاہ۔
      - (۶) حکیم ریاض الدین
      - (۷) میر کاظم علی فرزند کلاں
      - (۸) حافظ سید ابراہیم القادری
      - (۹) میر اسد علی داماد
      - (۱۰) میر عثمان علی فرزند خورد
      - (۱۱) سید عطا حسین
      - (۱۲) سید محی الدین القادری
      - (۱۳) مرزا بسم اللہ بیگ (مولف کتاب ہذا)
      - (۱۴) خواجہ محمد احمد
      - (۱۵) حبیب محمد خاں
      - (۱۶) سیدہ جہاں بیگم بنت حافظ محمد ابراہیم
      - (۱۷) حافظ محمد سلیمان
      - (۱۸) حافظ محمد احمد
      - (۱۹) حافظ خیر اللہ
      - (۲۰) حافظ خواجہ معین الدین
      - (۲۱) عبد الشکور بہاری
  - عبد العزیز صدیقی
  - مقری منیر علی
  - ڈاکٹر مقری سید کلیم اللہ حسینی
- دیگر شاگردان، صاحب
  - (۱) مولانا شاہ سید غلام غوث صاحب شطاری سنہ ۱۳۳۱ھ
  - (۲) سید شاہ محمد علی شطاری وفات سنہ ۱۳۳۴ھ
  - (۳) حافظ محمد ایوب حسینی
  - (۴) حافظ قاری سید اسد اللہ حسینی
  - (۵) حافظ مقری سید عمر صاحب
  - (۶) قاری سید زین العابدین
  - (۷) قاری سید نظام الدین "
  - (۸) قاری محمود حسین "
  - (۹) قاری محی الدین شریف "
  - (۱۰) قاری حافظ فخر الدین "
  - (۱۱) قاری عبد القادر "
  - (۱۲) قاری عبد القدیر صاحب وغیرہ

نقشہ ہندوستان

دورِ تونسیہ سنہ ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۸۵ھ

میں قراءت کی وسعت

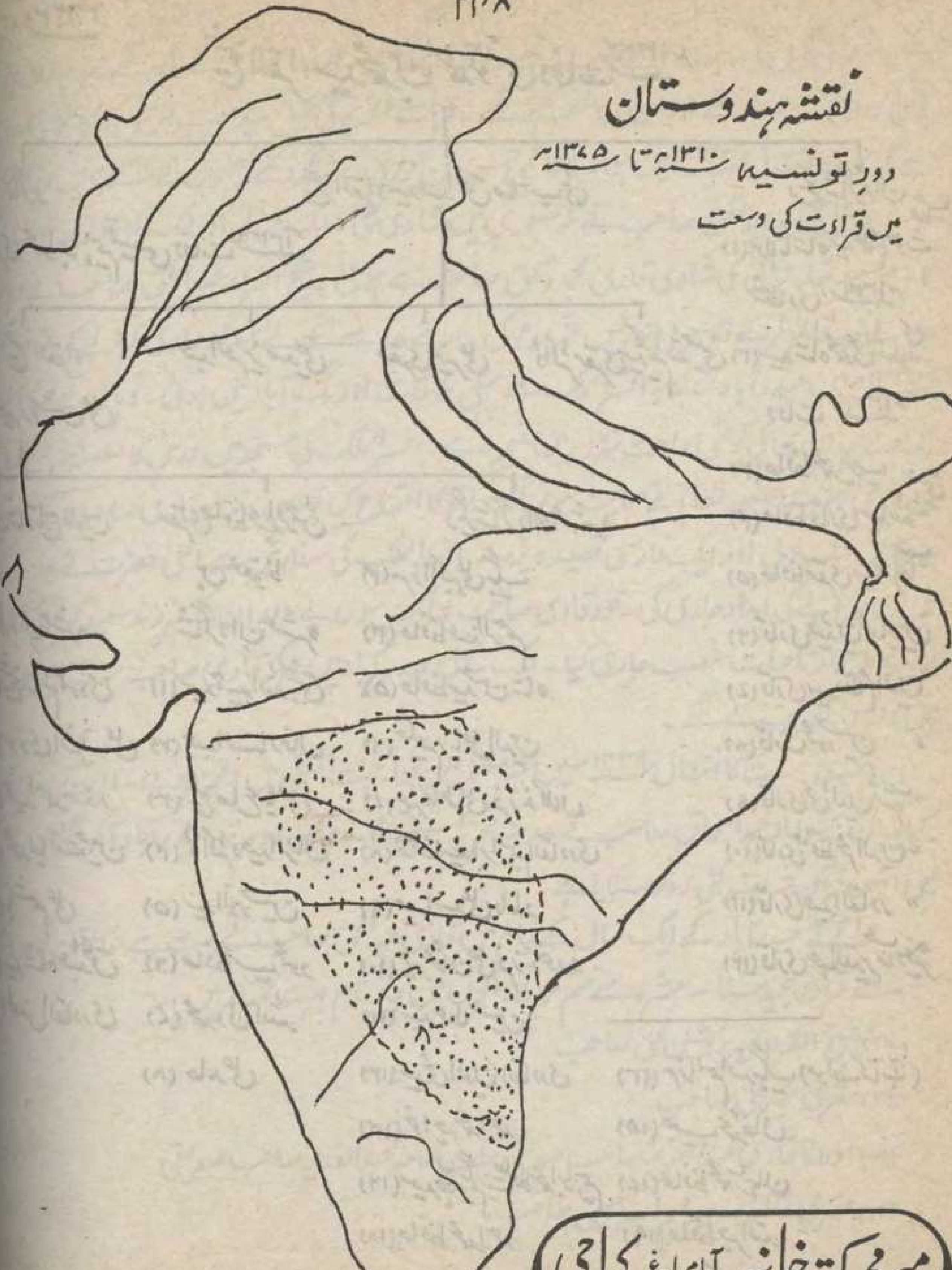

میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی